DATA ENTERED

قرآن اور جدید سائنس

حیرت آفریں سائنسی اکتشافات

از

پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم

ایم-ایس سی ٹیکنالوجی (پنجاب): پی-جی-ڈپلومہ (لیڈز-انگلینڈ)

پی-ایچ ڈی میٹالرجی (لیڈز): اے-آر-آئی-سی (لندن)

ایم-آئی-ایم (لندن): چارٹرڈ انجینئر (لندن): ایف-آئی-ایم-ای (پاک)

ایم-آئی-سی ایچ-ای (پاک): پی-ای (پاک)' ایف-آئی-پی-ایف (پاک)

سابق صدر پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف میٹالرجیکل انجینئرز

صدر انسٹی ٹیوٹ آف پاکستان فونڈری مین

سابق ڈین فیکلٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی

پنجاب یونیورسٹی نیو کیمپس' لاہور

فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ

لاہور - راولپنڈی - کراچی

Marfat.com

۲۹۷۰۰۰۱
۵۸۲۵۳

مجلد: 969 0 01582 6

بار اول _____________ ۲۰۰۰ء

طبع مکرر _____________ ۲۰۰۰ء

فیروزسنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

ہیڈ آفس و شوروم: 60 شاہراہ قائداعظم، لاہور۔

راولپنڈی آفس: 277 پشاور روڈ، راولپنڈی۔

کراچی آفس: فسٹ فلور، مہران ہائٹس کراچی۔

Pro. Dr. Fazal Karim

Quran Aur Jadeed Science

پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم

قرآن اور جدید سائنس

2000 © جملہ حقوق فیروزسنز محفوظ ہیں۔

اس کتاب کا کوئی حصہ نقل کرنے، کسی بھی طریقے سے محفوظ کرنے، فوٹو کاپی یا ترسیل کرنے کی اجازت نہیں۔

مطبوعہ فیروزسنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ لاہور۔ باہتمام عبدالسلام پرنٹر و پبلشر

انتساب

والدہ مرحومہ کے نام

دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات
عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی

علامہ اقبال (بانگ درا)

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان
3	انتساب
13	اسلام کا ظہور
15	پیش لفظ از علامہ سید غلام شبیر بخاری
23	مقدمہ از مصنف
34	پہلا باب: اللہ تعالیٰ کی ہستی کا سب سے بڑا ثبوت قرآن حکیم ہے
34	علم الٰہیات
35	سائنس کیا ہے؟
38	جدید سائنسی علوم کی بنیاد
41	اثبات وجود باری تعالیٰ
43	دوسرا باب: قوانین فطرت وجود باری تعالیٰ کو ثابت کرتے ہیں
43	ملحدانہ نظریات
44	کائنات میں مختلف توانائیاں
45	ایٹم کی ساخت
46	چھوٹی اور بڑی دنیا کی مثال
50	سائنس اور مذہب
52	تیسرا باب: قرآنی آیات اور سائنسی علوم
52	کتاب رشد وہدایت

Marfat.com

عنوان	صفحہ
قرآن حکیم سائنس کی کتاب نہیں	55
کھجور کا واقعہ	56
آفاقی دلائل	57
سائنسی طریق کار	59
تذکر، تدبر اور تفقہ	60
زندگی کا آغاز	65
زمانہ حاضر کا انسان	69
حاصل کلام	69
چوتھا باب: مذہب اور سائنس	70
مذہب اور سائنس میں عداوت	70
چارلس ڈارون	71
کارل مارکس کے نظریات	72
معاشیات یا اقتصادیات سے متعلق قرآنی تصریحات	74
علامہ اقبالؒ کے نظریات	76
مذہب اور سائنس میں مفاہمت	77
قرآن حکیم میں سائنسی حقائق	82
حاصل کلام	84
پانچواں باب: قرآن اور فلسفہ ارتقائے حیات	85
نظریہ ارتقاء	85
یہ کون سی جگہ ہے؟ ہم کہاں ہیں؟	86
زمین کی تخلیق	86
سر جیمز جینز کا نظریہ	87
زمین کی تخلیق کا جدید نظریہ	91

صفحہ	عنوان

عنوان	صفحہ
انسانی جسم کس مادے سے بنا ہے؟	92
زمین کی ساخت	94
قرآن حکیم کا بیان	95
زمین و آسمان کی پیدائش اور ارتقاء کے بارے میں قابل غور باتیں	96
فلسفہ ارتقائے حیات	99
ڈارون سے پہلے نظریات	99
لمارک کا نظریہ ارتقاء یا لمارکیت	103
چارلس ڈارون کا نظریہ ارتقاء	106
چارلس ڈارون کے ابتدائی مختصر حالات	106
زمین پر زندگی کیسے شروع ہوئی؟	107
نظریہ تخلیق غیر معمولی (یا تخلیق خصوصی)	109
زندگی کی سانس یا روح کیا ہے؟	111
نظریہ تخلیق خصوصی کے خلاف دلائل	116
ارتقائے حیات کا نظریہ	121
قابل غور باتیں	122
ارتقا کے حق میں دلائل	124
گروہ بندی	125
اعضاء میں بنیادی یکسانیت	125
فالتو اعضا	127
رابطہ کڑیاں	130
جنینیاتی دلائل	130
علم متحجرات اور ارتقاء	131

Marfat.com

عنوان	صفحہ
کثرت پیدائش اور ارتقاء	134
آدمی کا ارتقاء کیسے ہوا؟	137
حضرت آدم علیہ السلام اور نظریہ ارتقاء	141
قرآن حکیم اور فلسفہ ارتقاء	144
فلسفہ ارتقا اور اللہ تعالیٰ کی ذات	146
چھٹا باب: قرآن اور کائنات	150
زمین کی گول شکل	150
زمین کی گردش	151
دن اور رات	153
سورج (آفتاب)	156
زمین اور آسمان ایک تھے	158
آسمان	159
چاند (قمر)	163
چاند کی تخلیق کے قدیم نظریات	164
چاند کی تخلیق کا جدید نظریہ	165
نظام شمسی کا انجام (اختتام)	166
سائنس کا نقطہ نظر، سورج کیسے بے نور ہو جائے گا؟	169
تخلیق کے چھ ادوار یا زمانے	174
زمین کا سکڑنا	179
زمین کا انجام	180
کیا اجرام فلکی انسانی رویے یا قسمت پر اثر انداز ہوتے ہیں؟	182
جوتش یا نجوم پرستی	182

عنوان	صفحہ
قرآن حکیم کے ارشادات	184
انسان پر چاند کے اثرات	188
ساتواں باب: سائنس کے عظیم معجزات	190
ٹیلی مواصلات	191
حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سباء کا واقعہ	193
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آسمان کی طرف اٹھان	197
معراج نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	197
ریڈیو اور ٹیلی ویژن (کی پیش گوئی)	200
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ	202
آٹھواں باب: قرآن کے چار بڑے سائنسی انکشافات	204
1۔ آسمان کی طرف پرواز	204
2۔ خلا کی تسخیر	206
3۔ پودوں اور درختوں کی بار آوری	211
4۔ سطح سمندر	214
نواں باب: قرآن اور فلزات	218
دھات (فلز) کیا شے ہے؟	218
سونا	220
چاندی	222
لوہا	224
تانبا	227
سیسہ	229
دسواں باب: میٹالرجی و دیگر سائنسی علوم میں مسلمانوں کی خدمات	231

Marfat.com

عنوان	صفحہ
جابر بن حیان	235
ابن سینا	236
عبدالرحمان الخازنی	238
زکریا الرازی	239
دیگر سائنسی علوم میں مسلمانوں کی خدمات	239
گیارہواں باب: قرآن کا منفرد سائنسی اسلوب بیان	242
آسمان میں ستون نہیں	247
آسمان کا نیلا رنگ کیوں ہے؟	249
آسمان کے بارے میں مزید قابل غور باتیں	254
آسمان ہمارے لئے محفوظ چھت کیسے ہے؟	254
آسمان ہماری حفاظت کیسے کرتا ہے؟	255
سات آسمان اور زمین بھی اتنی ہی (انہی کی طرح)	264
بارہواں باب: قرآن اور علم موسمیات و بحریات	271
بادلوں میں چمک، کڑک اور صاعقہ	274
ہواؤں کی تقسیم یا تبدیلی	278
ہواؤں کی گردش	281
قوم عاد اور ثمود	285
طوفان بادوباراں (یا سمندری طوفان)	286
بارش اور مردہ زمین	290
بارش اللہ کی رحمت اور زحمت بھی	293
پتھراؤ کرنے والی ہوا اور بارش	294
سمندر اور کشتیاں	295
صاف پانی	301
پانی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے	301

صفحہ	عنوان
314	**تیرھواں باب: متفرق موضوعات**
314	سبز درخت سے آگ کا نکلنا
316	جہنم کی آگ (نار جہنم)
317	معدنی کوئلے اور تیل (پٹرولیم) کی پیش گوئی
318	دوزخ کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے!
321	آتش نمرود اور حضرت ابراہیم علیہ السلام
323	قرآن' زمین اور زراعت
323	مردہ زمین کیسے زندہ ہو جاتی ہے؟
329	قرآن اور تخلیق انسان
329	انسان کی پیدائش کے مراحل
330	رحم مادر میں تین اندھیرے کون سے ہیں ؟
332	غیب کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے
334	ہر کام میں خدا ہی کی مرضی شامل ہے
335	ایک حدیث
335	فرشتے اور جنات
337	**چودھواں باب: سائنس اللہ تعالیٰ کے وجود کو ثابت کرتی ہے**
337	اثبات وجود باری تعالیٰ
350	**پندرھواں باب: میں اللہ تعالیٰ پر کیوں ایمان رکھتا ہوں؟**
355	حکایت رومی
356	علم والے عالم
358	قرآنی آیات جن کا حوالہ کتاب میں دیا گیا
367	کتابیات

Marfat.com

Marfat.com

علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا۔

"اسلام کا ظہور عقل استقرائی (سائنس) کا ظہور ہے"۔

"خطبات مدراس"

" The birth of Islam, as I hope to be able presently to prove to your satisfaction, is the birth of inductive intellect."

Reconstruction of Religious Thought in Islam.

P.126

(اس کتاب میں حضرت علامہ اقبالؒ کے اس مشہور اور تاریخی بیان کی ترجمانی کرنے کی کوشش کی گئی ہے)

مصنف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

از

(علامہ سید غلام شبیر بخاری مد ظلہ، مفسر قرآن (الاختصار البیان فی معانی القرآن)

لفظ قرآن لغت میں فعلان اور رجحان کے وزن پر مصدر ہے۔ قرآن کے معنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا ہے۔ قرآن کریم کا نام بھی قرآن اسی لئے ہے کہ اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جاتا ہے۔ اس کا مادہ القرأت ہے جس کے معنی حروف و کلمات کو ترتیل میں جمع کرنے کے ہیں اور اس طرح پڑھنے اور سمجھنے کا شعوری احساس پیدا کرتا ہے۔ قرآن حکیم تنزیلات ربانی کی کتب مطہرۃ کے جمیع علوم و حکم کا ثمرہ ہے۔

سیدنا علی کرم اللہ وجہ' نے اپنے اس شعر میں اسی امر کی صراحت فرمائی ہے کہ

جمیع العلم فی القران لاکن   تقاصر عنہ افہام الرجال

(قرآن حکیم تمام علوم کا جامع ہے البتہ لوگوں کے افہام کے لئے ان کے احاطہ کرنے میں کوتاہی رہ جاتی ہے) قرآن حکیم علوم ماکان ومایکون کی لازوال صداقتوں کا بے مثال گنجینہ ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا

ترجمہ: ''آج میں نے تمہارے دین کی کماحقہ تکمیل کر دی ہے (مادی اور روحانی زندگی کی بھرپور) نعمتیں تم پر تمام کر دی ہیں اور (بطور ایک جامع نظام حیات کے) دین اسلام کو تمہارے لئے پسند کر لیا ہے''۔

(سورۃ المائدہ 5: آیت 3)

مندرجہ بالا آیت میں قرآن حکیم کے خاتم الکتب ہونے کا اعلان ہے اور پھر ارشاد ہوا

Marfat.com

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا ؕ وَمَآ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ۝

ترجمہ: (اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں کہہ دو کہ) "تمہارے پاس تمہارے رب (الارباب) کے تابناک دلائل پہنچ چکے ہیں جس نے انہیں چشم بصیرت سے دیکھا (روشن بصر ہوا) اور جس نے فکری اندھے پن سے اغماض کیا اس نے اپنے لئے برا کیا- میں تمہارا نگہبان و نگران نہیں ہوں"-

(سورۃ الانعام 6: آیت 104)

مندرجہ بالا آیت نے اذہان و قلوب انسانی پر آفاقی بصیرتوں کے ان گنت دروازے کھول دیئے اور کائنات ہستی میں علم، عقل، شعور، تدبر، فکر، ذکر کے متنوع تجربات سے سمع، بصر و فواد کی نو بہ نو حسین دنیائیں تخلیق کر دیں- اس ذہنی اور روحانی، علمی نشاۃ ثانیہ کی گہرائیوں میں نظر کیجئے تو آج ان کے لامحدود امکانات ہیں-

قرآن حکیم تنزیلات الہیہ کا پہلا اور آخری ارمغان ہے- اس کی عظمت پر ہر دور کے ذہنی، علمی اور فکری ارتقاء نے گواہی دی ہے اور یہ عمل آج تک جاری و ساری ہے- اس عظمت کا پہلا اعتراف یہ ہے کہ اس کی محافظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لی ہے جیسا کہ سورۃ الحجر کی آیت 9 میں ارشاد ہوا-

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝

ترجمہ: "بلاشبہ قرآن مجید ہمیں نے نازل کیا اور بے شک ہم خود اس کے محافظ و نگہبان ہیں"

(سورۃ الحجر 15: آیت 9)

اس میں نہ تو کوئی رد و بدل ہوا ہے نہ تحریف برخلاف ازاں توریت ہو یا انجیل، کوئی آسمانی کتاب ہو گی جو لوگوں کی دست برد سے نہیں بچی- توریت 1500 ق- م میں عبرانی زبان میں موجود تھی- 284 ق- م میں اس کا یونانی ترجمہ منظر عام پر آیا- اسے پانچ کتابوں میں پیدائش، خروج، احبار، گنتی اور استثنا کے عنوانات کے تحت ترتیب دیا گیا-

Marfat.com

698 میں گم ہوئی' 75 سال بعد دستیاب ہوئی- 971 ق- م سیق شاہ مصر کے حملہ یروشلم میں چھ سو سال ق - م بخت نصر کے دور جارحیت میں جلا دی گئی- عزرا نبی نے اپنی یاداشت کی بنیاد پر مرتب کی جو پھر پانچ حملوں میں ظالمانہ عصبیتوں کا نشانہ بنی- سنی سنائی روایات پر اسفار موسیٰ مرتب ہوئے اور ان میں غالب حصہ الحاقی ہے (جیوش انسائیکلو پیڈیا جلد نہم)- اسی طرح انجیل بلاشبہ حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہوئی- جب یہ طے نہ ہو سکا کہ الحاقی حصے کون کون سے ہیں اور الہامی حصے کون کون سے ہیں تو 325 عیسوی میں قسطنطین اعظم نے 300 مقتدر پادریوں کی کونسل بنائی- اصلی و نقلی نسخوں کی پہچان کا یہ طریق اختیار کیا گیا کہ عشائے ربانی کی میز پر رکھ کر انہیں ہلایا گیا جو نسخے نیچے گر گئے وہ الحاقی اور جو میز پر رہ گئے اصلی اور الہامی کہلائے-

دوسرا اعتراف عظمت قرآنی یہ ہے کہ لفظ قرآن میں ایک ایسی کتاب کی طرف اشارہ موجود ہے جو بار بار پڑھی جاتی ہو- پروفیسر حطی 'دی ہسٹری آف دی عربس (ص 116) میں اس خصوصیت کا ان الفاظ میں اعتراف کرتے ہیں-

"Though the youngest of the epoch- making books the Koran is the most widely read book ever written"

گویا عالم تصنیف و تالیف میں اس سب سے آخری الہامی کتاب کا یہ امتیاز خصوصی ہے کہ دنیا میں یہی ایک کتاب سب سے زیادہ پڑھی جانے والی ہے- امریکہ' انگلستان اور جرمنی کی بعض یونیورسٹیوں کی سٹڈیز کا بھی یہی ماحصل ہے کہ قرآن مجید واحد سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے-

قرآن مجید کی عظمت کا ایک اور روشن پہلو ہے کہ اس کی تعلیمات نے دنیائے اسلام کو ایک مخصوص ثقافت دی اور محمد اسد بڑی خوبصورتی سے قرآن مجید کی تفسیر کے دیباچے میں ثابت کرتے ہیں کہ ایسی ثقافت یورپ میں نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کی محرک بنی اور اسی سے وہ عالم' عالم وجود میں آیا جسے آج ہم سائنسی دور یا ایج آف سائنس (Age of Science) کہتے ہیں-

قرآن مجید کی عظمت کا ایک معتبر باشان اظہار (بائبل' قرآن اور سائنس) کے مصنف موریس بوکائے نے کیا ہے- وہ کہتے ہیں "ان سائنسی خیالات نے جو قرآن مجید کے

Marfat.com

ساتھ زاید نوعیت (خصوصی تعلق) رکھتے ہیں، شروع میں مجھے بے انتہا محو حیرت کر دیا۔ اس وقت میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ ایسی تحریر جو تیرہ صدیوں سے زائد عرصہ پہلے مرتب ہوئی تھی، میرے لئے یہ ممکن ہو گا کہ میں اتنے بہت سے بیانات ڈھونڈ نکالوں گا اور وہ سب جدید سائنسی معلومات سے کلی طور پر ہم آہنگ ہوں گے۔ جو بات اس نوعیت کے متن میں پہلے پہل سامنے آتی ہے اور قاری کو چونکا دیتی ہے وہ ان موضوعات زیر بحث کی کثرت ہے۔ یہ موضوعات ہیں تخلیق، فلکیات، زمین کے بعض مادوں کی تشریح، عالم حیوانات و نباتات، انسانی تولید جب کہ بائبل میں فاش غلطیاں دیکھنے میں آئی ہیں مگر قرآن مجید میں ایک غلطی کا بھی پتہ نہیں چلا سکا ہوں۔ میں نے اس موقع پر توقف کر کے خود سے استفسار کیا کہ اگر کوئی بشر قرآن کا مصنف ہوتا تو وہ ساتویں صدی عیسوی میں ایسے حقائق کس طرح بیان کر دیتا جو آج جدید سائنسی معلومات سے پوری طرح مطابقت کرتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔ اس رائے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ قرآن کا جو متن آج ہمارے پاس ہے، اگر مجھے ان الفاظ میں گفتگو کرنے کی اجازت دی جائے تو (میں کہوں گا) کہ یہ قطعی طور پر اسی زمانے کا متن ہے"۔ اور پھر گستاولی بان نے جس طرح "تمدن عرب" میں وضاحت کی ہے کہ "قرآن مجید نے عالم انسانیت کی فکری نشاۃ کی عملی راہیں سجھائیں اور مسلمان سائنس دانوں نے ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے جن سے پانچ سو سال سے زیادہ عرصہ تک یورپ کی درس گاہیں اکتساب فیض کرتی رہیں۔ اگر آپ سائنس کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ گیارہویں صدی کی ابتداء تک مسلمانوں میں بڑے عظیم سائنس دان موجود تھے۔ ان کی فہرست تو بڑی طویل ہے لہٰذا ان کا ذکر میں یہاں نہیں کروں گا چونکہ زیر مطالعہ کتاب گراں قدر میں ان کے بارے میں ایک علیحدہ باب موجود ہے۔ ارتقائے انسانیت (The Making of Humanity) کا مصنف بریفالٹ (Briffault) کو اعتراف کرنا پڑا کہ سائنسی فکر و عمل میں اہل فکر و نظر کو قرآن مجید کی سب سے بڑی دین ہے۔ اور پھر وہ وسیع القلبی سے یہ تسلیم کرتا ہے کہ دراصل علم کی نشاۃ ثانیہ سولھویں صدی میں نہیں ہوا تھا بلکہ بعثت محمدیؐ سے پانچویں صدی میں آیا تھا۔ ولیم ڈریپر اپنی تصنیف (The Intellectual Development of Europe) میں اعتراف کرتا ہے کہ مسلمانوں نے عالم انسانیت پر سائنس جدید کی راہیں

Marfat.com

کھولیں۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ مغربی سائنس دانوں کی مہتم بالشان تحقیقات کی خشت اول میں مسلمان سائنس دانوں کا ہی تعمیری کام ہے اور اس بات کا برملا اظہار ولیم ڈریپر نے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمیں سائنس کو اسلامی تناظر میں اور قرآن مجید کی روشنی میں مطالعہ کرنے کے داعیے نے ہمیں ہمارے مقام سے آگاہ کر دیا ہے اور قرآن مجید کا تسخیر کائنات کا یہ چیلنج سائنسی تحقیقات کو مہمیز کار فراہم کرتا رہے گا۔ ارشاد ہوا۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○

ترجمہ: "اور اس (قادر مطلق رب الارباب نے) آسمانوں کی بلندیوں اور زمین کی وسعتوں میں واقع پوری کائنات کو اپنے فضل بے نہایت سے تمہارے لئے مسخر کر دیا۔ یقیناً اس میں فکری صلاحیتیں رکھنے والی قوم کے لئے حصول ترقی کی نشانیاں (راہیں) ہیں"۔

(سورۃ الجاثیہ: 45 آیت 13)

ہمارے ہاں عنایت اللہ خاں المشرقی، ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی، سر شاہ سلیمان، ڈاکٹر رفیع محمد چوہدری، ڈاکٹر رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر عبدالسلام (نوبل انعام یافتہ) نے قابل قدر کام کیا۔ وطن عزیز کے نامور ایٹمی سائنس دانوں بالخصوص ڈاکٹر عبدالقدیر خاں، ڈاکٹر اشفاق احمد اور ان کے رفقاء کار نے 28 مئی 1998ء کو ایٹمی دھماکہ کرکے پاکستان کا نام نہ صرف اسلامی دنیا میں بلکہ تمام دنیا میں روشن کرکے ایک حد تک مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی تلافی کر دی ہے اور قوم ان کے کارناموں پر جتنا بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اتنا ہی کم ہے۔ خدا کرے دنیائے اسلام کے لئے اکیسویں صدی سائنس اور ٹیکنالوجی میں اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنے کی صدی ہو۔

قرآن مجید اور جدید سائنس کے باہمی تعلق کو سمجھانے کے لئے ارباب فہم و فکر مجتہدانہ بصیرت عام کرنے کے مقدس فریضے کو سرانجام دینے کے لئے تلاش اور مسلسل جدوجہد میں شام و سحر مصروف ہیں اور ان میں ایک اہم ترین نام پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم کا

Marfat.com

ہے- ڈاکٹر صاحب ملک کے ایک ممتاز ماہر تعلیمات' بلند پایہ محقق' عظیم عالم فلزات (Metallurgist) اور عالم علم المواد (Material Scientist) ہیں- 1960ء سے پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ کیمیکل انجینئرنگ و ٹیکنالوجی میں بطور متعلم اور معلم وابستہ ہیں چونکہ ڈاکٹر صاحب موصوف کی سوانح حیات کا ایک مختصر خاکہ کتاب کے سرورق کی پشت پر موجود ہے' اس لئے میں یہاں اس کا ذکر نہیں کر رہا ہوں- انگلستان' فرانس' اٹلی' یونان' ایران اور لیبیا کے علمی دوروں میں ان کے رسوخ علمی میں مزید اضافہ ہوا- فیکلٹی آف انجینئرنگ و ٹیکنالوجی کے ڈین کے طور پر فائز رہنے کے بعد اب بڑے احترام کے ساتھ وظیفہ یاب ہوئے ہیں مگر اب بھی وہ اسی شعبے میں بطور مشیر و معلم وابستہ ہیں اور متعدد قومی اور بین الاقوامی تحقیقی اداروں سے منسلک ہیں اور فکر و تحقیق کے مراحل طے کر رہے ہیں- ان مراحل میں مقدس ترین مرحلہ ان کی زیر نظر غیر معمولی اہمیت کی حامل مہتم بالشان تصنیف "قرآن اور جدید سائنس" ہے- اپنے موضوع اور اس کی نئی نئی جہتوں (Dimensions) کے ساتھ پھیلے ہوئے مباحث کا یہ تخلیقی کام بلاشبہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے بے مثال ہے- اس میں ان زندہ مسائل پر گفتگو کی گئی ہے جو آج ہمارے علمی اداروں اور ان سے متعلق اساتذہ اور تلامذہ کو علی الخصوص درپیش ہیں-

تین سو سے زائد صفحات پر پھیلی ہوئی یہ نادر روزگار تخلیقی سعی پندرہ ابواب پر محتوی ہے- قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی ہستی کا سب سے بڑا ثبوت ہے' قوانین فطرت وجود باری تعالیٰ کو ثابت کرتے ہیں' قرآنی آیات اور سائنسی علوم' مذہب اور سائنس' قرآن اور فلسفہ ارتقائے حیات' قرآن اور کائنات' سائنس کے عظیم معجزات' قرآن کا منفرد سائنسی اسلوب بیان جیسے مہمات امور ہیں- اور وجود باری تعالیٰ' تخلیق کائنات' ارتقائے آدم جیسے فکر آموز مسائل پر پورے عالمانہ تجربے کے ساتھ محاکمہ کیا گیا ہے اور اس طرح حضرت علامہ اقبالؒ کا یہ نظریہ ذہنوں میں مستحکم تر ہو جاتا ہے کہ "اسلام کا ظہور عقل استقرائی کا ظہور ہے"-

اس پورے گہرے تعلیمی اور تحقیقی سفر میں قرآن مجید کے معیاری تراجم اور تفاسیر' کتب سیر و احادیث' کے مہیا علمی شہ پاروں سے انہیں بڑی مدد ملی اور ان کے ایران اور لیبیا وغیرہ ممالک کی آمدورفت سے فارسی اور عربی میں بفضلہ تعالیٰ جو انہیں بصیرت

میسر آئی اس نے ان کے لئے وہ منزلیں بہت آسان کر دیں جو ان کے علوم شرق نہ جاننے والے معاصرین کے لئے بے حد مشکل تھیں۔ ان صلاحیتوں میں اس سعادت اولیٰ کا سب سے بڑا دخل تھا جو ان کی مادر گرامی کی انتساب خصوصی سے انہیں میسر آئی اور جس کا بجا طور پر احسان کا حق انہوں نے اس طرح ادا کیا ہے کہ اپنے اس سرمایہ علمی کو اپنی والدہ محترمہ (مرحومہ) سے معنون کیا ہے۔ بلاشبہ یہ ان کی دعا تھی جو انہیں قدم قدم پر سہارا دیتی رہی اور ان پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہوا کہ ان کے ممکنات مضمر کی رسائی ان کائناتی صداقتوں تک ہو سکی جو تعلیمات قرآنی کی موثر اور محکم محور ہیں۔

ڈاکٹر صاحب موصوف نے جن قرآنی صداقتوں کو سائنس کی زبان میں ادا کرنا چاہا ہے' ان میں بر سبیل امتثال امر ایک اولین صداقت اثبات ذات الٰہی ہے۔ انہوں نے اس موضوع پر قابل قدر معلومات فراہم کی ہیں اور پھر اس پر بڑی خوبصورتی سے دلائل و براہین کا کامیاب احاطہ کیا ہے۔ جارج ارل ڈیوس کے ذہنی (اور غالباً روحانی؟) تجربات کا ماحصل یہ تھا کہ اگر کائنات اپنے آپ کو خود پیدا کر سکتی تو پھر ایک خالق اور خدا کی قوتیں اپنے اندر رکھتی اور پھر نیوٹن (1642ء تا 1717ء)' ڈارون' (1809ء تا 1882ء)' آئن سٹائن 1879ء تا 1964ء) جیمز جینز (1877ء تا 1946ء) اور وائٹ ہیڈ (1861ء تا 1917ء)۔ کے کسی نہ کسی شعوری اشارے اور واضح نظریے کا ادراک الوہیت کبریٰ سے شعوری احساس میں لازماً" مفید ثابت ہوتا ہے جس کا اظہار سورۃ طور 52 کی آیت 35 میں ہوا ہے کہ

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۝

ترجمہ: "کیا یہ خود ہی بغیر کسی خالق کے پیدا ہوئے ہیں یا وہ خود ہی اپنے خالق ہیں؟"۔

(سورۃ الطور 52: آیت 35)

اسی طرح انسانی اور اسلامی معتقدات اساسی کو ڈاکٹر صاحب نے غیر معمولی ذہانت اور تجربہ کارانہ تدریسی خطابت سے سائنس کی زبان میں بڑی خوبی سے سمجھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس نیک کام کی جزا دے۔

Marfat.com

میں قرآن کریم کا ایک مبتدی طالب علم اس عظیم سعادت اندوزی پر ڈاکٹر فضل کریم صاحب کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم نافع اور عمل صالح میں برکت فرمادیں اور انہیں یقین دلاتا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم کی یہ بہت بڑی خدمت خاص طور پر ان سے لی ہے اور ان کی یہ سعی یونیورسٹیوں اور اسلامی جامعات کے اساتذہ اور تلامذہ میں غیر معمولی قبولیت حاصل کرے گی۔ اللہ تعالیٰ ان کے فیض کو زیادہ سے زیادہ عام فرمائے۔ آمین!

مخدوم جہانیاں اکیڈمی

523 جہاں زیب بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

نومبر' 2000ء

شبیر بخاری

۵۸۲۵۳

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

قرآن اور جدید سائنس ایسے وقیع و وسیع اور عالمانہ موضوع پر اس کتاب کے لکھنے کے اغراض و مقاصد بیان کرنے سے پہلے میں قارئین کرام کی خدمت اقدس میں اپنی علمی کم مائیگی کا اظہار ضرور کر دینا چاہتا ہوں کہ میں نہ ہی کسی بڑے مذہبی سکالر ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں اور نہ ہی اسلامیات کے بلند پایہ محقق کے روپ میں ہوں۔ تو پھر اس موضوع پر کتاب لکھنے کی کیسے جسارت کی؟ میں نے تو صرف علامہ اقبالؒ کے اس بیان کی توضیح کی ہے جس میں انہوں نے فرمایا تھا "اسلام کا ظہور عقل استقرائی (سائنس) کا ظہور ہے" بات صرف اتنی ہے کہ ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے کی وجہ سے ہمیشہ دل میں قرآن اور اسلام کی محبت موجزن رہی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کرم فرمائی ہے اور کچھ قابل اور نیک اساتذہ کی مجھ پر نظر کرم رہی ہے کہ سکول کے زمانہ طالب علمی سے ہی پڑھنے لکھنے کا شوق پیدا ہو گیا تھا جو تادم تحریر بھی ہے۔ ساری زندگی سائنس اور انگریزی سے ضرور تعلق رہا ہے مگر دیگر علوم پر کتب بھی میرے زیر مطالعہ رہتی ہیں بالخصوص قرآن حکیم اور ہمارے بزرگ مفسرین کے تراجم و تفاسیر اور سیرت النبی پر کتب کے مطالعہ کو اولین ترجیح رہی ہے۔ جہاں تک تصنیف و تالیف کا تعلق ہے تو میں اس میدان خار دار میں گذشتہ 28 سالوں سے الجھا ہوا ہوں۔

زیر نظر کتاب کی تصنیف سے پہلے میری ایک کتاب "کائنات اور اس کا انجام" (قرآن اور سائنس کی روشنی میں) شائع ہو چکی ہے اور اس کے کئی ایڈیشن قارئین تک پہنچ چکے ہیں جو اس کی مقبولیت کی عکاسی کرتے ہیں مزید برآں انگریزی ادب کے مضمون کے کئی اہم عنوانات پر کئی کتابوں کا مصنف بھی ہوں لیکن دل میں ایک خواہش تھی کہ جدید سائنسی موضوعات پر بھی ایک کتاب لکھوں جو پاپولر سائنس کی طرز میں ہو اور جس کا قرآن حکیم کی تصدیق ہو۔ چنانچہ یہ چند ایک بنیادی مقاصد تھے جن کی

تکمیل کی خاطر اس کتاب کو لکھنے کی جسارت کی دیگر وجوہات بھی ہیں جن کا ذکر اسی مقدمہ میں آئے گا۔

مجھے اپنی سائنس کے میدان میں اعلیٰ تعلیم کے لیے غیر اسلامی ملک انگلستان میں بھی ایک عرصہ تک قیام کرنا پڑا۔ مادہ پرستی اور الحاد کی قوتیں میرے چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں مگر وہاں بھی قلب و روح میں ایمان کی حرارت موجود رہی اور کچھ ایسی کیفیت رہی جو میں اپنے الفاظ میں بیان کرنے سے قاصر ہوں اور علامہ اقبال کے چند اشعار کی صورت میں اپنی کیفیت بیان کر دیتا ہوں جو صحیح معنوں میں میرے دل کی بھی ترجمانی کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں ؎

کافر ہندی ہوں میں دیکھ میرا ذوق و شوق ۔۔۔ دل میں صلوٰۃ و درود لب پہ صلوٰۃ و درود
شوق میری لے میں ہے شوق میری نے میں ہے ۔۔۔ نغمہ اللہ ھو میرے رگ و پے میں ہے

آمدم بر سر مطلب، میں جب قرآن مجید کا مطالعہ کرتا ہوں تو مجھے اس کی بعض آیات میں بلیغ سائنسی اشارے ورطہ حیرت میں ڈال دیتے ہیں کہ جن حقائق و شواہد تک موجودہ جدید سائنس بعد از خرابی بسیار صدیوں کی مسافت طے کر کے پہنچی ہے قرآن نے تو آج سے بہت پہلے ہی (1400 سال قبل) ان حقائق سے بنی نوع انسان کو آگاہ کر دیا تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ماضی میں ہمارے بزرگ مفسرین قرآن، مسلمان دانشوروں اور علمائے دین نے ان حقائق کی وضاحت کرنے سے اغماض کیا؟ میرے نزدیک اس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں جن کا اس مقدمہ کی بجائے تیسرے باب میں تفصیل سے ذکر کر دیا ہے لیکن بنیادی وجہ یہ تھی کہ ماضی میں سائنس کی دریافتیں اور ایجادات معرض وجود میں نہ آئی تھیں جن کی طرف قرآن حکیم میں یہ اشارات موجود ہیں۔ ہمارے پرانے تراجم کرنے والوں کو اپنے وقت، موقع اور محل کے مطابق جو الفاظ مناسب اور موزوں معلوم ہوئے وہ لکھ دیئے اور جو تفسیر ان کے ذہن میں آئی وہ لکھ دی مگر ان آیات کے الفاظ پر عربی لغات کے حوالے سے غور کریں تو معلوم ہو گا کہ ان آیات کے تو بہت سے الفاظ قدرت کے سربستہ رازوں کی عقدہ کشائی کر رہے ہیں۔ ہمارے زیادہ تر پرانے مفسرین نے ایسی آیات کی روایتی تفسیر پر انحصار کیا بلکہ آج کے جدید دور کے مفسرین بھی ایسا کر رہے ہیں

Marfat.com

لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کہ قرآن حکیم کی جو خدمت جس جس انداز میں ہمارے علمائے کرام نے گذشتہ چودہ سو سالوں میں اپنے مخصوص فکر و نظر اور اپنے اپنے زمانے کے مخصوص احوال و ظروف کے دائروں میں انجام دی ہے' اس سے انکار کرنا چاند پر خاک ڈالنا ہے اور یہ سب نیک بزرگان اللہ تعالیٰ کی رحمت و بخشش اور جنت الفردوس کے حق دار ٹھہرے ہیں۔

مذہب اور سائنس کے موضوع پر میں نے چوتھے باب میں تفصیل سے بحث کی ہے کہ سائنس اور مذہب میں ماضی بعید میں تصادم کی صورت تھی مگر سائنس دان اب اس طرف آ رہے ہیں کہ سائنس اور مذہب میں کوئی تصادم نہیں بلکہ وہ ایک ہی حقیقت تک دو مختلف طریقوں سے پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مذہب حقائق تک الہام اور وجدانی احساسات کے ذریعے پہنچتا ہے لیکن سائنس اپنے حقائق کی تشریح' مشاہدات اور مسلمہ اصولوں سے اخذ شدہ نتائج کے ذریعہ کرتی ہے۔ اس لیے سائنس اور مذہب میں پہلے تو کوئی تضاد نہیں اگر ہو بھی تو وہ ظاہر ہے حقیقی نہیں ہے۔

عیسائی اور یہودی مذہب کے دانشور اور مفکرین' جنہیں ہم مستشرقین (مشرقی علوم کے ماہرین) کہتے ہیں جو نہ صرف دین اسلام کے بنیادی اصولوں سے پوری طرح ناآشنا تھے بلکہ دین اسلام اور اس کے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے متعلق ان کی تنقید زیادہ تر قرآن حکیم کے انگریزی میں تراجم پر مبنی تھی۔ وہ نہ تو عربی زبان پر عبور رکھتے تھے اور ان میں سے کچھ عربی زبان جانتے بھی تھے تو قرآن کی روح کو نہیں سمجھتے تھے اور اسے وحی الٰہی یا آفاقی کتاب سمجھنے میں حیل و حجت سے کام لیتے تھے اور ان کے موجودہ مفکرین کا بھی یہی حال ہے۔ بعض تعصب کے مرض میں مبتلا ہیں اور انہیں سوائے برائی کے اور کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اس قسم کے گروہ نے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ دونوں کے خلاف زہر اگلا ہے۔ جہاں پیغمبر اسلام ﷺ کی تعریف کی ہے وہاں قرآن حکیم کو حضور ﷺ کی تصنیف کہا ہے۔ یہ سب تنقید مغربی مستشرقین کی لاعلمی اور عدم قرآن فہمی کا نتیجہ ہے۔ ان لوگوں پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے مگر پھر میں اپنے موضوع سے ہٹ جاؤں گا۔ اب آیئے موضوع کی طرف۔

"قرآن اور جدید سائنس" پر یہ کتاب' قرآن حکیم کی بعض نہایت ہی اہم آیات'

Marfat.com

جن میں عجیب و غریب اشارے موجود ہیں، کو واضح کرنے کی غرض سے لکھی گئی ہے۔ قرآن حکیم میں اشاروں کو تشبیہ و تمثیل فرمایا گیا ہے۔ جن آیات قرآنی میں یہ اشارات یا تشبیحات ہیں ان آیات کو اللہ تعالیٰ نے متشابہات فرمایا ہے جیسا کہ سورۃ آل عمران کی آیت 7 میں ارشاد ہوتا ہے۔

هُوَ الَّذِيٓ اَنۡزَلَ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ مِنۡهُ اٰيٰتٌ مُّحۡكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الۡكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ زَيۡغٌ فَيَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَهَ مِنۡهُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ وَابۡتِغَآءَ تَاۡوِيۡلِهٖ ۚ وَمَا يَعۡلَمُ تَاۡوِيۡلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ؔ وَالرّٰسِخُوۡنَ فِى الۡعِلۡمِ يَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۝

ترجمہ: ”وہی ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری۔ اس میں بعض محکم آیات (محکمات) ہیں وہ اصل کتاب ہیں (یعنی اصل بنیاد ہیں) اور دوسری متشابہ (متشابہات) ہیں سو جن کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کی پیروی کرتے ہیں گمراہی پھیلانے کی غرض سے اور مطلب معلوم کرنے کی وجہ سے اور ان کا مطلب کوئی نہیں جانتا اللہ کے سوائے اور مضبوط علم والے (راسخون فی العلم) کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے۔ سب ہمارے رب کی طرف سے اتری ہیں اور سمجھانے سے وہی سمجھتے ہیں جنہیں عقل ہے“

(سورۃ آل عمران 3: آیت 7)

محکمات (محکم) قرآن مجید کی وہ واضح اور صریح آیتیں ہیں جن کے مطالب مقرر ہیں اور ان کے معنی میں کوئی شبہ نہیں یہی قرآن کی بنیاد، وہی اصل اور معیار ہیں، بالکل صاف اور واضح ہیں جن سے ایک ہی معنی نکلتے ہیں۔

متشابہات (متشابہ) ایسے کلام کو کہتے ہیں جن سے کئی باہم ملتے جلتے مطلب نکلتے ہوں اور ان کے درمیان فرق کرنا مشکل ہو جائے اور اس کی تفسیر میں مختلف پہلو نکلتے ہوں۔ صرف علماء ان کے درمیان فرق کر سکتے ہوں۔ عوام کا فرض ہے کہ ایسی آیات کے مطالب میں علماء پر تکیہ کریں، اپنی عقل پر بھروسہ نہ کریں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ معمولی

Marfat.com

علم رکھنے والے ایک عام آدمی کا فرض ہے کہ وہ متشابہات میں نہ الجھے جو آیات ایک سے زیادہ معنی رکھتی ہوں ان کے معنی اور تفسیر علمائے دین کے علاوہ مسلم دانشوروں، مفکرین اور سائنس دانوں سے دریافت کر لے۔

قارئین کرام! درحقیقت جو آیات متشابہات ہیں وہی تمام سائنسی حقائق کی طرف بلیغ اشارے ہیں جن اشاروں کو حضور نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ میں کافرین بالخصوص عیسائی اور یہودی سمجھ نہ سکے اور شرارت کی غرض سے ان آیات کے الٹے سیدھے مطلب نکال کر لوگوں کو گمراہ کرتے تھے کیونکہ ان کے دل میں کجی تھی تو پھر اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے مذکورہ آیت نازل ہوئی جس کا ترجمہ آپ نے ملاحظہ فرمایا ہے۔ ان آیات متشابہات میں طرح طرح کی خبریں اور پیش گوئیاں تشبیہوں اور مثالوں کے ذریعہ بیان کر دی گئی ہیں۔ ان آیات کا مطلب کوئی نہیں جانتا یعنی ان متشابہ آیات کی تاویل و تشریح اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا (یا وہ لوگ جان جائیں گے) جو راسخون فی العلم ہوں گے۔ چنانچہ راسخون فی العلم سے مراد دانش ور اور سائنس دان ہی ہو سکتے ہیں۔

عربی زبان اس قدر فصیح و بلیغ ہے اور اتنی وسعت رکھتی ہے کہ عرب غیر عربوں کو عجمی یا گونگے کے نام سے یاد کرتے ہیں اور اس میں اتنی وسعت ہے کہ بسا اوقات ایک ہی لفظ کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے قران حکیم کے اصل مفہوم کو سمجھنے میں مشکلات پیش آتی ہیں۔ جب ایسی زبان میں اللہ کی ذات پاک خود متکلم ہو تو پھر خود ہی اندازہ کیجئے کہ کلام کا کتنا بلند حسن معیار ہو گا۔ اس لیے قرآن حکیم سمجھنے کے لیے عربی زبان کی خوبیوں سے آشنا ہونا اور اس کے طرز بیان سے واقف ہونا لازمی ہے۔ یہ قرآن حکیم کی فصاحت و بلاغت کا کمال ہے کہ یہ تھوڑے الفاظ میں بہت کچھ کہہ جاتا ہے اور یہی اس کا اسلوب بیان ہے، جس کی مثالیں ساری کتاب میں دی گئی ہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کسی جگہ ایک ہی لفظ کے کئی معنی ہو سکتے ہیں، ایک ہی آیت متشابہ کی تشریح و تصریح کئی طرح ہو سکتی ہے اور یہی قرآن حکیم کی بڑی خوبی ہے کیونکہ ایسے لچکدار الفاظ ہی کی وجہ سے وہ ہر زبان و مکان کے لیے موزوں ہوتا ہے۔ اسی بات کو قرآن حکیم نے خود واضح کیا ہے جیسا کہ سورۃ النحل کی آیت 42 میں ارشاد ہوا ہے۔

Marfat.com

فَسْئَلُوا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○

ترجمہ: "اگر تم (کسی چیز کے متعلق نہیں جانتے) تو اہل ذکر سے پوچھو"

اس کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی آیات کی سمجھ نہیں ہے تو جو دنیا میں اصل حالات جاننے والے اور سمجھنے والے ہیں ان سے پوچھ کر اپنی تسلی کر لیں۔ کیونکہ نہ جاننے والوں کے لیے اس کے سوا اور کیا تدبیر ہو سکتی ہے کہ وہ واقف کار لوگوں سے پوچھیں اور ان کے کہنے کے مطابق عمل کریں۔ یہاں سے صاف معلوم ہو گیا کہ دنیا میں ایک سے زیادہ سمجھ دار زندگی کے ہر شعبہ میں موجود رہے گا' ناسمجھ اور ناداں اپنی مشکلات ان کے ذریعے حل کر سکتے ہیں۔ یہ کس قدر قابل فہم بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دی ہے کہ اس دنیا میں تمام لوگ ایک ہی عقل اور سوجھ بوجھ کے نہ ہوں گے۔ "اہل ذکر" سے مراد موقع و محل کے مطابق' اللہ تعالیٰ کی یاد کرنے والا' عالم' فلسفی' دانشور' سائنس دان وغیرہ ہو سکتے ہیں۔ قرآن حکیم کا ہر لفظ پر معنی اور بچا تلا ہے اور ہر لفظ جو استعمال ہوا ہے اس سے بہتر لفظ ناممکن ہے۔ اسی لیے تو قرآن حکیم نے دنیا کو چیلنج کیا ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○

ترجمہ: "اگر اس قرآن کے متعلق جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا' کچھ شک ہو تو اس کی طرح ایک سورۃ لاؤ اور اللہ کے سوا اپنے مددگاروں کو بلاؤ اگر تم سچے ہو"۔

(سورۃ بقرہ 2: آیت 23)

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ○

ترجمہ: "کہہ دو (اے نبی ؐ) کہ اگر انسان اور جن جمع ہو کر اس قرآن کی مثال لائیں تو وہ اس کی مثال نہ لا سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کی مدد بھی کریں"

(سورۃ بنی اسرائیل 17: آیت 88)

Marfat.com

اس حقیقت سے تو کوئی مسلمان بھی انحراف نہیں کر سکتا کہ قرآن معاشرتی اور سیاسی علوم کا منبع، حیات انسانی کے لیے عظیم دستور العمل اور دینی علوم کی اساس ہے۔ یہ آفاقی قوانین کا سرچشمہ اور اعلیٰ ترین مذہبی لائحہ عمل ہے۔ قرآن پاک زندگی بسر کرنے کا علم سکھاتا ہے لیکن چوں کہ سب علوم زندگی ہی کا حصہ ہیں اس لیے قرآن پاک میں ہر مضمون مثلاً معاشیات، عمرانیات، نفسیات، علم الابدان، علم کائنات، سماویات، علم نباتات و حیوانات، موسمیات و بحریات اور ارضیات کے متعلق بلیغ اشارے مل جاتے ہیں اور یہ مختصر ہونے کے باوجود اتنے جامع ہیں کہ بڑی سے بڑی سائنس کی ضخیم کتابوں پر حاوی ہیں۔ کائنات کے جو راز انسان نے صدیوں کی دن رات محنت کے بعد اب دریافت کیے ہیں قرآن پاک میں ان کی طرف پہلے سے اشارے موجود ہیں مگر یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن پاک میں بیان کردہ حقائق اپنی صداقت کے لیے سائنس کے محتاج نہیں یعنی قرآن سے راہنمائی سائنس نے حاصل کرنی ہے اور اس کے پیچھے پیچھے سائنس کو چلنا ہے نہ کہ قرآن کو سائنس کے پیچھے! البتہ جب سائنس کا کوئی نظریہ قرآن پاک کے مطابق ہوتا ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ سچ ہو گا مگر اس کا کوئی نظریہ قرآن پاک میں بیان کردہ حقائق سے متصادم ہو تو یہی سمجھا جائے گا کہ ابھی سائنس کو مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔ کائنات کے جن رازوں تک دور جدید کے سائنس دان صدیوں کی محنت شاقہ اور تحقیق کے بعد پہنچے ہیں قرآن انہیں بے تکلفی سے ضمناً بیان کر جاتا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کائنات کے خالق کا کلام ہے جس نے سب کچھ اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے اور جس کے لیے کائنات کا کوئی راز نہیں۔ قرآن اور سائنس دونوں کے مطالعہ سے میں نے دیکھا ہے کہ سائنس اور قرآن کے نظریوں میں کہاں تک ہم آہنگی ہے۔ سائنسی حقائق اس کتاب عظیم (قرآن) کا وہ حیران کن پہلو ہے جس کے ملاحظہ کے بعد اس کے من جانب اللہ ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

"قرآن اور جدید سائنس" لکھنے کا اولین مقصد تو یہی ہے کہ تخلیق ارض و سما، خلقت، نباتات اور حیوانات اور دیگر مظاہر قدرت کا قرآن حکیم کی روشنی میں مطالعہ کریں اور یہ دیکھیں کہ جدید سائنس اور قرآن حکیم کے نظریات میں کہاں تک ہم آہنگی ہے، کون سے سائنسی نظریات، دریافتیں اور کرشمے ہیں جن کی قرآن حکیم تصدیق کرتا

Marfat.com

ہے، تطابق ہے یا اختلاف۔ ہو سکتا ہے کہ قرآن حکیم اور سائنس کے نظریات میں اختلاف ہو مگر یہ اختلاف اسی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ سائنس کے اصول، قوانین اور فارمولے آزمائشی ہیں اور ان میں تبدیلیوں کے امکانات ہیں۔ قرآن حکیم میں کئی ایسے حقائق کا انکشاف ہوا ہے کہ جدید سائنس ابھی تک ان کو سمجھ نہ سکی لیکن قرآن حکیم نے یہ حقائق اور راز انسان پر فاش کر دیئے ہیں۔ سائنس کو ان کی دریافت میں ابھی کچھ وقت لگے گا۔ جس وقت میڈیکل سائنس بالکل خاموش تھی اس وقت قرآن حکیم نے انسان کی پیدائش سے پہلے ماں کے پیٹ میں مختلف حالتوں کا بڑی وضاحت سے بیان کیا اور اسی طرح علم سرجری اس نہج تک نہ پہنچا تھا جس تک آج ہے مگر قرآن حکیم نے رحم مادر میں تین اندھیروں (ظلمات) کا ذکر کر دیا جس کی آج میڈیکل سائنس تردید نہیں کر سکتی بلکہ تصدیق کرتی ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود یعنی اپنی تمام تر پیش رفت، دریافتوں اور ایجادات کے باوجود بہت سارے ایسے سوالات ہیں جو سائنس کے دائرے سے قطعی خارج ہیں۔ (جس کا میں نے پہلے باب میں بھی ذکر کر دیا ہے) مثلاً زندگی بعد از موت کا سوال۔ اس کا جواب نہ دلیل سے ہو سکتا ہے نہ منطق سے نہ سائنس سے نہ علمی ثبوت سے اس کے لیے ایمان بالغیب کی ضرورت ہے۔ اسی طرح کے اور بھی بے شمار سوالات ہیں جن کے جوابات سائنس کے پاس قطعاً نہیں۔ ہو سکتا ہے آئندہ آنے والے وقتوں میں یہ ایسے سوالات کا کوئی معقول جواب دے سکے مگر اللہ تعالیٰ نے ہر چیز قرآن حکیم میں کھول کر بیان کر دی ہے مثلاً مندرجہ ذیل آیات پر غور فرمایئے جن میں ارشاد ہوتا ہے۔

تِلْكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَیْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَ اٰیٰتِهٖ یُؤْمِنُوْنَ ○

ترجمہ: ''یہ ہماری کتاب ہے جو تم کو (ہر مسئلے میں) صحیح بات بتا رہی ہے'' (یہ باتیں ہیں اللہ کی ہم سناتے ہیں تجھ کو ٹھیک ٹھیک) پھر کونسی بات کو اللہ اور اس کی باتوں کو چھوڑ کر مانیں گے۔

(سورۃ جاثیہ 45: آیت 6)

Marfat.com

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۟ۧ

ترجمہ: "(اے محمد ﷺ) ہم نے تم پر وہ کتاب اتاری ہے جو ہر چیز کی خوب وضاحت کرنے والی ہے اور وہ (اسلام قبول کرنے والوں) کے لیے ہدایت، رحمت اور خوشخبری ہے"

(سورۃ نحل 16: آیت 89)

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

ترجمہ: "کہہ دو کہ اس کتاب کو اس نے اتارا ہے جو زمین و آسمان کے (تمام) بھیدوں کو جاننے والا ہے"

(سورۃ فرقان 25: آیت 6)

وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ۝

ترجمہ: "اور ہم نے ہر چیز کی خوب تفصیل کی ہے"

(سورۃ بنی اسرائیل: 17 آیت 12)

آپ نے آیات محکمات اور متشابہات میں فرق ملاحظہ فرمایا ہے۔ ایک فرق اور ہے اور وہ یہ ہے کہ آیات محکمات کی تشریح و توضیح کو "تفسیر" اور آیات متشابہات کی تشریح و توضیح کو "تاویل" کہتے ہیں۔ میں نے اپنی اس کتاب میں مختلف آیات متشابہات کی تاویلات، جنہیں آپ سائنسی تاویلات کہہ سکتے ہیں، دی ہیں اور ان آیات کی جن بزرگ مفسرین قرآن کے تراجم اور تفاسیر سے استفادہ کیا ان کے اسمائے گرامی بصد شکریہ کے ساتھ مندرجہ ذیل ہیں۔

1- علامہ عبداللہ یوسف علی (The Meaning of the Holy Quran)

2- شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن اور شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی (القرآن الکریم)

3- حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (القرآن الحکیم)

4- سید قطب شہید (مصری) ترجمہ سید حامد علی (ظلال فی القرآن)

5- علامہ سید غلام شبیر بخاری (الانتصار البیان فی مافی القرآن)

Marfat.com

6۔ مولانا خواجہ عبدالحی فاروقی' مولانا حافظ مرغوب احمد توفیق' حاجی عبدالواحد اور حافظ نذر احمد (درس قرآن سات جلدوں میں)

7۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (تفہیم القرآن)۔

قارئین کرام میری خواہش ہے کہ اس پیارے ملک پاکستان میں تمام سکولوں' کالجوں اور یونیورسٹی کی سطح پر ایسا نظام تعلیم رائج ہو جائے جو تمام کے لیے یکساں ہو (خواہ وہ دینی مدارس کے طلباو طالبات ہوں یا انگریزی میڈیم درس گاہوں کے طلباو طالبات-) جس کی بنیاد قرآن و حدیث کے علاوہ مطالعہ فطرت' قوانین قدرت' آزادی افکار' تجربے' سائنس اور ٹیکنالوجی پر قائم ہو۔ دیگر میری خواہش ہے کہ اس کتاب "قرآن اور جدید سائنس" کو اسلامیات کے کورسز میں بطور ٹیکسٹ بک شامل کرلیا جائے بالخصوص دینی مدرسوں کے کورسز میں اور "قرآن اور سائنس" پر ایک پرچہ لازمی قرار دیا جائے۔ مجھے امید ہے کہ عام قاری اس سے زیادہ استفادہ کرے گا چوں کہ کتاب پاپولر سائنس کی طرز پر لکھی گئی ہے۔ بد قسمتی سے ہمارے ذرائع ابلاغ سے جو کچھ دکھایا جارہا ہے یا ناظرین کو مجبوراً دیکھناپڑ رہا ہے اس کے بعض پروگراموں سے نوجوانوں کے ذہن پراگندہ ہو رہے ہیں۔ ہنود و یہود کے کلچر کی یلغار' مغرب میں مادہ پرستی اور الحاد کی قوتیں اپنی چکاچوند روشنیوں اور دلفریبیوں سے ہمارے نوجوانوں کو اپنے حلقہ بگوش کرنے کی پوری کوشش کر رہی ہیں۔ ظاہر ہے ان حالات میں ہمارے نوجوان قرآن اور اسلام سے دوری اختیار کرتے جارہے ہیں۔ اگر میری یہ کاوش ان بھٹکے ہوئے آہوؤں کو سوئے منزل لے آئے تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت رائیگاں نہیں گئی۔ گزشتہ دو سالوں کی مسلسل محنت شاقہ کے بعد اس کتاب کے مسودہ کے اتمام کی توفیق حاصل ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا ہزار شکر ہے کہ اس نے اپنے فضل و کرم اور خاص عنایت سے مجھ عاصی کو اس کے تکمیل مسودہ کی توفیق عطا فرمائی۔ اور مزید ایک سال کے اندر شائع ہو کر یہ کتاب قارئین تک پہنچائی۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

میں شکر گزار ہوں جناب ظہیر سلام ڈائریکٹر فیروز سنز کا جن کی سرپرستی' مخلصانہ پیروی اور خوش دلانہ تعاون سے یہ کتاب چھپ کر قارئین تک پہنچ سکی۔ ان کے بعد آپ

Marfat.com

کے مارکیٹنگ مینجر (اردو سیکشن) جناب خواجہ الطاف احمد کا بھی شکریہ ہے کہ انہوں نے کتاب کے مسوّدہ کے مندرجات کو بہت سراہا- فیروز سنز پرنٹنگ پریس میں آپ کے پری پریس انچارج جناب عامر انور کی حسن سعی کا بھی اعتراف کرنا چاہیے جن کی خوش اخلاقی اور ہمہ وقت محنت اس کتاب کی جلد طباعت میں حوصلہ افزا ثابت ہوئی-

اس کتاب کی طباعت کے مختلف مراحل (مثلاً کمپوزنگ' کتابت' پیسٹنگ' پرنٹنگ اور جلد سازی وغیرہ) کے لئے جن کارپردازوں نے حصہ لیا' ان تمام کی محنت' لگن اور دلچسپی کا بھی اعتراف کرنا چاہیے چونکہ ان سب کی اجتماعی کوششوں سے یہ کتاب منظر عام پر آرہی ہے- علامہ غلام شبیر بخاری صاحب (مفسر قرآن) کا بھی بہت شکریہ ہے کہ انہوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات سے وقت نکال کر کتاب کا پیش لفظ لکھنے کا ایک احسن کام سر انجام دیا-

اب آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری اس ناچیز کاوش اور خدمت قرآن کو قبول فرمائے' مجھے بھی راسخون فی العلم میں شامل کر لے اور میرے لیے باقیات صالحات میں سے ٹھہرائے اور ناظرین باتمکین سے بھی التجا ہے کہ وہ ازراہ مہربانی اس کتاب میں اگر کوئی میری لغزش پائیں تو معاف فرمادیں اور اس عاصی کے حق میں دعائے خیر فرمائیں- کتاب کے مطالعہ کے بعد اپنے مفید اور قیمتی مشوروں سے مستفید فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں ان کو شامل کرلیا جائے اور خطاؤں کی تصحیح ہو سکے- اب آخر میں علامہ اقبال کے چند اشعار پر اپنے مقدمہ کو ختم کرتا ہوں-

دین ہو فلسفہ ہو' فقر ہو' سلطانی ہو   ہوتے ہیں پختہ عقائد کی بنا پر تعمیر
صرف اس قوم کا بے سوز' عمل زار وزبوں   ہو گیا پختہ عقائد سے تہی جس کا ضمیر
(ضرب کلیم)

47 رضا بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور
نومبر' 2000ء

پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم

پہلا باب

اللہ تعالیٰ کی ہستی کا سب سے بڑا ثبوت قرآن حکیم ہے

علم الہٰیات

قرآن حکیم نے انسان کو کائنات کے مشاہدے، فکر، تعقل اور تدبر کی بار بار تاکید فرمائی ہے۔ کیونکہ کائنات کی تخلیق میں غور و فکر عرفان الٰہی کا موجب ہے۔ اس جدید سائنسی دور میں انسانی ذہن میں خدا کے وجود کے بارے میں سوال پیدا ہونا فطری بات ہے لیکن قارئین کی خدمت میں یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ اس نوعیت کے سوالات مثلاً اللہ تعالیٰ کی ہستی کا وجود، ملائکہ، جنات، جنت و دوزخ، عالم ارواح یا محض روح کے بارے میں یا زندگی بعد از موت کے بارے میں سوالات کا تعلق علم فلسفہ کی ایک شاخ سے ہے جسے علم الہٰیات یا مابعد الطبیعیات کہتے ہیں اور انگریزی میں اسے میٹافزکس (Metaphysics) کہا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا تمام سوالوں کا تعلق انسان کے ایمان اور عقیدہ سے ہے۔ موجودہ سائنس (یا جدید سائنسی علوم) اپنی تمام تر کاوشوں کی پیش رفت، تجربات، مشاہدہ اور تحقیق کے باوجود کوئی ایسا فارمولا پیش کرنے سے قاصر ہے جس کے ذریعے انسان مندرجہ بالا سوالات کا جواب تلاش کر سکے۔ عام آدمی سائنس کے ذریعے کبھی بھی خدا کی ہستی کا نظارہ نہیں کر سکے گا ہاں البتہ اللہ کے برگزیدہ بندے جن میں پیغمبر اور ولی شامل ہیں اپنی روحانی قوتوں کے ذریعے ان نہ دکھائی دینے والی قوتوں کا یقیناً ادراک حاصل کر سکتے ہیں۔ قرآن حکیم کی سورۃ النور (24) آیت 35 کے مطابق

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ

ترجمہ: "اللہ ہی زمین و آسمان کا نور ہے"

Marfat.com

گویا اس نور کی ایک جھلک دیکھ سکتے ہیں۔ تاریخ میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں مثلاً گوتم بدھ کو اپنے گیان دھیان یا وجدان میں روشنی کی ایک کرن نظر آگئی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پہاڑ پر اللہ کی تجلی ظاہر ہو گئی تھی۔ حضور اکرم ﷺ کے معراج کا واقعہ اس عرفان الٰہی کی نشان دہی کرتا ہے جہاں آپ ؐ ایسے مقام پر پہنچ گئے جہاں آپ کے اور وجود باری تعالیٰ کے درمیان صرف ایک پردہ حائل تھا' جسے قاب قوسین بھی کہتے ہیں (پردے کے پیچھے کیا ہو سکتا ہے' نور ہی نور)۔ عام انسان بھی اپنی ذہنی قوتوں کے ارتکاز و مراقبے کے ذریعے ایسی کیفیت حاصل کر سکتا ہے اور وہ باطنی آنکھ سے خالق کائنات کے نور کی ایک جھلک دیکھ سکتا ہے لیکن ایسے وجدان کے لیے بڑی محنت اور استغراق کی ضرورت ہے۔ البتہ کائنات پر غور و فکر سے خالق کائنات کی پہچان ہو سکتی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم کائنات کی تخلیق پر غور و فکر کیسے کریں؟۔ یہاں جدید سائنسی علوم ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔

سائنس کیا ہے؟

سائنس سے ہماری مراد کیا ہے؟ آسان اور مختصر الفاظ میں اس کے معنی ہیں تجرباتی علوم و حکمت۔ اگر مزید وضاحت کی جائے تو یہ فطری یا طبیعی مظہر کا باقاعدہ علم ہے یا ایسی سچائی (Truth) جو مشاہدہ' تجربہ یا استقرائی منطق سے معلوم کی گئی ہو بالفاظ دیگر یہ طبیعی حقائق کا وہ علم ہے جو مشاہدے اور تجربے سے حاصل ہو۔ یعنی سائنس میں مشاہدے اور تجربے کی بڑی اہمیت ہے۔ درحقیقت سائنس (Science) کا لفظ لاطینی زبان کے لفظ سائنشیا (Scientia) سے ماخوذ ہے جس کے معنی علم (Knowledge) کے ہیں۔ (آئندہ باب میں اس پر مزید گفتگو ہو گی)۔ جدید سائنسی علوم میں ریاضی' کیمیا' طبیعیات' ارضیات' نباتات و حیوانات (حیاتیات)' علم النجوم اور طبی علوم شامل ہیں۔ قرآن حکیم نے ان سائنسی علوم کے وقار میں بہت اضافہ کر دیا ہے اور لوگوں میں شوق و جذبہ پیدا کیا ہے کہ وہ ان علوم کی مدد سے کائنات میں جھانکیں۔ قرآن حکیم نے علم حاصل کرنے پر بہت زور دیا ہے اور پہلی وحی الٰہی کی شروعات میں بھی علم کے طلوع کے لیے ایک واضح اشارہ کر دیا تھا جیسا کہ سورۃ علق کی چند آیات سے ظاہر ہے۔

Marfat.com

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ
الْاَكْرَمُ ۝۳ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝۵

ترجمہ: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ (پر جو) قرآن (نازل ہوا کرے گا) اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجئے۔ (یعنی جب پڑھیے بسم اللہ الرحمان الرحیم کہہ کر پڑھا کیجئے) جس نے (مخلوقات کو) پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ آپ قرآن پڑھا کیجئے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے (جو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور ایسا ہے) جس نے (لکھے پڑھوں کو) قلم کی تعلیم دی اور عموماً) انسان کو دوسرے ذرائع سے) ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا تھا۔

(سورۃ علق 96: آیت 1 تا 5)

دوسرا ترجمہ:

"(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پڑھیے اللہ کا نام لے کر جس نے پیدا کیا۔ پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے۔ پڑھا کیجئے۔ آپ کا رب بڑا کریم ہے جس نے (انسان کو) قلم سے تعلیم دی اور ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ (انسان) نہیں جانتا تھا"

قرآن حکیم نے بعد میں وحی الٰہی کے مختلف مراحل میں مندرجہ بالا تمام علوم کی، جن کا تعلق کائنات سے ہے، تشریح فرما دی ہے مثلاً مادہ، توانائی، زندگی کے انتظامات وغیرہ۔ ان علوم کے ذریعے انسان اپنے اندر ایک قوت محسوس کرتا ہے اور یقین پختہ کرتا ہے اور پھر خوف خدا بھی جو کہ زندگی کا بنیادی مقصد ہے۔ مندرجہ ذیل آیات میں علم نباتات، حیوانات اور ارضیات کا واضح اشارہ موجود ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ
وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِیْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِیْبُ سُوْدٌ ۝
وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا
یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ ۝

Marfat.com

ترجمہ: "(اے مخاطب) کیا تو نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے مختلف رنگتوں کے پھل نکالے اور (اسی طرح) پہاڑوں کے بھی مختلف حصے ہیں (بعضے) سفید (بعضے) سرخ کہ ان کی بھی رنگتیں مختلف ہیں (اور بعضے نہ سفید نہ سرخ بلکہ) بہت گہرے سیاہ اور اسی طرح آدمیوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی بعض ایسے ہیں کہ ان کی رنگتیں مختلف ہیں۔ خدا سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اس کی عظمت کا) علم رکھتے ہیں واقعی اللہ زبردست بڑا بخشنے والا ہے"

(سورۃ فاطر 35: آیت 27، 28)

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ○

ترجمہ: اور وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے تمہارے (فائدہ کے) لیے ستاروں کو پیدا کیا تاکہ تم ان کے ذریعہ سے خشکی اور دریا کے اندھیروں میں راستہ معلوم کر سکو، بے شک ہم نے دلائل خوب کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں، ان لوگوں کے لیے جو خبر رکھتے ہیں (یعنی علم رکھتے ہیں)۔

(سورۃ انعام 6: آیت 98)

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِلْعَالِمِينَ ○

ترجمہ: اور اسی کی نشانیوں میں سے آسمان اور زمین کا بنانا ہے۔ اور تمہارے لب و لہجہ اور رنگتوں کا الگ الگ ہونا ہے اس میں دانش مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

(سورۃ الروم 30: آیت 22)

إِنَّ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِلْمُؤْمِنِينَ ○

ترجمہ: "آسمانوں اور زمین میں اہل ایمان کے (استدلال کے) لیے بہت سے دلائل

Marfat.com

ہیں"

(سورۃ الجاثیہ 45: آیت 3)

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ط

ترجمہ: آپ کہیے کیا علم والے اور جہل والے (کہیں) برابر ہوتے ہیں۔ (یعنی علم والے اور بے علم برابر نہیں ہوتے)۔

(سورۃ الزمر 39: آیت 9)

مندرجہ بالا آیات کے علاوہ اور بھی بہت ساری ایسی آیات ہیں جو ان سائنسی علوم کے بارے میں بات کرتی ہیں اور ہماری توجہ علم کی طرف مبذول کرواتی ہیں تاکہ علم حاصل کر کے ہم کائنات کے سربستہ راز معلوم کریں اور قابل غور بات یہ ہے کہ قرآن حکیم ہمیں تلقین کرتا ہے کہ ہم آنکھیں بند کر کے علم حاصل نہ کریں بلکہ مشاہدہ کی آنکھ کھلی رکھیں اور ایسے علم کی پیروی نہ کریں جس میں کوئی مستحکم دلیل، سبب، منطق اور تجربہ شامل نہ ہو۔

جدید سائنسی علوم کی بنیاد

جدید سائنسی علوم کی بنیاد اس تفریق پر ہے جو "یقین" اور "قیاس" آرائی میں ہے۔ قرآن صرف راسخ دماغوں کو مخاطب کرتا ہے اور بار بار تلقین کرتا ہے کہ ایسا علم قبول نہ کریں جس میں کوئی فعال مشاہدہ اور تجربہ موجود نہ ہو۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ ایک زمانہ تھا جب مسلمان بے کار (بے اصول) اور بے مقصد باتوں میں وقت ضائع کرتے رہے اور محض "تصورات" یا تخیلات پر انحصار کیا اور بے مقصد فلسفہ کو اپنائے رکھا۔ یا یوں کہیے کہ مافوق الفطرت یا مابعد الطبیعیات میں اپنے آپ کو مشغول رکھا جس نے دیو مالائی کہانیوں اور افسانوی تصورات کو جنم دیا جو کہ بے بنیاد باتیں تھیں۔ مثال کے طور پر آج یہ مظہر سائنسی لحاظ سے ثابت ہو چکا ہے کہ سمندر کے پانی میں مدو جذر (پانی کا اتار چڑھاؤ یا جوار بھاٹا) کا عمل رات کے وقت چاند کی کشش اور دن کے وقت سورج کی کشش سے رونما ہوتا ہے لیکن انہوں نے اس کی تشریح یوں کی کہ ایک فرشتہ سمندر میں اپنا بازو داخل کرتا ہے جس سے سمندر کا پانی کناروں کی طرف بڑھتا ہے اور جب وہ اپنا

Marfat.com

بازو پانی سے باہر نکال لیتا ہے تو پانی واپس اترنا شروع کر دیتا ہے حالانکہ قرآن حکیم نے واضح طور پر کہا ہے۔

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۭ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ۝

ترجمہ: "آپ کہیے کہ کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو اس کو ہمارے روبرو ظاہر کرو تم لوگ محض خیالی باتوں پر چلتے ہو، اور تم بالکل اٹکل سے باتیں بناتے ہو (یعنی تخمینے ہی کرتے ہو)"

(سورۃ انعام 6: آیت 149)

دوسرا ترجمہ:

"کہیے کیا تمہیں کسی چیز کا کوئی علم ہے تو ہمارے پاس لاؤ۔ تم صرف بے اصل باتوں (اٹکل پچو) کی پیروی کرتے ہو اور جھوٹ بولتے ہو (یعنی تخمینے ہی کرتے ہو"

اور پھر فرمایا:

وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ۭ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْــــًٔا ۭ

ترجمہ: "اور ان میں سے اکثر لوگ صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں (اور) یقیناً بے اصل خیالات (امر) حق سے مستغنی کرنے (یا اس کے اثبات) میں ذرا بھی مفید نہیں"

(سورۃ یونس 10: آیت 24)

درحقیقت یورپ میں تحریک احیائے علوم کی بنیاد مشاہدات اور مستحکم تجربات پر مبنی تھی۔ سائنسی قوانین کیا ہیں؟ محض مادی دنیا میں رونما ہونے والے مظاہر کی توضیح و تشریحات ہی تو ہیں۔ اگرچہ ہم ان قوانین کی تشریحات و توضیحات کی سو فی صد سچائی کا دعویٰ نہیں کرتے پھر بھی ہم اس پر یقین رکھتے ہیں کہ وہ ممکنہ حد تک درست ہیں اور قابل دعویٰ ہیں۔ اور یہ سائنسی قوانین دھیرے دھیرے تکمیل کی طرف پیش رفت جاری رکھے ہوئے ہیں اور پھر وقت کے ساتھ ساتھ علم کے افق پر جو وسعت پیدا ہو رہی ہے

Marfat.com

اس کے مطابق سائنس دان بعض سائنسی قوانین میں ترامیم و اصلاح کرتے رہتے ہیں تاکہ وہ حقیقت کے نزدیک آجائیں۔ سائنس دان پہلے کوئی ٹھوس نظریہ پیش کرتے ہیں اور پھر اسے اپنی تجربہ گاہ کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اور یہی وہ بات ہے جس کی طرف قرآن حکیم بھی اشارہ فرماتا ہے۔

اَوَلَمْ یَرَوْا کَیْفَ یُبْدِئُ اللّٰہُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ ؕ

ترجمہ: ”کیا ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح مخلوق کو اول بار پیدا کرتا ہے (کہ عدم محض سے وجود میں لاتا ہے) پھر وہی دوبارہ اس کو پیدا کرے گا“

(سورۃ العنکبوت 29: آیت 19)

پھر فرمایا:

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ ۝ وَاِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ ۝ وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ ۝ وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ ۝

ترجمہ: تو کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح (عجیب طور پر) پیدا کیا گیا ہے۔ اور آسمان کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح بلند کیا گیا ہے۔ اور پہاڑوں کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح کھڑے کئے گئے ہیں۔ اور زمین کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح بچھائی گئی ہے۔

(سورۃ الغاشیہ 88: آیت 17 تا 20)

اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ ۙ

ترجمہ: ”اور کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا آسمانوں اور زمین کے عالم میں اور نیز دوسری چیزوں میں جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں، اور اس بات میں (بھی غور نہیں کیا)“

(سورۃ الاعراف 7: آیت 185)

قرآن حکیم میں اور بہت ساری آیات ہیں جن کے معنی و مطالب ایسے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو محض تصورات کا سہارا نہیں لینا چاہیے۔ مطلب یہ کہ

Marfat.com

سائنس یا مذہب کے نظریات کو محض تصورات کا سہارا نہیں لینا چاہیے۔ ایک ایسا نتیجہ جو ثبوت سے عاری ہو بے کار ہے اور وہ ان لوگوں کی طرح ہوں گے جو مادہ کے خواص یا کائنات کے مظاہرات کا بغیر سوچے سمجھے مطالعہ کریں گے اور یہ معلوم نہیں کریں گے کہ کیا جھوٹ اور کیا سچ ہے اور قرآن حکیم میں ایسے لوگوں کے لیے ارشاد ہوتا ہے۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ شَیْــٴًـا وَّ لَا یَهْتَدُوْنَ ○

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں، ان کی طرف اور رسول کی طرف رجوع کرو، تو کہتے ہیں، کہ ہم کو وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو دیکھا ہے۔ کیا اگرچہ ان کے بڑے نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہوں۔ (یعنی ان کو کسی کی رہنمائی نہ تھی)

(سورۃ المائدہ 5: آیت 104)

آخر میں اس بحث کو سمیٹتے ہوئے اور کسی نتیجہ تک پہنچنے کے لیے سید عبداللہ (مرحوم) کی کتاب ☆ مسائل اقبال کے باب اول بہ عنوان "اقبال دیدہ و شنیدہ" سے ایک مختصر حوالہ دینا چاہتا ہوں۔ 27 اپریل 1927ء کو علامہ سید سلیمان ندوی انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ میں شرکت کے لیے لاہور تشریف لائے۔ اس موقع پر شہر کے اہل علم و ادب نے ان کے اعزاز میں کئی مجلسیں منعقد کیں جن میں سے بعض میں حضرت علامہ اقبال بھی شریک ہوئے۔ ایک مجلس میں ایک بزرگ علامہ دوانی صاحب کے رسالے بہ عنوان "در اثبات وجود باری تعالیٰ" کے بارے میں بحث شروع ہوئی۔

اثبات وجود باری تعالیٰ

"اثبات وجود باری تعالیٰ" سے متعلق علامہ اقبال نے فرمایا کہ اس رسالے میں بڑا ثبوت سلسلہ علت و معلول بتایا گیا ہے جس کی علت اولیٰ کا نام خدا ہے۔ انہوں نے فرمایا

☆ مسائل اقبال از ڈاکٹر سید عبداللہ، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور، 1983ء

Marfat.com

کہ نیوٹن کی طبیعیات کی رو سے فطرت کے قوانین اٹل تھے لیکن اب جدید طبیعیات ہر شے کو طبیعیاتی طور پر اضافی (Relative) ماننے لگی ہے۔ اس لیے کوئی قانون مستقل حیثیت نہیں رکھتا اور علت و معلول کا پرانا نظام اب زائدالمعیاد ہوتا جا رہا ہے اس لیے دوانی کی دلیلیں اس زمانے کے لیے بے اثر ہیں"۔

اس بحث میں کئی صاحبوں نے حصہ لیا جس کی جزئیات اب یاد نہیں رہیں لیکن اصل گفتگو سید صاحب اور علامہ کی تھی۔ سید صاحب نے فرمایا کہ "خدا کی ہستی کا سب سے بڑا ثبوت یہ کائنات ہے۔ علامہ نے فرمایا "خدا کی ہستی کا سب سے بڑا ثبوت آنحضرت ﷺ کی ذات ہے اور آنحضرت ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے جس نے عقل، مشاہدہ اور وجدان کو جمع کر دیا ہے"۔(اسی موضوع پر چودھویں اور پندرھویں باب کا بھی ملاحظہ فرمائیے۔)

آخر میں شیخ سعدیؒ کے اس جملے پر مضمون کو ختم کرتا ہوں

بے علم نتواں خدارا شناخت

(ترجمہ: بے علم خدا کو نہیں پہچان سکتا)

☆ ○ ☆

دوسرا باب

قوانین فطرت وجود باری تعالیٰ کو ثابت کرتے ہیں

ملحدانہ نظریات

بیسویں صدی میں اشتراکی اور کمیونسٹ ممالک بالخصوص روس اور اس کے زیر تسلط ممالک اور زیر اثر و رسوخ ہمسایہ ممالک میں ملحدانہ نظریات کا بہت زیادہ پراپیگنڈا کیا گیا چوں کہ اشتراکی نظام حکومت میں مذہب کو کوئی مقام حاصل نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ لادینی نظام حکومت ہے۔ کارل' مارکس کے اقتصادی و سماجی نظریات پر مبنی نظام اشتراکیت نے مادہ پرستی کو فروغ دیا اور مذہب سے نفرت کی تشہیر میں تقریباً 75 سال تک بڑی تگ و دو کی اور معاملہ یہی تک ختم نہ ہوا بلکہ دنیا بھر میں جہاں جہاں لادینی قوتیں محرک تھیں ان کی ہر لحاظ سے سرپرستی کی گئی۔ یورپ کے کمیونسٹ ممالک میں گرجا گھروں کو تالے لگا دیئے گئے لیکن اس غیر فطری نظام کی فرسودہ عمارت زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی اور زمین بوس ہو گئی جس کے نتیجہ میں روس شکست و ریخت سے دوچار ہوا۔ اب روس اور خاص طور پر پولینڈ میں لوگ کلیساؤں کی طرف رخ کر رہے ہیں۔ روس کے تسلط سے آزاد مسلم ریاستوں (قازقستان' ترکمانستان' ازبکستان' تازقستان' قرغیزیا اور آذربائیجان) میں احیائے اسلام ہو رہا ہے اور ان کی مساجد سے اللہ اکبر کی روح پرور صدائیں گونج رہی ہیں۔ مذہب ایک بین الاقوامی حیثیت اختیار کر گیا ہے اور ہم اس کا حصہ ہیں۔ لیکن دنیا میں انسانوں کا ہمیشہ ایک گروہ رہا ہے جو سرے سے خدا کے وجود کا انکاری ہے باوجودیکہ خدا نے ایسے لوگوں کے لیے مختلف زمانوں اور ملکوں میں اپنے انبیاء کرام اور اپنے رسول بھیجے لیکن پھر بھی ابوجہل اور ابولہب جیسے لوگوں کی کمی نہیں رہی۔ اشتراکی نظام کے دلدادہ لوگوں کے گروہ کو پاکستان میں دہریے یا بائیں بازو کے حامی کہا جاتا ہے لیکن روس کی شکست و ریخت کے بعد اب وہ زیر زمین چلے گئے ہیں یہ خدا اور

Marfat.com

مذہب سے بے زار گروہ اپنے آپ کو دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ ذہین' دانشور' ترقی پسند اور جدیدیت کا علمبردار کہلاتا ہے اور ان میں سے بعض محض فیشن کے طور پر خدا کی ذات کے انکاری ہیں۔ قرآن حکیم میں ایسے نام نہاد دانشوروں کے لئے بے شمار مقامات پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ کائنات کی تخلیق پر غور و خوض کریں اور ان قوانین فطرت کا مشاہدہ و مطالعہ کریں جو کائنات کی تخلیق اور پھر اس کے وجود کو طویل عرصہ سے برقرار رکھنے میں کار فرما ہیں۔ یہ قوانین فطرت (سائنسی قوانین) اثبات وجود باری تعالیٰ ہیں یعنی خدا کے وجود کو ثابت کرتے ہیں۔ اس باب میں یہی مسئلہ زیر بحث رہے گا۔

کائنات میں مختلف توانائیاں

اگر آپ غور فرمائیں تو کائنات میں مختلف توانائیوں کے استعمال اور مادے کے خواص کا مطالعہ انسانی کامیابی کے بڑے ذرائع ہیں۔ اگرچہ ہم اپنے گھروں کو یا بازاروں کو روشن کرنے کے لیے بجلی کا استعمال کرتے ہیں یا کارخانوں میں خود کار مشینوں کے چلانے کے لیے یا ریلوے انجنوں کو چلانے کے لیے یا طبی علاج کے لیے بجلی کا استعمال کرتے ہیں' یعنی انسان بجلی سے بہت زیادہ استفادہ کر رہا ہے لیکن اس کے باوجود بجلی کی فطرت سے متعلق انسان کا علم نامکمل ہے۔ اسی قسم کا علم حرارت اور روشنی کے بارے میں ہے۔ تمام سائنس دان ان سب کے لیے ایک غیر مبہم سی اصطلاح انرجی (یا توانائی) کا نام دے دیتے ہیں جو کہ کائنات میں پوشیدہ ہے اور ہم صرف ایک توانائی کو دوسری توانائی میں تبدیل کر سکتے ہیں لیکن یہ بات خالی از دلچسپی نہ ہو گی کہ کوئی بھی شخص یا سائنس دان عدم محض کی حالت سے کوئی چیز وجود میں نہیں لا سکتا یا وہ عدم (Nothingness) سے کوئی چیز تخلیق نہیں کر سکتا۔

عام طور پر تمام سائنسی نظریات اس کائنات کی تخلیق کے ماخذ کی تشریح و توضیح چند مفروضوں کی اساس پر کرتے ہیں جن کو ثابت نہیں کیا جا سکتا یا وہ تخلیق کائنات کے ماخذ کو بعض ایسی باتوں یا نقاط پر رکھتے ہیں جن سے آگے انسان سوچ ہی نہیں سکتا۔ فزکس یا علم طبیعیات عدم محض (Nothingness) کی حالت سے تخلیق (Creation) کے مضمون کو چھو تک نہیں سکتی۔ آسان لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ سائنس دان کوئی تخلیق

Marfat.com

نہیں کر سکتے بلکہ جو کچھ پیدا ہو چکا ہے اس کے مطالعہ پر توجہ مرکوز رکھتے ہیں اور یہی حال دوسرے سائنسی علوم کا ہے جو چیز موجود ہے اسی پر اپنی توجہ و تحقیق کرتے ہیں مثلاً علم حیاتیات ہو یا علم کیمیاء وغیرہ۔

ایٹم کی ساخت

پیشتر اس کے کہ ہم زمین و آسمان کی بات کریں جنہیں ہم بچپن سے دیکھتے آرہے ہیں یہ بہتر ہو گا اگر ہم قارئین کو ایسی دنیا کے بارے میں بتائیں جس کو انسانی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ اس سے ہماری مراد ایسی دنیا ہے جو ابتدائی ذرات پر مشتمل ہے یا ایسے ذرات کی دنیا جن سے ہمارا میٹیریل وجود میں آیا ہے اور جسے ہم ایٹم (Atom) یا جوہر کہتے ہیں۔ ایٹم مادے یا کسی بھی میٹیریل کا چھوٹے سے چھوٹا ذرہ ہے۔ کوئی زمانہ تھا جب خیال کیا جاتا تھا کہ ایٹم کے مزید حصے کرنا ناممکن ہے لیکن یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ایٹم میں مزید ذرات بھی ہوتے ہیں اور ہم کسی بھی میٹیریل کو انہی ذرات کی موجودگی کی بنا پر ہی شناخت کر سکتے ہیں۔ ایٹم خود غیر مادی ذرات سے بنے ہیں اور مادہ کی تعریف ہر ایٹم میں ان ذرات کی تعداد کی بنا پر ہی کر سکتے ہیں۔

ایٹموں میں سب سے سادہ ترین ایٹم ہائیڈروجن گیس کا ایٹم ہے یا یوں کہیے کہ سب سے سادہ ساخت رکھتا ہے۔ اس گیس کو ایک عالمگیر گیس کا نام بھی دیا جاتا ہے چونکہ تمام کائنات کی تخلیق اسی ہائیڈروجن گیس سے ہوئی ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ اسی گیس نے زندگی کو جنم دیا ہے اور باقی تمام معلوم شدہ مادہ اسی سے تخلیق ہوا ہے یا اس کی ترقی و ترویج ہوئی ہے۔ ہائیڈروجن گیس کے ایٹم میں ایک مرکزہ ہوتا ہے جو ایک پروٹان نامی ذرے پر مشتمل ہے جس پر مثبت برق ہوتی ہے اور اس مرکزے کے گرد ایک اور ذرہ الیکٹران ہوتا ہے جو محو گردش ہوتا ہے اور اس پر منفی برق ہوتی ہے۔ ہائیڈروجن ایٹم کے بعد اب تک 103 عناصر دریافت ہو چکے ہیں اور جوں جوں ایٹموں کی ساخت (Structure) پیچیدہ ہوتی جاتی ہے پروٹانوں اور الیکٹرانوں (ذرات) کی تعداد بھی بڑھتی جاتی ہے۔ لہٰذا ہم کسی مادہ کو اس میں موجود پروٹان اور الیکٹران کی تعداد کی بنا پر ہی شناخت کرتے ہیں۔ ایٹم کے اندر ایک اور ذرہ ہوتا ہے جسے نیوٹران کہتے ہیں اور اس

کوئی برق نہیں ہوتی یعنی یہ نیوٹرل ہوتا ہے۔ چنانچہ ہر ایٹم میں تین قسم کے ذرات یعنی پروٹان' الیکٹران اور نیوٹران ہوتے ہیں۔ الیکٹران کی تعداد ایٹم کے اندر پروٹان کی تعداد کے برابر ہوتی ہے لیکن اب ماہر طبیعیات نے نئی دریافتیں کی ہیں اور وہ یہ کہ مادے میں کل 16 ذرات دریافت کر لیے ہیں۔ یہ اسی وقت ممکن ہوا جب ایٹم کے اشتقاق کے طریقے دریافت ہو گئے چنانچہ عصر حاضر کی یہ انوکھی دریافت ہے کہ اب ایٹم کے اندر پروٹان' الیکٹران اور نیوٹران کے علاوہ میزان' فوٹان اور نیوٹرینو نامی ذرات بھی موجود ہیں گویا کہ یہ چھ ذرات نمایاں ہیں۔

دور حاضر کی ایک اور دریافت یہ ہے کہ مثبت پروٹان کے مقابلے میں منفی پروٹان اور منفی الیکٹران کے مقابل مثبت الیکٹران ہے گویا مثبت ذرے پروٹان کی ضد منفی پروٹان ہے یعنی ہر ذرے کے مقابل اس کا ہم عصر ذرہ موجود ہے یعنی اگر مادہ (Matter) موجود ہے تو مادے کی ضد (Antimatter) بھی موجود ہے۔

مثبت مادہ موجود ہے تو منفی مادہ بھی موجود ہے۔ اس لحاظ سے اگر اس کائنات میں 16 ذرات موجود ہیں تو ان کی ضد بھی 16 ذرات ہیں تو کل ذرات 32 موجود ہیں۔ علاوہ ازیں ایٹموں کے انشقاق (پھاڑنے) سے بے پناہ توانائی خارج ہوتی ہے جو کہ اس میں موروثی ہے یا ان کی فطرت میں موجود ہے اور یہ توانائی وہی ہے جو انہی ذرات کو باہم ملا کر ایٹموں کی تخلیق (یا کہہ لیجئے مادہ کی تخلیق) میں صرف ہوئی ہو گی۔ لہٰذا اندازہ کیجئے کہ ستاروں کے مرکزہ کے اجزاء کو جوڑنے کے لیے بے پناہ دباؤ (Pressure) اور درجہ حرارت (Temperature) کی ضرورت پڑی ہو گی جس کا احاطہ تحریر میں لانا یا محض تصور کرنا بھی ناممکن ہے کیونکہ اسے صرف خالق کائنات ہی جانتا ہے کہ ستاروں کی تخلیق میں کس قدر توانائی صرف ہوئی ہو گی۔

چھوٹی اور بڑی دنیا کی مثال

ایٹم کی ساخت یا چھوٹی سی دنیا کے ذکر کے ضمن میں اب دوبارہ ہائیڈروجن ایٹم کی مثال پر غور فرمائیے! ہائیڈروجن ایٹم کے مرکزہ میں ایک پروٹان ہے اور اس کے اردگرد ایک الیکٹران محو گردش ہے۔ اب ذرا بڑی دنیا کی مثال پر غور فرمائیے یعنی ہماری زمین کی

Marfat.com

مثال پر۔ اگر ہم ہائیڈروجن ایٹم کے مرکزہ کی جگہ زمین رکھ دیں اور اس کے گرد ایک الیکٹران کی جگہ چاند کو رکھ دیں تو دیکھئے ہائیڈروجن ایٹم کی ساخت اور زمین اور چاند کے نظام میں کس قدر مماثلت ہے اور یہی مماثلت کائنات کے باقی نظاموں میں بھی موجود ہے۔ کائنات میں یہ مماثلت' ترتیب اور باقاعدگی اس قدر پائی جاتی ہے کہ انسان کو اس میں قطعاً کوئی خلل' دراڑ یا کجی نظر نہیں آتی۔ اتنی بڑی حقیقت کو جاننے کے باوجود بھی بعض انسان خدا کے وجود کے انکاری ہیں۔ قرآن حکیم میں ایسے ہی نافرمان لوگوں کے لیے ارشاد ہوتا ہے کہ کیا تجھے رحمن کے بنانے میں کوئی فرق نظر آتا ہے۔

الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ ؕ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ۙ هَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ ۝ ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ کَرَّتَیۡنِ یَنۡقَلِبۡ اِلَیۡکَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِیۡرٌ ۝

ترجمہ: ''جس نے بنائے سات آسمان تہہ پر تہہ کیا تو رحمن کے بنانے میں کچھ فرق دیکھتا ہے۔ پھر دوبارہ نگاہ کر کہیں نظر آتی ہے تجھ کو دراڑ۔ پھر لوٹا کر نگاہ کر دو دو بار لوٹ آئے گی تیری نگاہ تیرے پاس رد ہو کر تھک کر''

دوسرا ترجمہ: جس نے سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے۔ تو خدا کی اس صنعت میں کوئی خلل نہ دیکھے گا سو تو (اب کی بار) پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لے۔ کہیں تجھ کو کوئی خلل نظر آتا ہے (یعنی بلا تامل تو نے بہت بار دیکھا ہو گا اب کی بار تامل سے نگاہ کر) پھر بار بار نگاہ ڈال کر دیکھ (آخر کار) نگاہ ذلیل اور درماندہ ہو کر تیری طرف لوٹ آوے گی۔

(سورۃ الملک 67: آیت 3'4)

گزشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا ہے کہ کائنات میں مادہ موجود ہے تو مادے کی ضد بھی موجود ہے۔ مادہ کو انگریزی میں (Matter) تو مخالف مادہ یا مادے کی ضد کو (Antimatter) کہا گیا ہے۔ یہ دریافت سائنس دانوں بالخصوص ماہر فلکیات کے لیے بہت اہم ہے۔ گویا دو مختلف انواع کے مادے ہیں جو کائنات میں موجود ہیں۔ اگر اتفاق سے یہ دو مختلف انواع کے مادے آپس میں ٹکرا جائیں تو اتنی تباہی ہو گی جس کے نتیجے میں مادہ غائب ہو جائے گا

Marfat.com

اور توانائی کی ایک بے اندازہ مقدار خارج ہو گی۔ آسان لفظوں میں اگر مادہ جو مثبت پروٹان اور منفی الیکٹران پر مشتمل ہے' ایسے مادے سے ٹکرا جائے جس میں منفی پروٹان اور مثبت الیکٹران ہوں تو وہ مادہ غائب ہو جائے گا۔ یعنی مثبت پروٹان منفی پروٹان سے ٹکرا جائیں تو وہ غائب ہو جائیں گے۔ ان دریافتوں نے یعنی کائنات میں جو قوانین کار فرما ہیں انسان کو بہت فائدہ پہنچایا ہے اور اس سے کائنات کے کئی مظاہر کی تشریح و توضیح ممکن ہو گئی ہے۔ اس کی بدولت ماہرین علم النجوم کہکشاؤں میں اس تاریک مادہ کی' جسے وہ انگریزی میں ڈارک میٹر (Dark Matter) کہتے ہیں تشریح کے قابل ہو گئے ہیں خاص طور پر چکر دار سحابیے (Spiral Nebulae)" اور کچھ حد تک نئے ستارے اور عظیم نو تارے" (Supernova) کے بارے میں۔

مادے کے بھاری ایٹموں کے مرکزوں میں کچھ منفی برق بردار ذرات بھی ہوتے ہیں جن میں میزان (Mesons) قابل ذکر ہیں۔ اگر پروٹان' نیوٹران سے' ٹکرا جائے یا پروٹان کو نیوٹران کی طرف چھوڑا جائے تو پروٹان اپنی مثبت برق کھو دے گا اور میزانوں کی صورت میں علیحدہ ہو جائے گا اور اس صورت میں منفی برق بھی پیدا ہو گی۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اگر مثبت پروٹان منفی پروٹان سے ٹکرائیں گے تو مادہ فنا ہو جائے گا اور ایسی صورت میں مجموعی توانائی خارج ہو گی۔ لیکن سائنس دان اس امر پر یقین رکھتے ہیں کہ ایسی صورت حال ہو سکتی ہے جو کہ عدم (Nothingness) کی حالت ہو گی اور اس عدم کی حالت سے دنیا تخلیق ہوئی ہو گی۔ اگر مثبت پروٹان کی مقدار منفی پروٹان سے زیادہ ہو جائے تو مادہ وجود میں آجائے گا اور خدا نخواستہ اگر کائنات میں موجود مثبت پروٹان منفی پروٹان کے برابر ہو جائیں تو کائنات فنا ہو سکتی ہے لیکن ایسا ہو جانا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جیسا کہ سورۃ فاطر آیت 41 میں ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ○

ترجمہ: "تحقیق اللہ آسمانوں کو زمین کو تھام رہا ہے کہ ٹل نہ جائیں اور البتہ اگر

Marfat.com

ٹل جائیں تو ان کو کوئی نہ تھام سکے گا اس کے سوا وہ ہے تحقیق تحمل والا بخشنے والا"

دوسرا ترجمہ: یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ موجودہ حالت کو چھوڑ نہ دیں اور اگر (بالفرض) وہ موجودہ حالت کو چھوڑ بھی دیں تو پھر خدا کے سوا اور کوئی ان کو تھام بھی نہیں سکتا وہ حلیم غفور ہے۔

(سورۃ الفاطر 35: آیت 41)

مندرجہ بالا آیت کس قدر اس سائنسی حقیقت کی نشان دہی کرتی ہے جس کا ابھی ذکر کیا ہے اور اس آیت میں صاف طور پر کہہ دیا گیا ہے کہ سارے آسمان اپنی اپنی جگہ پر ٹھہرے ہوئے ہیں اور زمین اپنی مقرر جگہ سے ادھر ادھر سرک نہیں سکتی۔ اگر وہ انہیں اپنے مقامات پر نہ ٹھہرا سکے تو سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ کسی کی طاقت نہیں کہ اس کے آگے دم مارے اور اس کے حکم کے بغیر انہیں اپنی اپنی جگہ سے ہلنے نہ دے۔ یہ اس کا حلم اور بخشش ہے کہ باوجود لوگوں کے غرور اور سرکشی کے آسمان اور زمین اپنی اپنی جگہ ٹھہرے ہوئے ہیں یقیناً وہ بڑا اور کریم ہے۔

تاہم آسمانوں اور زمین کے غائب ہونے کی ممکنہ صورت حال ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے سائنس، انکار نہیں کر سکتی اور حقیقت کے باوجود ہم تصدیق کرنے کے بھی قابل نہیں ہیں کہ آیا مثبت اور منفی پروٹان ابتدا میں جوڑوں کی صورت میں پیدا ہوئے اور بعد میں الگ الگ ہو گئے اور مجموعی طور پر کائنات میں برق (Charge) صفر سے زیادہ نہ بڑھی۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کسی نے یہ تسلیم نہیں کیا کہ کائنات کے تمام حصوں میں پروٹان اور الیکٹران باقاعدگی سے تقسیم کیے گئے تھے یا کائنات میں برقی توازن وقت گزرنے کے ساتھ کسی مقام پر کیسے ممکن ہے وغیرہ وغیرہ جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کو ہے۔

قرآن حکیم میں دوسری اور آیات ہیں جن کے معنی و مطالب بھی وہی ہیں۔ یہ آیات کائنات کی تخلیق اور اس کے انجام کے بارے میں واضح کرتی ہیں۔ بے شمار آیات میں سے چند ایک کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ

Marfat.com

پہلا ترجمہ: ''جس روز دوسری زمین بدل دی جائے گی اس زمین کے علاوہ اور آسمان بھی''

دوسرا ترجمہ: ''جس دن یہ زمین دوسری زمین سے اور نیز آسمان بدلے جائیں گے''۔

(سورۃ ابراھیم 14: آیت 48)

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۭ

ترجمہ: ''(وہ دن بھی یاد کرنے کے قابل ہے) جس روز ہم (نفخہ اولیٰ کے وقت) آسمانوں کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح لکھے ہوئے مضمونوں کا کاغذ لپیٹ لیا جاتا ہے''

دوسرا ترجمہ: ''اس دن جب ہم آسمانوں کو اس طرح لپیٹ لیں گے جس طرح طومار خطوط کو لپیٹ لیتا ہے''

(سورۃ الانبیاء 21: آیت 104)

وَإِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۝ ۙ

ترجمہ: ''اور جب آسمان کھل جاوے گا (اور اس کے کھلنے سے آسمان کے اوپر کی چیزیں نظر آنے لگیں گی)''

دوسرا ترجمہ: اور جب آسمان کی کھال کھینچ لی جائے گی۔

(سورۃ التکویر 81: آیت 11)

کائنات میں چھوٹے پیمانے پر جو قوانین کار فرما ہیں یعنی جو قوانین ایٹم کے اردگرد الیکٹران کی گردش کو کنٹرول کرتے ہیں وہی قوانین وسیع پیمانے پر کار فرما ہیں مثلاً زمین اور اس کے گرد چاند کی گردش کو بھی وہی قوانین کنٹرول کرتے ہیں۔ یہ بہت ہی بڑی مماثلت ہے جو کائنات کے ہر حصے میں پائی جاتی ہے۔ ان انکشافات نے سائنس دانوں کو ورطہ حیرت میں ڈال رکھا ہے۔ یہی انکشافات خدا کے وجود کو ثابت کرتے ہیں۔

سائنس اور مذہب

اس بات سے انکار نہیں کہ سائنس اپنے زاویہ نگاہ میں کلی طور پر ''مادیت'' پر

انحصار کرتی ہے اور مذہب کلی طور پر اپنے زاویہ نگاہ میں "روحانیت" پر انحصار کرتا ہے مگر سائنس دان اب کائنات کی تشریح و توضیح یا اس کے میکانیزم (Mechanism) کی وضاحت میں وہ دعویٰ نہیں کرتے کہ وہ کسی سچائی کو بیان کر رہے ہیں۔ اسی طرح مذہبی حضرات بھی اپنے زاویہ نگاہ میں زیادہ لبرل ہو گئے ہیں اور وہ سائنس کے مفروضات اور نظریات کو یا سائنس کی دریافتوں کے انکاری نہیں ہیں جب کہ آج سے 50 سال قبل ایسی صورت حال نہ تھی۔ چنانچہ مذہب روحانیت پر اور سائنس "مادیت" پر انحصار کرتی ہے لیکن اب دونوں کے نظریات متصادم نہیں ہیں۔ وہ وقت چلا گیا جب علماء حضرات سائنس دانوں کی ایجادات کو کسی شیطانی عمل سے تعبیر کیا کرتے تھے اور سائنس دان اب علماء کی مظاہرات قدرت کے بارے میں توضیح و تشریحات بڑے تحمل اور بردباری سے سنتے ہیں۔ میرے نزدیک مذہب اور سائنس دونوں کا نقطۂ نگاہ اور منزل مقصود ایک ہی ہے اور وہ ہے سچائی (Truth) کی تلاش اور سب سے بڑی سچائی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ کائنات سے متعلق قوانین نہ صرف وجود باری تعالیٰ کو ثابت کرتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ پر ہمارے ایمان کو بھی پختہ کرتے ہیں۔

☆ ○ ☆

Marfat.com

تیسرا باب

قرآنی آیات اور سائنسی علوم

کتاب رشد و ہدایت

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ آخری الہامی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بے مثال کتاب رشد و ہدایت اپنے بے مثال رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمائی

قرآن حکیم نوع انسانی کی عقلی اور روحانی رہنمائی کا سرچشمہ ہے اور یہ امت اسلامیہ کے لیے مکمل ضابطہ حیات اور دستور زندگی ہے۔ تہذیب، اخلاق، تمدن و معاشرت، اصول سیاست و حکومت، تزکیہ نفس وغیرہ زندگی کے تمام شعبوں میں رہنمائی کے لیے قرآن مجید کا مطالعہ کرنا ہمارا دینی اور ملی فریضہ ہے۔ قرآن حکیم انسان کو بہترین اخلاق کا درس دیتا ہے اور انفرادی و اجتماعی زندگی کے ادب سکھاتا ہے۔ انسانی معاشرے کو ہمدردی، خیر خواہی اور اخوت و مساوات کے اصولوں پر استوار کرنے کے لیے قرآن حکیم کے بتائے ہوئے اصولوں کو اپنانا وقت کا اہم تقاضا ہے۔ اس کے بغیر ایک مثالی معاشرہ قائم نہیں کیا جا سکتا۔

قرآن مجید انسان کی ہدایت کے لیے نازل ہوا۔ یہ ہدایات اس کی عقلی، فکری اور اخلاقی تربیت کے لیے ہیں لہٰذا اس میں سب سے زیادہ مسائل زیر بحث آئے ہیں جو فلسفہ مابعد الطبیعیات، عمرانیات (انسانی معاشرت کا علم) اور اخلاقیات سے تعلق رکھتے ہیں۔ قرآن کریم کا پیغام اگر صحیح معنوں میں کسی کے دل میں اتر جائے اور اس کے دماغ پر اثر کر جائے تو اس کی زندگی بدل کر رکھ دیتا ہے۔ آج ہماری بد نصیبی یہ ہے کہ ہم نے اس عظیم کتاب سے اپنا ناطہ توڑ لیا ہے حالاں کہ ہمارے جملہ عوارض کا شافی علاج اس معدن و مخزن حکمت میں موجود ہے بقول علامہ اقبالؒ

گر تو می خواہی مسلمان زیستن　　　نیست ممکن جز بقران زیستن

Marfat.com

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ○

ترجمہ (اے محمد ﷺ) ہم نے تم پر وہ کتاب اتاری ہے جو ہر چیز کی خوب وضاحت کرنے والی ہے اور وہ فرماں برداروں کے لیے ہدایت، رحمت اور خوشخبری ہے۔

(سورۃ نحل 16: آیت 89)

دوسری جگہ فرمایا:

وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا○

ترجمہ: ”اور ہم نے ہر چیز کی خوب تفصیل کی ہے“

(سورۃ بنی اسرائیل: آیت 12)

قرآن حکیم کا بنیادی مقصد کیا ہے آپ پر واضح ہو گیا ہے۔ میں جب قرآن حکیم کا مطالعہ کرتا ہوں تو مجھے اس کی بعض آیات میں سائنسی حقائق و شواہد یا سائنسی اشارے ورطہ حیرت میں ڈال دیتے ہیں کہ جن حقائق تک موجودہ سائنس بعد از خرابی بسیار صدیوں کی مسافت طے کر کے پہنچی ہے قرآن نے تو آج سے بہت پہلے (1400 سال قبل ہی) ان حقائق سے بنی نوع انسان کو آگاہ کر دیا تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ماضی میں مسلمان دانشوروں، عالم دین اور مفسرین قرآن مجید نے ان حقائق کی وضاحت کرنے سے گریز کیا۔ میرے نزدیک اس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ بدقسمتی سے ہمارے دانشور اور اہل علم و قلم یورپ کے جدید علوم سے اتنے مرعوب و متاثر ہو گئے کہ انہوں نے اپنی اقتصادی بدحالی اور پس ماندگی کا سبب اسلامی تعلیمات کو قرار دیا۔ اگرچہ علامہ اقبال یورپ میں رہنے کے باوجود یورپ کی صنعتی ترقی اور چکاچوند زندگی سے قطعاً متاثر نہ ہوئے تھے جیسا کہ ان کے بعض اشعار سے بھی عیاں ہے۔ غالباً ان کا بھی مقصد مسلمانوں کو بتانا تھا کہ وہ یورپ کی مادی ترقی سے متاثر نہ ہوں۔

چند اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

Marfat.com

؎ خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

☆ ☆

؎ علاج آتش رومی کے سوز میں ہے تیرا
تیری خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسوں
اسی کے فیض سے میری نگاہ روشن ہے
اسی کے فیض سے میرے سبو میں ہے جیحوں

☆ ☆

؎ اپنی ملت پہ قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ﷺ ھاشمی

☆ ☆

؎ ان کی جمعیت کا ہے ملک و نصب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

علامہ کی ولولہ انگیز شاعری کے باوجود ہمارے اھل علم و قلم پر آزادی کے بعد بھی فرنگیوں کا فسوں ان کی خرد پر حاوی ہے۔

دوسری وجہ حاکم مغربی اقوام کا محکوم مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات سے دور رکھنا ہو سکتا ہے جیسا کہ برصغیر پاک و ہند میں تقسیم سے پہلے انگریزوں نے مسلمانوں پر نہ صرف اسلامی تعلیمات بلکہ سائنسی تعلیم کے دروازے ایک سو سال تک بند رکھے۔ اب بھی موجودہ آزاد بھارت میں ہندو معاشرے نے اسلامی تعلیمات کے مضمون کو سکولوں کے نصاب سے خارج کر دیا ہے اور یہ کام بھی مسلمان صدر ڈاکٹر ذاکر حسین کے دور صدارت میں ہوا اور ہندو حکومت کی خوشنودی کی خاطر انہوں نے یہ کاربد سرانجام دیا۔

تیسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ماضی میں قرآن مجید کے مفسرین نے اپنے آپ کو قرآن کریم کے صرف لفظی ترجمے اور مختصر روایتی تفسیر تک محدود رکھا اور ان آیات کی

Marfat.com

توضیحات سے معذرت خواہانہ رویہ اختیار کیے رکھا کہ کہیں ایسی آیات جو کسی سائنسی مظہر کو بیان کرتی تھیں (ایسی آیات) کی تشریح کرنے سے قرآن کے معنی و مطالب میں تحریف نہ ہو جائے اور بجائے ثواب حاصل کرنے کے گناہ کے مرتکب ہو جائیں۔

چوتھی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ان کی اکثریت سائنسی تعلیم سے بے بہرہ تھی اگرچہ اس بات سے انکار نہیں کہ وہ اسلامی علوم اور قرآن فہمی پر خاصا عبور رکھتے تھے لیکن اب بھی صورت حال ایسی ہی ہے اور ہمارے علماء حضرات سائنس کی تعلیم سے دور رہتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ دینی مدرسوں میں یا درس گاہوں میں دین کی تعلیم کے ساتھ ساتھ سائنسی علوم کی بھی تعلیم دی جائے تاکہ وہ قرآن کی معجزیت کا بہتر طور سے ادراک کر سکیں۔

بیسویں صدی میں بھی چند عالم دین، جن میں ملکی یا غیر ملکی شامل ہیں، ایک مثال مصری عالم دین سید قطب شہید کی ہے وہ قرآن حکیم میں بعض آیات کی سائنسی توضیحات پیش کرنے کی مخالفت کرتے ہیں اور قرون وسطی کے مسلمانوں کی مثال پیش کرتے ہیں جن کا ذکر چوتھے باب میں کیا گیا ہے۔ سید شہید کا خیال ہے کہ سائنس دان قرآن مجید میں وہ باتیں تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جو اس میں موجود ہی نہیں ہیں۔ میں ان سے قطعاً اتفاق نہیں کرتا کیوں کہ قرآن مجید قدیم و جدید سائنسی علوم کا بھی احاطہ کرتا ہے۔ محض ایسے بیانات سائنسی حقائق سے واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے ہو سکتے ہیں۔

قرآن حکیم سائنس کی کتاب نہیں

اس امر سے قطعی انکار نہیں ہے کہ قرآن حکیم سائنس کی کتاب نہیں ہے اور یہ قطعاً کوشش نہیں کی گئی کہ قرآن حکیم کو فزکس، کیمسٹری یا کائنات کی ایک کتاب کی حیثیت سے سمجھا جائے اور نہ ہی اس میں بیان کردہ اخلاقی قوانین پر جدید سائنس کے طبیعی قوانین کا اطلاق کرکے ان کی نئی توضیحات پیش کی گئی ہیں اور وہ باتیں نہیں کی گئیں جو قرآن میں موجود ہی نہیں ہیں۔ قرآن حکیم کو اپنی رہنما کتاب کی حیثیت سے ہی مانا جائے گا اور اس کی اپنی بتائی ہوئی حیثیت سے مختلف حیثیت دینا زیر مطالعہ کتاب کا مقصد نہیں ہے۔

زیر نظر مطالعہ کتاب "قرآن اور جدید سائنس" لکھنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ سائنس کے ذریعے قرآن حکیم کی عظمت و بزرگی کو ظاہر کیا جائے۔ ایسا نہیں ہے۔ قرآن ان جزوی سائنسی معلومات سے کہیں زیادہ عظیم ہے۔ قرآن اپنے موضوع پر ایک مکمل کتاب ہے اس کا موضوع ان تمام مادی علوم سے زیادہ ہے۔ اس کا موضوع خود انسان ہے جو ان سائنسی معلومات کو حاصل کرتا اور ان سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ ان آیات کے ذریعے قرآن انسان کو تصور اور تدبر کے پیمانے فراہم کرتا ہے اور سائنس دانوں کو چاہیے کہ جن حقائق کو وہ سائنٹفک اور علمی حقائق قرار دیتے ہیں وہ انہیں قطعی نہ سمجھیں۔ سائنس اصل اور فیصلہ کر نہیں ہے اور قرآن اس کا تابع نہیں ہے۔

میرا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ جب کوئی سائنسی نظریہ (تھیوری) اپنے مشاہدہ اور سائنسی تجربات کے نتائج کے اعتبار سے قرآن میں دیئے گئے سائنسی حقائق سے قریب تر ہو جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ نظریہ درست ہو گا۔ چنانچہ سائنس کو قرآن کے پیچھے پیچھے چلنا چاہیے۔ اور اگر قرآن کے حقائق سے متضادم ہو تو پھر سائنس دانوں کو مزید تحقیق اور جستجو کی ضرورت ہے۔ قرآن حکیم کے قوانین ابدی اور لافانی ہیں اور آنے والے وقتوں پر (یا آنے والی صدیوں پر) محیط ہیں مگر سائنس کے قوانین اور ان کے نتائج عارضی ہو سکتے ہیں، ممکن ہے کوئی اور سائنس دان موجودہ نظریہ سے بہتر اور ارفع نظریہ پیش کر دے جو قرآنی شواہد کے عین مطابق ہو۔

سائنس کی تعلیم کبھی بھی انبیاء کرام کے فرائض منصبی میں شامل نہیں رہی۔ رسول کریم ﷺ کے فرائض قرآن مجید کی متعدد آیات میں نہایت وضاحت سے بیان کیے گئے ہیں۔ ان کے مطابق آپ کی ذمہ داری وحی الٰہی یعنی قرآن مجید کو لوگوں تک پہنچانا، ان کو احکام شریعت اور حکمت کی تعلیم دینا اور ان کے اخلاق و کردار کا تزکیہ کرنا تھا۔ مادی تعلیم آپ کی ذمہ داری نہ تھی۔ اس بات کو آپ نے واضح طور پر بیان بھی کیا۔

کھجور کا واقعہ

"آپ کا گزر ایک نخلستان پر ہوا۔ آپ نے دیکھا کہ لوگ (کسان) کھجور کے بعض درختوں کا بور دوسری کھجوروں پر ڈال رہے ہیں۔ آپ نے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے

Marfat.com

بتایا کہ اس طرح پھل زیادہ آتا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر تم ایسا نہ کرو تو کوئی حرج نہ ہو گا۔ لوگوں نے حکم کی تعمیل کی۔ اگلے سال پھل کم آیا تو لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بتایا کہ پیداوار میں بے حد کمی واقع ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا ''اپنے تجربہ پر عمل کرو تم دنیاوی امور میں مجھ سے زیادہ جانتے ہو''۔ کھجور کا یہ واقعہ حدیث کی کتابوں میں ''تعبیر نخل'' کے واقعہ سے متعلق ہے۔ نر اور مادہ کھجوروں کے بور کا ملاپ یا بار آوری (تخم ریزی یا پھل لانے کے لیے) ضروری ہوتا ہے۔ عام حالات میں قدرتی عوامل مثلاً ہوا، پرندے اور حشرات الارض بور کی منتقلی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ مدینہ منورہ کے کسان یہ کام خود کرتے تھے اور بار آوری مکمل ہوتی تھی۔ یہ ایک سائنسی مشاہدہ ہے اور تجربے کا معاملہ تھا۔ آنحضرت ﷺ کا خیال مبارک یہ ہوا کہ اسے قدرتی عوامل پر ہی منحصر رہنا چاہیے لیکن ایسا کرنے سے پیداوار میں کمی واقع ہو گئی تو آپ نے اپنی رائے پر اصرار نہیں فرمایا اور ہدایت دی کہ ''دنیاوی امور میں لوگوں کا علم آپ ؐ سے زیادہ ہے اس لیے وہ اپنے علم و تجربہ کے مطابق عمل کریں''۔ (حوالہ خالد مسعود روزنامہ مشرق 24 مئی 1991ء)

اس امر کے باوجود کہ قرآن حکیم سائنس کی کتاب نہیں مگر یہ بھی کھلی حقیقت ہے کہ قرآن حکیم نے ایسے حقائق و شواہد بیان کیے ہیں اور یہ حقائق بھی ایسے ہیں کہ مادی سائنس صدیوں کی مسافت طے کر کے وہاں تک پہنچی ہے۔ اس حقیقت کو جدید سائنس دانوں نے بھی تسلیم کیا ہے۔ قرآن مجید کے اس پہلو سے متاثر ہو کر فرانس کے ایک میڈیکل ڈاکٹر (سرجن) موریس بوکائے (Maurice Baucaille) نے عربی زبان کی تعلیم حاصل کی اور قرآن کا مطالعہ کرنے کے بعد اسلام قبول کیا۔ اس نے اپنی کتاب ''بائبل' قرآن اور سائنس'' میں یہ اقرار کیا ہے کہ سائنسی دوائر میں قرآن مجید کا کوئی بیان ایسا نہیں جس کو موجودہ ترقی یافتہ سائنس جھٹلا سکے۔ ہر بات نہایت محکم ہے اور کتنی ہی باتیں ایسی ہیں کہ سائنس بعد از خرابی بسیار ان تک پہنچی ہے۔

آفاقی دلائل

سائنسی حقائق پر مشتمل آیات پر ایک مجمل نظر بھی واضح کرنے کے لیے کافی ہے کہ یہ ان آیات میں بیان ہوئے ہیں جن کو قرآن حکیم اپنے ''آفاقی دلائل'' قرار دیتا ہے'

یعنی ایسی دلیلیں جو کائنات کے گوشے گوشے میں پھیلی ہوئی ہیں اور ہر شخص برابر ان کا مشاہدہ کرتا ہے۔ قرآن حکیم کے مباحث کے تین بڑے دائرے ہیں۔

الف: اللہ جل شانہ' کی وحدانیت۔

ب: دنیاوی زندگی کے اختتام پر حیات آخروی کا وقوع' جزا و سزا اور دوزخ و جنت کا بیان۔

ج: ہدایت انسانی کے لیے رسالت کا منصب۔

آفاقی دلائل اصلاً انہی مباحث کی تکمیل کے لیے ہیں۔ انسان سے یہ تقاضا کیا گیا ہے کہ وہ ان دلائل پر تفکر و تدبر کر کے ان نتائج تک رسائی حاصل کرے جن کی طرف قرآن حکیم رہنمائی دیتا ہے۔ آفاقی دلائل کس بات کو ثابت کرنے کے لیے ہیں؟ وہ صرف اور صرف انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات اور اس کی عظمت و بزرگی کا ادراک حاصل کرنے کے لیے ہیں۔ کائنات کی تخلیق ایک عظیم تر تخلیق ہے اور قرآن حکیم ہمیں بار بار یاد کرواتا ہے کہ یہ اللہ ہی ہے جس نے زمین و آسمان تخلیق کیے۔ تفکر و تدبر کے سلسلہ میں قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○

ترجمہ: "اسی طرح ہم کھولتے ہیں اپنی آیات ان لوگوں کے لیے جو تفکر کریں"

(سورۃ یونس 10: آیت 24)

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○

ترجمہ: "اور اتارا ہم نے تم پر ذکر کہ تم جو کچھ لوگوں کے لیے اتارا گیا ہے اس کی وضاحت کرو تاکہ وہ تفکر کریں"

(سورۃ النحل 16: آیت 44)

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○

ترجمہ: "اسی طرح اللہ اپنی آیات کی وضاحت فرماتا ہے تاکہ تم تعقل کر سکو"

(سورۃ البقرہ 2: آیت 242)

Marfat.com

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ط

ترجمہ: "کیا یہ لوگ قرآن پر تدبر نہیں کرتے؟"

(سورۃ النساء:4 آیت82)

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ○

ترجمہ: "کیا یہ تدبر نہیں کرتے قرآن پر؟ یا دلوں پر لگے ہوئے ہیں ان کے قفل"

(سورۃ محمدؐ: آیت24)

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○

ترجمہ: "(یہ قرآن) ایک کتاب مبارک ہے جو ہم نے تمھاری طرف نازل کی تاکہ لوگ اس کی آیات پر تدبر کریں اور سمجھ دار لوگ نصیحت حاصل کریں"

(سورۃ ص38: آیت29)

(لفظ تدبر کے معنی غور کرنا اور دور اندیشی ہے۔ مندرجہ بالا آیات تدبر کی اہمیت کو واضح کرتی ہیں۔ تدبر سے قرآن حکیم کے علم و حکمت کے اصل موتی حاصل ہوتے ہیں اور اسی سے اس بحرِ ناپیدا کنار کی وسعتوں کا اصل اندازہ ہوتا ہے۔ آپ پہلے باب میں مطالعہ فرما چکے ہیں کہ سائنس سے کیا مراد ہے؟ سائنس طبیعی حقائق کا وہ علم ہے جو مشاہدے اور تجربے سے حاصل ہو۔ اس کی مزید وضاحت چوتھے باب میں بھی کی گئی ہے۔

سائنسی طریق کار

سائنسی طریق کار یہ ہے کہ حواس خمسہ کے ذریعے حاصل ہونے والے شواہد سے نتائج اخذ کیے جاتے ہیں اور ان نتائج کی صحت کو جاننے کے لیے تجربات کیے جاتے ہیں۔ جب تجربات سے ان نتائج کی تائید ہو جائے تو ان کو ایک اصول کی حیثیت سے مان لیا جاتا ہے اور اس اصول کو مادی ترقی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس طرح سائنس سمع و بصر کو مشاہدات و تجربات اور عقل کو نتائج کے اخذ کرنے میں استعمال کرتی ہے۔ قرآن حکیم جب دلائل آفاق کا ذکر کرتا ہے تو سمع و بصر اور عقل ہی کے استعمال کا تقاضا نہیں کرتا بلکہ تدبر کے علاوہ تذکر، تفقہ اور عبرت پذیری کا بھی مطالبہ کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا

Marfat.com

ہے کہ قرآن حکیم ایک سائنس دان کے اس طریق کار کو کافی قرار نہیں دیتا جو وہ موجودہ سائنس کی رو سے اختیار کرتا ہے بلکہ اس کو آگاہ کرتا ہے کہ سمع و بصر کے ذریعے مشاہدہ سے مادی قسم کے فواید حاصل کرنے پر ہی وہ اکتفا نہ کرے بلکہ تذکر (یاد دہانی کرنا) تفقہ (کسی بات کو اچھی طرح سمجھ لینا) اور عبرت پذیری کی صلاحیتیں استعمال کر کے اپنی جولان گاہ مابعد الطبیعیات کے دائروں تک وسیع کرے۔

تذکر، تدبر اور تفقہ

ہمارے بعض علماء کرام نے تدبر، تذکر اور تفقہ پر بڑی وضاحت سے لکھا ہے۔

تذکر کے معنی یاد دہانی حاصل کرنا ہے یعنی انسان کسی حقیقت کو بھولا ہوا ہو تو وہ کسی دوسری چیز کے مشاہدہ سے بھولی بسری حقیقت پر متنبہ ہو جائے تو یہ تذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو متنبہ (خبردار) کرنے کے لیے قدم قدم پر ایسے شواہد پیدا فرما دیئے ہیں جن سے اس کو تذکر ہو۔ قرآن مجید انسان کو جس علم سے آگاہ کرتا ہے اس علم کی تمام اساسات انسان کی فطرت میں موجود ہیں لیکن اپنی دنیاوی دلچسپیوں میں کھو کر وہ ان کو بھول جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں سورۃ اعراف آیت 130 کے مطابق قوم فرعون (مصر میں) کو تنبیہ نہیں ہو رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو قحط سالی اور فصلوں کی پیداوار کی کمی سے دوچار کیا تاکہ اس کی آنکھیں کھلیں۔ سورۃ توبہ آیت 126 کے مطابق بندوں کو سال میں ایک دو مرتبہ آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے تاکہ وہ حقیقت کو بھلا نہ بیٹھیں اور انہیں تذکر ہو۔ سورۃ واقعہ آیت 62 میں فرمایا "پہلی پیدائش کو تو تم جانتے ہی ہو تو اس سے یاد دہانی حاصل نہیں کرتے" سورۃ الزاریات 51 آیت 49 میں فرمایا "اور ہر چیز سے ہم نے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم یاد دہانی حاصل کرو"

چنانچہ انسانوں (سائنس دانوں) سے یہ تقاضا کیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ شواہد سے تذکر حاصل کریں یعنی ان کی نگاہیں محض مادی فوائد پر مرکوز نہیں ہونی چاہیں بلکہ وہ ان سے ایسے حقائق تک رسائی پائیں گے جن کا علم تو ان کی فطرت میں پوشیدہ ہے مگر وہ اس کو بھولے ہوئے ہیں سورۃ واقعہ پر دوبارہ غور فرمائیے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ ○

Marfat.com

ترجمہ: ”تم جان چکے ہو پہلی پیدائش پھر یاد کیوں نہیں کرتے“

(سورۃ الواقعہ 56: آیت 62)

”یعنی تم جانتے ہو اور اب بتانے سے بھی تمہیں معلوم ہو گیا کہ ہم نے ہی تمہیں پہلی بار پیدا کیا۔ اب تم اس سے یہ کیوں نہیں سمجھ لیتے کہ ہم نے تمہیں جیسے پہلی بار بنایا ایسے ہی دوبارہ بھی بنا سکتے ہیں۔ سوچ سمجھ کا کام یہی ہے کہ جو چیزیں معلوم ہو چکیں ان ہی سے نامعلوم چیزوں کا بھی کسی قدر پتہ لگاؤ۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر تعجب ہو یا اس کا انکار کیا جائے‘ غرض اللہ کو اس کی قدرت کی نشانیاں دیکھ کر پہچانو اور یقین کرو کہ تم مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کئے جاؤ گے“ اس تفسیر کا مطلب ہے کہ تم پہلی پیدائش سے تذکر حاصل کرو“۔

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○

ترجمہ: ”اور ہر چیز کے بنائے ہم نے جوڑے تاکہ تم سوچو سمجھو (دھیان دو‘ یاد دہانی کرو“

(سورۃ الذاریات 51: آیت 49)

اللہ تعالیٰ جل شانہ‘ فرماتا ہے کہ ہم نے ہر چیز بنا کر اس کے مقابل کی چیز بنائی‘ مثلاً گرم سرد‘ اونچی نیچی‘ مزیدار بے مزہ‘ نر اور مادہ اس سے تم خود ہی سوچ کر سبق حاصل کرو اور سمجھو کہ جب سب کچھ ہمارا ہے تو پھر ہماری طرف بھاگنا چاہیے۔ ہمارا انکار مت کرو اور نہ ہمارا کوئی شریک یا ہمارے برابر کا مانو اور دونوں باتوں کا انجام برا ہے۔ ایک سائنس دان نر و مادہ کے جوڑوں تک اپنی تحقیق و جستجو محدود کر لیتا ہے لیکن یہاں یہ سبق دیا جاتا ہے کہ یہ قانون دوسری چیزوں میں بھی جاری و ساری ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و حکمت اور تخلیق پر غور کرے۔

لفظ ”تفقہ“ کے معنی ہیں کسی بات کو اچھی طرح سمجھ لینا۔ کسی بات کو سمجھنے کی وہ کیفیت ہوتی ہے جس میں انسان کی نگاہیں صرف ظاہر کو نہ دیکھ رہی ہوں بلکہ معاملات کی تہہ تک پہنچیں اور اصل حقیقت کا ادراک کریں۔ قرآن حکیم شواہد کائنات کو بیان کر کے فرماتا ہے کہ

Marfat.com

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکُمۡ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ○

ترجمہ: ”ہم نے اپنی نشانیاں ان لوگوں کے لیے تفصیل سے بیان کر دی ہیں جو سمجھیں سورۃ انعام 6 آیت (99)- اس میں ایک سائنس دان کے لیے یہ سبق ہے کہ وہ ظاہر کے پردوں کے پیچھے جھانک کر ہر معلول کی اصل علت کو دریافت کرے اور محض ایک مشینی آدمی کی طرح کام کرنے کی بجائے اپنے جذبات اور احساسات کو تحریک دے کر حقیقت کا شعور حاصل کرے۔

لفظ عبرۃ (عبرت) کے معنی و مفہوم کسی موقعے سے سبق حاصل کرنا ہے۔ اس میں انسان مشاہدہ سے حاصل ہونے والے علم کے ذریعے اس کے گہرے معانی تک جست لگاتا ہے۔ بعض اوقات ان کی ترتیب سے ان قوانین کو سمجھتا ہے جو ان واقعات کو وجود میں لانے کا سبب بنے مثلاً ماضی کی بعض قومیں اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے برباد ہوئیں۔ چنانچہ بعض قوموں کی بربادی کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اہل علم کے لیے اس میں وہ سبق پوشیدہ ہیں جن سے وہ عبرت حاصل کریں۔

لَقَدۡ کَانَ فِیۡ قَصَصِہِمۡ عِبۡرَۃٌ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ؕ

ترجمہ: ان (انبیاء و ام سابقین) کے قصہ میں سمجھدار لوگوں کے لیے (بڑی) عبرت ہے“

(سورۃ یوسف 12: آیت 111)

یعنی پہلی قوموں کے حالات سن کر اور ان کی آبادیوں کی تباہی کے آثار دیکھ کر عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ یہاں اگر انسان کی فکر ٹھیک کام کرتی ہے تو وہ ان سے یہی نتیجہ نکالے گا کہ ان سب چیزوں کو پہلے اور پچھلے لوگوں اور خود ہم کو اللہ عزوجل نے پیدا کیا۔ اسی نے اپنے رسول بھیج کر ہمیں پچھلے لوگوں کے حالات سنائے اور سنانے کے بعد کہا کہ ان سب سے تم مفید نتیجے نکالو۔ یہی عبرت کا لفظ ان مشاہدات کے لیے استعمال ہوا ہے جو ہمارے گردوپیش میں ہوتے ہیں۔

اگرچہ راقم الحروف کی یہ ساری کتاب دلائل آفاق پر ہی مبنی ہے مگر یہاں میں چند دلائل آفاق کا ذکر کر کے اپنے نقطہ نگاہ کو مزید واضح کرنا چاہتا ہوں۔ قرآن مجید میں ارشاد

ہوتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ

ترجمہ: ''اور وہی ہے قادر مطلق جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ یوم میں پیدا کیا'' اور (اس وقت) اس کا عرش پانی پر تھا''

(سورۃ ھود 11: آیت 7)

اس آیت کریمہ میں دو لفظ ''یوم'' اور ''عرش'' کی وضاحت ضروری ہے۔ لغت میں یوم سے مراد دن یا وقت ہے اس کی جمع ایام ہیں۔ انسانوں نے اپنے مشاغل کے تعین کے لیے اوقات کی جو تقسیم کی ہے اس میں یوم (دن) طلوع آفتاب و غروب آفتاب کی درمیانی مدت کا نام تجویز کیا گیا ہے۔ یہ مدت زمان و مکان کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے۔ مثلاً قطب شمالی پر چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے۔ جب دنیا کے مختلف حصوں میں ''یوم'' کی مدت اس قدر مختلف ہے تو نظام شمسی کے ماوراء کے دن کو تو ہم دنیا کے دن پر قیاس ہی نہیں کر سکتے۔ اللہ جل شانہ' کے اشاروں پر یہ کرہ ارض اور تمام اجرام سماویہ رقص کناں ہیں۔ بارگاہ خداوندی میں اوقات کے تعین کی صورت کیا ہے؟ اس کا صحیح تصور ہمارے لیے ممکن ہی نہیں تاہم ہمارے سمجھانے کے لیے فرمایا گیا ہے۔ اور اپنے رب کے یہاں کا ایک دن ایسا سمجھ جیسے تمہارے حساب سے ہزار سال۔

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ○

ترجمہ: (وہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر امر کی تدبیر کرتا ہے' پھر ہر امر اس کے حضور میں پہنچ جاوے گا ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار برس ہو گی۔

(سورۃ السجدہ 32: آیت 5)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارے رب کے ہاں وقت کے وقفہ کو ایک دن قرار دیا

جاتا ہے وہ اس دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر پھیلاؤ رکھتا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا۔

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ

ترجمہ: ''اور اس کی طرف فرشتے اور روح (جبریل) اس دن چڑھیں گے جس کی مقدار (دنیا کے) پچاس ہزار سال ہو گی''

(سورۃ معارج70: آیت4)

اس آیت میں قیامت کے دن کے متعلق فرمایا گیا ہے۔ ممکن ہے اس سے مراد یہ ہو کہ یہ دن اپنی ہولناکی کے سبب کافروں کے لئے پچاس گنا ہو جائے گا جیسا کہ مومنوں کے لئے بے حد مختصر ہو جائے گا۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے ''خدا کی قسم ایماندار آدمی کو وہ دن ایسا چھوٹا معلوم ہو گا جتنا کہ ایک فرض نماز ادا کرنے کا وقت'' تاہم مندرجہ بالا آیات میں یہاں بھی بارگاہ خداوندی کے دن مراد ہیں- سورۃ ھود کی آیت میں ''یوم'' سے مراد تخلیق کائنات کا ایک دور (Period) ہو گا چنانچہ ''یوم'' سے مراد وقت کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی ہو سکتا ہے اور وقت کا ایسا حصہ بھی جو دنیا کے لاکھوں' کروڑوں' یا اربوں سالوں پر بھی محیط ہو سکتا ہے۔ اس آیت میں چھ یوم سے مراد چھ ادوار ہو سکتے ہیں اور ہر دور اربوں سال پر بھی محیط ہو سکتا ہے۔

اب آیت کے دوسرے لفظ ''عرش'' پر غور فرمائیے۔ لغت میں اس کے معنی' چھت' تخت شاہی' بلند مقام' عظمت و جلال ہے۔ عرش الٰہی کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ فلک اعلیٰ ہے۔

مفسرین نے ''عرش'' کی کئی توضیحات کی ہیں مثلاً یہ کہ عرش اللہ تعالیٰ کا تخت سلطنت ہے جہاں سے وہ احکام جاری کرتا ہے۔ عرش کے علاوہ قرآن مجید میں ایک اور لفظ ''کرسی'' آیا ہے۔ آیت الکرسی میں ''کرسی'' کا ذکر ہے۔ سورۃ البقرہ (2) کی آیت 255 میں ارشاد ہوتا ہے۔ (مفسرین نے اس کے مندرجہ ذیل تراجم کئے ہیں)

''(اللہ تعالیٰ) کی کرسی زمین و آسمان پر محیط ہے''

''اس کی کرسی نے سب آسمانوں اور زمین کو اپنے اندر لے رکھا ہے''

Marfat.com

"اس کی کرسی میں تمام آسمانوں اور زمین کی گنجائش ہے"

کرسی سے یہ مراد نہ لینا چاہیے کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کوئی جسم رکھتا ہے اور وہ کرسی نشین ہے۔ کرسی کے معنی علم کے ہو سکتے ہیں اور قدرت و طاقت کے بھی یعنی اللہ تعالیٰ کا علم اور قدرت ساری کائنات پر غالب ہے۔ انسانی ذہن میں "عرش" اور "کرسی" کے الفاظ سے کسی اعلیٰ و ارفع بیٹھنے کی جگہ کا تصور پیدا ہوتا ہے چونکہ دنیا میں کرسی اور تخت بیٹھنے کی جگہ ہی ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کے وجود کا تصور انسانی ذہن کے لئے ناممکنات میں سے ہے، اس لحاظ سے لفظ "عرش" یا "کرسی" کا تصور بھی ناممکن ہے۔ سائنسی نقطہ نگاہ سے عرش یا کرسی سے مراد "انرجی" (Energy) یا قدرت ہو سکتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ عرش یا کرسی کی حقیقت و کیفیت سے ہم کبھی بھی واقف نہیں ہو سکیں گے۔

زندگی کا آغاز

اب صفحہ 63 پر سورۃ ھود کی آیت (7) پر غور فرمائیے۔ میری حقیر دانست کے مطابق "اللہ کا عرش پانی پر تھا" سے مراد ہے کہ جب اللہ جل شانہ' نے زمین و آسمان تخلیق کر لیے تو پھر پانی کی طرف توجہ فرمائی تاکہ زندگی کا آغاز ہو۔ زندگی کا آغاز پانی اور گارے (کیچڑ) سے ہوا جس کی تصدیق خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ چند آیات کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ

"ہم نے ہر زندہ شے کو پانی سے بنایا"

(سورۃ الانبیاء 21: آیت 30)

مذکورہ آیت سے واضح ہوتا ہے کہ زندہ اشیاء پانی سے وجود میں آئی ہیں۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِّنْ طِينٍ

ترجمہ: "وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا"

(سورۃ انعام 6: آیت 2)

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝

ترجمہ: ''اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں کالے سڑے ہوئے گارے سے جو کھن کھن بولنے لگتا ہے ایک بشر کو پیدا کرنے والا ہوں''

(سورۃ حجر15: آیت28)

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۭ

''اور اللہ ہی نے تمام جانداروں کو پانی سے پیدا کیا۔ ان میں بعض پیٹ کے بل چلتے ہیں اور بعض ان میں سے دو پاؤں پر چلتے ہیں اور بعض ان میں سے چار پاؤں پر چلتے ہیں اور اللہ جس وضع پر چاہتا ہے پیدا کرتا ہے''۔

(سورۃ نور24: آیت45)

مندرجہ بالا تمام آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کا آغاز یا پیدائش پانی اور کیچڑ یا مٹی دونوں سے ہوا۔ چنانچہ پہلے پیدائش پانی (اور مٹی) سے ہوئی پھر اللہ تعالیٰ نے تخلیق کے پروسیس کو رحم مادر سے جاری کیا جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات سے واضح ہوتا ہے۔

فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ

''پس ہم نے تمہیں مٹی سے اور نطفے سے پیدا کیا''

(سورۃ حج22: آیت5)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِىْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۚ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۭ

Marfat.com

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝

"اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ (یعنی غذا) سے بنایا۔ پھر ہم نے اس کو نطفہ سے بنایا جو کہ (ایک مدت معینہ تک) ایک محفوظ مقام (یعنی رحم) میں رہا۔ پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنایا۔ پھر ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو (گوشت) کی بوٹی بنایا۔ پھر ہم نے اس بوٹی (کے بعض اجزاء) کو ہڈیاں بنا دیا۔ پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا۔ پھر ہم نے اس کو ایک دوسری طرح کی مخلوق بنا دیا۔ سو کتنی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے (یعنی سب بنانے والوں سے بہتر)

(سورۃ مومنون 23: آیت 12 تا 15)

اب ماہرین حیاتیات و حیوانات نے بھی یہی دریافت کیا ہے کہ ابتدائی زندگی کا آغاز پانی اور مٹی کے ملاپ سے ہوا۔ میڈیکل سائنس میں اناٹومی کے ماہرین نے بھی اس سارے انسان کی تخلیق کے پروسیس کی تصدیق کر دی ہے جو مذکورہ بالا آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح زمین اور آسمانوں کی تخلیق مختلف ادوار میں ہوئی جس کا عرصہ کروڑوں اور اربوں سالوں پر محیط ہے اور ان حقائق سے تمام ماہرین فلکیات و ارضیات متفق ہیں۔ نبی کریم ﷺ ماہر حیاتیات یا ارضیات نہ تھے بلکہ یہ سارے حقائق (جو اب مختلف سائنسی علوم کی بنیاد ہیں) اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن مجید (وحی الٰہی) کے ذریعے بتا دیئے تھے۔ قارئین کرام کو ان آیات سے قرآن حکیم کی معجزیت کا بخوبی اندازہ ہو جانا چاہیے۔ اسی لئے میں نے اس باب کے شروع میں لکھا تھا کہ قرآن حکیم میں جو حقائق و شواہد موجود ہیں جدید سائنس صدیوں کی مسافت کے بعد اب ان تک پہنچی ہے۔ اب ایک مسلمان سائنس دان کا رد عمل کیا ہونا چاہیے؟ یہی کہ وہ جب ان آیات پر تدبر، تذکر اور تفقہ کرتا ہے تو یقیناً اس کا ایمان اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات پر مزید پختہ ہو جانا چاہیے۔

ایک بات یاد رکھیے کہ موجودہ سائنس ابھی اس نہج پر نہیں پہنچی کہ وہ قرآن حکیم میں بعض سائنسی حقائق کی توضیح پیش کر سکے لیکن یہ حقائق ان کے لئے مزید تحقیق اور جستجو کا محور ہو سکتے ہیں مثلاً ارشاد ہوتا ہے۔

Marfat.com

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَاۗىِٕغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ○

ترجمہ: ”اور تحقیق تمہارے واسطے چوپایوں میں سوچنے کی جگہ ہے ہم ان کے پیٹ کی چیزوں میں سے گوبر اور خون کے درمیان سے تمہیں دودھ پلاتے ہیں صاف ستھرا پینے والوں کے لیے خوشگوار“

(سورۃ نحل16: آیت66)

اس آیت میں ارشاد ہے کہ زمین کی پیداوار کے علاوہ جانوروں سے بھی تمہاری ضرورت کی چیزیں پیدا کیں۔ دیکھو جو کچھ وہ کھاتے ہیں وہ ان کے پیٹ کے اندر جا کر ان کل پرزوں کے ذریعے جو اندر ہی اندر کام کر رہے ہیں، تین چیزوں کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ایک حصہ تو گوبر وغیرہ بن کر پھینک دیا جاتا ہے۔ ایک حصہ خون بن کر زندگی کو برقرار رکھتا ہے۔ ان دونوں کے بیچ میں سے ایک تیسری چیز بنتی ہے جسے دودھ کہتے ہیں۔ یہ گوبر اور خون کے درمیان ہی بنتا ہے لیکن ان دونوں گندگیوں اور بدمزگیوں سے پاک ہے۔ یہ ایک صاف ستھری، خوشنما، خوش ذائقہ گلے میں باآسانی اتر جانے والی چیز ہے جسے پینے والے مزے لے لے کر پیتے ہیں“۔

اس آیت سے مراد ہے کہ اس مشاہدہ سے اس حیرت انگیز قدرت کا ادراک کرو اور جانو کہ وہ کس طرح ناقابل فہم طریقوں سے ایسے نتائج حاصل کرتا ہے جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے۔ موجودہ سائنس مویشیوں کے اندر دودھ بننے کے نظام کو دیکھ کر اس جستجو میں لگ جاتی ہے کہ وہ کون سے کیمیائی عوامل ہیں جو خوراک کو دودھ میں تبدیل کرتے ہیں۔ لیکن قرآن کی رو سے ایک سائنس دان کو اس مشاہدہ سے جست لگا کر قدرت خداوندی کا ادراک کرنا چاہیے۔ جو لوگ عبرت پذیری کی صلاحیت کو مردہ کر دیتے ہیں ان کے عقل و دل کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں وہ دیکھتے سب کچھ ہیں لیکن ان کو سوجھتا کچھ بھی نہیں۔ قرآن مجید نے کائنات کے بہت سے ایسے شواہد کا ذکر فرمایا ہے جو سائنس کی جستجو کا منبع و محور ہو سکتے ہیں مثلاً آسمان اور زمین کا نظام، انسانوں اور حیوانوں کی تخلیق، رات اور دن کی گردش، ہواؤں کی گردش اور زمین پر بارش کے اثرات (ان

Marfat.com

شواہد کا ذکر آئندہ ابواب میں آئے گا' انشاء اللہ)۔ ان شواہد کے بیان کے بعد فرمایا

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ

ترجمہ: "یہ اللہ کی آیتیں (نشانیاں ہیں) جو ہم تمہیں بالکل حق کے ساتھ سنا رہے ہیں (یا پڑھ کر سناتے ہیں)" (سورۃ جاثیہ 45: آیت 6)

زمانہ حاضر کا انسان

حضرت علامہ اقبالؒ نے "دور حاضر کا انسان" کے عنوان سے جو نظم لکھی ہے اس کا اطلاق' میری حقیر دانست کے مطابق' سائنس دان پر زیادہ ہوتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے ؎

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا!

اقبال (ضرب کلیم)

حاصل کلام

جیسا کہ پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں کہ اس کے باوجود کہ قرآن حکیم سائنس کی کتاب نہیں مگر اس نے بہت سارے دلائل آفاق کی بنیاد ایسی چیزوں کے مشاہدہ پر رکھی ہے جو آج جدید سائنس کا موضوع ہیں بلکہ پہلے بھی رہے ہیں لیکن اس مشاہدہ کو اس نے ایک سمعی و بصری عمل قرار نہیں دیا بلکہ یہ تحریک دی ہے کہ سمع و بصر کے خواص کے پہلو بہ پہلو تدبر' تذکر' تفقہ' اور عبرت پذیری کو بھی جگہ دے تاکہ یہ مشاہدہ انسان کو اصل حقائق تک پہنچائے۔ اگر سائنس دان قرآن مجید کی اس ہدایت کو ملحوظ رکھیں تو سائنس مذہب و اخلاق سے اس طرح بے بہرہ نہ ہو جیسی اب ہے۔

☆ ○ ☆

Marfat.com

چوتھا باب

مذہب اور سائنس

مذہب اور سائنس میں عداوت

سائنس کی تاریخ کے مطالعہ اور حوالہ سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ مذہب اور سائنس کے درمیان ایک روائتی مخالفت یا عداوت رہی ہے۔ یہ مخالفت محض جھوٹ اور غلط فہمی پر مبنی تھی اور اس عداوت کی کوئی معقول وجہ نہ تھی۔ کیونکہ یہ بے بنیاد تھی اور یہ بات مشاہدہ میں آئی ہے کہ مذہب اور سائنس ایک دوسرے کی مخالفت نہیں کرتے بلکہ ایک اکائی کی مانند ہیں اور دو شاخے دریا کی طرح ہیں جن کا منبع ایک ہے اور ایک ہی سمندر میں جاگرتے ہیں۔ ان کے دائرہ کار اور مقاصد ایک ہی ہیں یعنی سچائی کی تلاش اور مسلمانوں کے نزدیک سب سے بڑی سچائی (Truth) اللہ جل شانہ' کی ذات بابرکات اور اس کی تخلیق کردہ کائنات ہے جس کا ہم ایک ادنیٰ سا حصہ ہیں۔ زمانہ قدیم میں دنیا کی روشنی یا علم دینے کے لیے اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان اور برگزیدہ پیغمبر آتے رہے۔

مذہب اور سائنس کے درمیان عداوت کا علم قرون وسطی میں ہوا (476 تا 453 بعد از مسیح) جب یونانی عالم قسطنطنیہ (موجودہ استنبول' ترکی) سے سارے یورپ میں پھیل گئے اور اپنے ساتھ یونانی تہذیب بھی لے گئے۔ وہاں یورپ کے مذہبی علماء اور اہل کلیسا کے ذہنوں میں ایک مدمقابل یا حریف کا تصور پیدا ہوا اور ان کو یہ فکر شدت سے دامن گیر ہوئی کہ کہیں یہ یونانی عالم ان سے اتھارٹی (اقتدار یا اختیار) اور اثر و رسوخ نہ چھین لیں یا وہ محروم نہ ہو جائیں۔ یہ مذہبی علماء دنیاوی اتھارٹی رکھتے تھے اور نئے نظریات ان کے اثر و رسوخ کے لیے ایک بہت بڑا خطرہ تھا لہٰذا اس طرح مذہب اور سائنس میں مخالفت بلکہ نفرت شروع ہو گئی۔ اس موضوع پر جو کتابیں لکھی گئیں ہیں ان میں اس آویزش جو مذہب اور سائنس کے درمیان تھی کو انگریزی کے لفظ Conflict یا Warfare کے لفظ

Marfat.com

سے منسوب کیا گیا۔ جس کے معنی عداوت، مخالفت یا آویزش ہو سکتے ہیں۔ اس مخالفت کی ایک وجہ یونانی علماء ہو سکتے ہیں لیکن اس کے علاوہ دو اور نظریات تھے جو مذہب اور سائنس کے درمیان آویزش کا باعث بنے ان کی مختصر تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

چارلس ڈارون

انیسویں صدی کے آخر میں ایک برطانوی سائنس دان چارلس ڈارون (1809 تا 1882ء) نے اپنی مشہور زمانہ کتاب انواع کا اصل (Origin of the species)، 1859ء میں شائع کی جس پر مخالف اور موافق لوگوں نے ایک ہنگامہ برپا کر دیا۔ اس بحث میں ٹی۔ ایچ۔ ہکسلے (T.H. Huxley) ڈارون کے حامیوں میں سے تھے اور ایک پادری جس کا نام ولبر فورس تھا مخالفوں کا سرکردہ تھا۔ ڈارون کی دوسری کتاب وراثت یا اولاد انسان (Descent of Man) 1871ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں اس نے انسان کے آباؤ اجداد کا پتہ لگانے کے لیے نظریہ ارتقاء (Theory of Evolution) کا استعمال کیا۔ یہ کتاب عام لوگوں تک بھی پہنچی چنانچہ اس پر اور بھی زیادہ بحث مباحثہ ہوا۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ چند کیمیائی عناصر مثلاً کاربن، آکسیجن، ہائیڈروجن کے کروٹ لینے سے "خلیہ" پیدا ہو گیا جس سے ساری جاندار مخلوق پیدا ہو گئی اور ارتقائی مراحل کے نتیجہ میں انسان پیدا ہو گیا اور یہ کہ آدمی اور بندر کے آباؤ اجداد ایک تھے جہاں سے یہ دونوں الگ الگ راستوں پر چل نکلے وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ اس طرح انسان کی تخلیق قرآن حکیم میں دی گئی تخلیق آدم علیہ السلام کے متصادم تھی نہ صرف قرآن حکیم بلکہ توریت اور انجیل میں بیان کی گئی تخلیق آدم کے متصادم تھی یعنی تمام الہامی کتابوں کے خلاف تھی۔

نظریہ ارتقاء میں خدا کے وجود کا کوئی عمل دخل نہ بتایا گیا تھا۔ اس کتاب نے دنیا بھر میں مادہ پرستی اور ملحدانہ نظریات کی تشہیر کر کے مذہبی لوگوں کے جذبات کو مجروح کیا اور یورپ اور امریکہ میں اہل کلیسا نے عیسائیت کے دفاع اور اس کے وجود کو برقرار رکھنے کے لیے اس نظریہ سے نفرت کا اظہار کیا بلکہ ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ لیکن سائنس دانوں کی اکثریت نے ڈارون کا ساتھ دیا بلکہ اب بھی وہ نظریہ ارتقاء کے قائل ہیں۔ چنانچہ اس نظریہ کے اثرات اور پروپیگنڈے کی وجہ سے یہ سوال پوچھا جاتا تھا کہ دنیا میں جاندار

Marfat.com

مخلوق کی تخلیق ارتقاء کی وجہ سے ہے یا خدا کی وجہ سے۔ یعنی ارتقاء یا خدا۔ یہ بحث عام ہو گئی یعنی نعوذ باللہ خدا کو ہی ارتقاء سمجھنے لگ گئے۔

کارل مارکس کے نظریات

اسی دور میں ایک اور نظریے نے مذہب پر ایک کاری ضرب لگائی اور وہ تھا کارل مارکس (1818ء تا 1883ء) کا نظریہ معاشیات' کارل مارکس ایک جرمن ماہر معاشیات تھا اس نے جو کتاب بہ عنوان "Das Capital" لکھی اس نے یورپ میں موجود سوشلزم اور کمیونزم کے حامیوں کو بہت متاثر کیا اور غریب اور پس ماندہ ملکوں کے عوام کو اور خاص طور پر وہاں کے ذہین اور دانشور طبقہ کو بہت متاثر کیا۔ اس نے سرمایہ داری نظام کی بجائے اشتراکی نظام تجویز کیا۔ اس نظام میں مذہب کے وجود کو ختم کرنے کی سرتوڑ کوشش کی گئی اور مذہب اور خدا کا نام لینا جرم قرار دیا گیا۔ جو مذہبی لوگ تھے وہ مجبور اور بے بس ہو گئے۔ مذہبی اداروں اور کلیساؤں پر تالے لگا دیے گئے۔ روس' چین' اور کئی دوسرے ممالک نے اس نظام کو اپنا لیا- روس نے تقریباً 70 سال تک اس نظام کی تشہیر کی لیکن آخرکار اس ملک کی شکست و ریخت ہو گئی اور اب پھر مذہبی تحریکوں نے زور پکڑ لیا ہے اور وہ مذہبی آزادی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ پولینڈ میں دوبارہ لوگ عیسائیت کی طرف لوٹ آئے ہیں اور گرجا گھروں میں ان کو عبادت کی آزادی ہے۔

کارل مارکس نے اشتراکیت میں مذہب یا خدا کے وجود کو کوئی مقام نہیں دیا چنانچہ یہ نظام بھی الحاد یا ملحدانہ تھا اور مادیت کا علمبردار۔ ایک امریکی مصنف سی ملر (C.Miller) نے اس نظام پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ نظام درحقیقت بھوک کی سیاسیات (Politics of Hunger) تھا۔ چنانچہ یہ نظام بھی مذہب اور سائنس میں عداوت کا سبب بنا کیونکہ اس کو ماننے والوں یا اس نظام کی حمایت کرنے والوں کو "بائیں بازو کے لوگ" کہا جاتا تھا یعنی ایسے لوگ جو بے دین یا لامذہب تھے۔ پاکستان میں ایسے لوگ اب بھی موجود ہیں لیکن اپنے آپ کو سوشلسٹ یا کمیونسٹ' کہنے سے گریز کرتے ہیں اور بہت سارے زیر زمین' چلے گئے ہیں- اشتراکیت کی مخالفت کرنے والوں کو "دائیں بازو کے لوگ" کہا جاتا ہے- قارئین کی معلومات کے لئے کارل مارکس کی کتاب سے چند اقتباسات

پیش کرتا ہوں۔

"اب زیادہ دیر تک تمہیں غریب (Poor) نہیں رہنا پڑے گا۔ ہر جگہ انسان نے ہی انسان کا استحصال کیا ہے اور کرتا آیا ہے تاوقتیکہ ہر انسان کو (اس کی ضرورت کے مطابق) سامان وافر مقدار میں دستیاب نہ ہو"۔

"تم غریب ہو اس لئے نہیں کہ تم نے کوئی ایسا فعل کیا ہے یا کسی فعل کے کرنے میں تم ناکام رہے ہو' نہ ہی تم نے کوئی گناہ کبیرہ کیا ہے اور نہ ہی یہ خدا کی مرضی ہے یا تمہاری قسمت بری ہے۔ تم معاشی اور سیاسی حالات (Conditions) کی وجہ سے غریب ہو۔ ان حالات کو سرمایہ داری نظام کہتے ہیں۔ شروع شروع میں انسان کی تاریخ میں سرمایہ داری نظام ایک بڑی ترقی پذیر قوت تھی اور اس نظام کے تحت انسانوں نے بے پناہ سہولتیں پیدا کیں ان تمام چیزوں کے لئے جن کی ان کو ضرورت تھی"۔

"تم غریب ہو تمہارا استحصال (Exploitation) ہوا ہے اور تمہارا استحصال ہوتا رہے گا جب تک سرمایہ داری نظام کا وجود موجود ہے چونکہ سرمایہ داری نظام اب ایک ترقی پذیر قوت نہیں رہی بلکہ یہ ترقی کے راستے میں ایک رکاوٹ بن گئی ہے اور یہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں داخل ہوتی ہے' پرائیویٹ یا عوامی (پبلک) اور یہ سب کو کرپٹ کرتی ہے۔ یہ سرمایہ داری نظام ہی تو ہے جو تمہارا استحصال کرتا ہے۔ تم کو غریب نہیں ہونا چاہیے (یعنی تم کیوں غریب ہو؟) وہ حالات و اسباب جو تمہیں غریب بناتے ہیں' ان کو تبدیل کیا جانے والا ہے۔ سرمایہ داری نظام کے اندر اس کی اپنی تباہی کے بیج موجود ہیں۔ کیا ہو گا؟ تم ابھی تک اس سے واقف ہو یا نہیں وہ یہ ہے کہ تم ایک انقلاب (Revolution) لاؤ گے۔ جو تم پر حکمران ہیں اور تمہیں غریب رکھتے ہیں ان کو معزول (Over thrown) کر دیا جائے گا۔ انسانی ترقی کے لیے یہ اگلا قدم ہے اور یہ قدم تمہیں اٹھانا ہے۔ اس انقلاب سے تم ہمیشہ کے لیے اس استحصال کو جڑ سے اکھاڑ پھینکو گے جو انسان ہی انسان کا کرتا آیا ہے۔ تم ایک سوشلسٹ سوسائٹی میں داخل ہو جاؤ گے جس میں نوع انسانی فطرت کو تسخیر کرتی ہے اور کبھی بھی کوئی آدمی غریب نہ ہو گا اور نہ اس کو استحصال کی خبر ہو گی۔ پھر اس نے یہ بھی کہا کہ مذہب ایک افیون (Opium) ہے۔ کارل مارکس کے اس پیغام میں بڑی کشش تھی اور اس نے دنیا پر دور رس اثرات چھوڑے

معاشیات یا اقتصادیات سے متعلق قرآنی تصریحات

قرآن حکیم نے جہاں بہت سارے دوسرے انسانی مسائل کا ذکر کیا ہے وہاں معاشیات یا اقتصادیات کے خدوخال کی بھی عمدہ تصویر پیش کر دی ہے اور یہ باتیں آج سے 1400 سال پہلے بتا دی گئیں تھیں- آج کے ماہرین اقتصادیات بڑے بڑے اقتصادی منصوبے بناتے ہیں لیکن غریب ممالک میں غریبی کا علاج نہیں کر سکتے جب کہ اسلام نے اس کا شافی علاج بتا دیا ہے- جو لوگ دولت کمانے اور اس کی تقسیم میں امریکہ اور یورپ والوں کا اتباع کر رہے ہیں اور ان کی اکنامکس (اقتصادیات) پر جان دے رہے ہیں یا کارل مارکس کے معاشی افکار کو اپنی غربت کا علاج تصور کر رہے ہیں وہ اپنے گریبان میں منہ ڈالیں اور سوچیں کہ قرآن حکیم اس بارے میں کیا کہتا ہے اور پہلے مسلمانوں نے اس سے متعلق کیا وطیرہ اختیار کیا تھا' ان کی سمجھ میں آجائے گا کہ بنی نوع انسان کا سچا ہمدرد اور مددگار یہ قرآن مجید اور اس کا اصلاح کردہ مذہب اسلام ہی ہے- ارشاد باری تعالیٰ ہے-

''جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے- ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری دے دے''-

(سورۃ التوبہ 9: آیت 34)

''جو مال بستیوں والوں کا اللہ نے اپنے رسول کی طرف منتقل کیا وہ اللہ کا اور اس کے رسول ؑ کا اور قرابت والوں کا یتیم' مسکین اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ تم میں سے دولت مندوں کے لین دین میں نہ آجائے اور رسول جو تم کو دے دے وہ لے لو اور جس سے منع کرے اسے چھوڑ دو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو- بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے''-

(سورۃ الحشر 59: آیت 7)

پہلی آیت میں ارشاد ہے کہ جو لوگ دولت اکٹھی کرنے کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے (اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کو سنا دے کہ تمہارے لئے بس یہی خوشخبری ہے کہ تم کو ایسا عذاب دیا جائے گا کہ جس کے دکھ درد سے تم چیخنے لگو گے- یہ تو ان لوگوں کی سزا ہے جو حلال کی کمائی سے روپیہ جمع کرتے ہیں اور جو حرام طریقوں

Marfat.com

سے جمع کرتے ہیں ان کو جمع کرنے کا عذاب تو یہی ملے گا لیکن اس کے علاوہ حرام کام اختیار کرنے کی سزا الگ ملے گی۔ روپیہ جمع کرنے کا ہر وہ طریقہ جس سے دوسروں کی حالت بگڑتی ہو یا جس میں کسی کی حاجت یا مصیبت سے بے جا فائدہ اٹھایا جا رہا ہو حرام ہو جاتا ہے۔ اس کو اچھے کاموں پر لگانا چاہیے اور روپیہ کو گردش میں رہنا چاہیے۔ جو شخص مال کو اس کے صحیح مقام سے روک کر جمع کرتا ہے وہ اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتا ہے اور اسی کی سزا پائے گا۔

دوسری آیت میں جو حکم ہے وہ املاک غیر منقولہ کے لئے ہے جیسے زمین اور باغ وغیرہ۔ اور اسی طرح غنیمت غیر منقولہ کا یہ حکم ہے کہ اس کی آمدنی میں سے رسولؐ یا آپ کے نائب حاکم آپ کے قرابت داروں کو خواہ وہ محتاج ہوں یا نہ ہوں دے سکتے ہیں اور عام یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر بھی خرچ کر سکتے ہیں۔ رفاہ عام کے کام بھی اس سے چلیں گے تاکہ سارے لوگوں کی مل جل کر ضروریات پوری ہوں یہ نہ ہو کہ وہ املاک مال داروں کے ہتھے چڑھ جائے اور انہی کے اندر لین دین وراثت وغیرہ کے ذریعے منتقل ہوتی رہیں۔ اور ضرورت مند منہ دیکھتے رہ جائیں۔ اس میں سے جو کچھ رسول یا ان کا نائب اور خلیفہ کسی کو دے دے وہ لے لے اور جس سے وہ روکے اس سے رک جائے۔ مسلمانوں کو ہر وقت اور ہر بات میں اللہ سے ڈر کر اس کی نافرمانی سے بچنا چاہیے ورنہ یاد رکھو اللہ کا عذاب سخت ہے۔

آج کل کے نظام ہائے حکومت جو دنیا میں رائج ہیں ان کے دعوے تو بڑے بڑے ہیں لیکن ہوتا یہ ہے کہ ملک کی آمدنی کا بڑا حصہ ان ہی کے ہاتھ میں آجاتا ہے جو حاکم بن بیٹھے ہیں حالانکہ رعایا کا اکثر حصہ ادنیٰ درجہ کی ضروریات زندگی سے بھی محروم ہے۔ یہ لوگ بڑے دعوے کر کے حکومت سنبھالتے ہیں لیکن آگے چل کر بس یہی کرتے ہیں کہ اپنا گھر بھرلیں اور دوسروں سے کہیں کہ "کماؤ اور ہمیں دو"۔

روپیہ جمع کرنے کا جو طریقہ آج کل رائج ہے جس میں ظلم، تعدی، لوٹ کھسوٹ سب کچھ کرنا پڑتا ہے یہ اسلام کی روح کے خلاف ہے۔ اس سے چند لوگوں کے پاس روپیہ اکٹھا ہو جاتا ہے اور باقی لوگ ضروری چیزوں کو ترستے ہیں ایسے مال سے زکوٰۃ، حج، صدقہ وغیرہ کچھ قبول نہیں ہوتا بلکہ سورۃ توبہ کی آیت 34 کے مطابق آدمی الٹا عذاب کا مستحق

Marfat.com

ہوتا ہے چونکہ اس طریقہ کی تباہی ظلم اور تعدی پر ہوتی ہے۔

قارئین کرام مندرجہ بالا آیات پر غور فرمایئے تو معلوم ہو گا کہ اللہ عزّوجل نے انسانوں کو معاشیات کا منشور بھی دے دیا ہے۔ مسلمان ملکوں کو چاہیے کہ وہ اپنی معیشت کا ڈھانچہ انہی قرآنی تصریحات کے مطابق تیار کریں۔ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے لیکن کتاب کے موضوع کے اعتبار سے مزید بحث کی گنجائش نہیں۔ اب مفکر پاکستان علامہ محمد اقبالؒ کے کارل مارکس کے بارے میں نظریات چند اشعار کی صورت میں حاضر ہیں۔

علامہ اقبال کے نظریات

علامہ اقبالؒ نے ضرب کلیم میں ”کارل مارکس کی آواز“ کے عنوان پر ایک نظم لکھی جو (اس نظام پر) سخت تنقید تھی جس کے دو اشعار مندرجہ ذیل ہیں۔

تیری کتابوں میں اے حکیم معاش رکھا ہی کیا ہے آخر
خطوط خم دار کی نمائش، مریز و کج دار کی نمائش
جہاں مغرب کے بت کدوں میں، کلیساؤں میں مدرسوں میں
ہوس کی خوں ریزیاں چھپاتی ہے عقل عیار کی نمائش

اشتراکیت پر نظم لکھتے ہوئے مسلمانوں سے خطاب کرتے ہیں۔

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلمان
اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار

مندرجہ بالا نظریات بالخصوص نظریہ ارتقاء کے نتیجہ میں سائنس اور مذہب سے متعلق ایک نہ ختم ہونے والی بحث شروع ہو گئی۔ اس موضوع پر یورپی اور امریکی دانشوروں نے کتابیں لکھیں ان میں سے چند ایک کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

1897ء میں ایک امریکی دانشور اینڈریو، ڈکسن وائٹ نے مندرجہ ذیل عنوان پر کتاب لکھی

"A History of the Warfare of Science and Theology in Christendom"

1927ء میں ایک اور امریکی مصنف جان ولیم ڈریپر نے مندرجہ ذیل عنوان پر

Marfat.com

کتاب لکھی

"History of the conflict between Religion and Science"

مذہب اور سائنس میں مفاہمت

1924ء میں ایک برطانوی مصنف' کے۔ جے۔ آرتھر تھامسن نے (Science and Religion) پر ایک کتاب تصنیف کی۔ ان کتابوں میں آخر کار یہی نتیجہ نکالا گیا کہ سائنس اور مذہب میں مخالفت یا آویزش محض غلط فہمی پر مبنی ہے اور دونوں کا مقصد ایک ہی ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ مذہب اور سائنس میں اگر کوئی آویزش تھی تو وہ صرف اصولوں کے مابین نہ تھی۔ ایک طرف یہ اختلاف رائے اصولوں کے مابین تھی اور دوسری طرف ان لوگوں کے درمیان تھی جو اپنی اتھارٹی یا اقتدار کو قائم رکھنا چاہتے تھے۔ مذہب اور اس کی تعلیم و تبلیغ اس میدان جنگ سے باہر تھی۔ مذہبی لوگوں کی جنگ سائنس اور اس کے پیش کرنے والوں سے تھی لیکن مذہب کبھی بھی سائنس کے خلاف نہ تھا اور نہ آیندہ ہو گا۔ مذہب تو معصوم ہے اور اس پر یہ سنجیدہ الزام غلط ہے بلکہ اسے قربانی کا بکرا بنایا گیا۔ آج کے جدید دور میں یہ لڑائی جھگڑا ختم ہو گیا ہے لیکن اس نے بدنما داغ ضرور چھوڑے ہیں۔ اب بھی کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مذہب سائنس کی تعلیم کے پھیلاؤ میں رکاوٹ ہے اور سائنس کی تعلیم کے پھیلاؤ کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ اس الزام میں بھی کوئی سچائی نہیں ہے۔ اگر دونوں میں یعنی مذہب اور سائنس میں کوئی فرق ہے تو صرف یہ ہے کہ مذہب کی بنیاد عقیدہ (Faith) پر ہے اور سائنس تحقیق کی بنیاد کھوج (Investigation) پر ہے۔ آپ مذہب میں یقین کریں یا نہ کریں لیکن مذہب آپ کو اس کے اصولوں سے متعلق بحث سے قطعاً نہیں روکتا۔

الہامی کتب میں بے شمار سائنسی حقائق ہیں لیکن یہ کسی طور پر سائنسی کتب نہیں ہیں نہ ہی یہ پیغمبروں کے فرائض میں شامل تھا کہ وہ لوگوں کو سائنس کی تعلیم دیں۔ لیکن سائنس کے معنی بھی علم کے ہیں اور انہوں نے علم کے حصول پر بہت زور دیا ہے۔ سائنس ایسا علم ہے جو کسی حقیقت کو تجربے اور مشاہدے کے نتائج کی بنیاد پر رد کرتا ہے یا قبول کرتا ہے۔ ان حقائق کو جن کا ذکر ان الہامی کتابوں میں ہے' کو ایک قندیل یا چراغ

Marfat.com

راہ کے طور پر تسلیم کر لینا چاہیے جو ہمیں صراط مستقیم کی طرف بھی رہنمائی کرتے ہیں اور ان کا تعلق روشنی کے مینار (Light House) یا سرچ لائٹس (Search Lights) سے ہے۔ قرون وسطی کا ہم نے ذکر کیا تھا' اس دور میں مذہبی علما ایسے الفاظ یا اصطلاحات کے معانی و مطالب ٹھیک طور پر نہ سمجھ سکے یا ان کے معنی کو غلط سمجھا جو سائنسی حقائق کو بیان کرتے ہیں۔ اور اس طرح ان سے کئی خطائیں سرزد ہوئیں اور ان کی غلط تشریحات ہی اس باہمی آویزش کے پس پشت تھیں۔

انسانی ذہن غلطی کر سکتا ہے اسی لیے سائنسی نظریات و حقائق وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے رہے ہیں لیکن مذہبی حقائق اگرچہ وہ قرون وسطی میں غیر معقول ظاہر ہوتے تھے' آخر میں وہ درست ثابت ہوئے اور انہوں نے اپنی سچائی کو برقرار رکھا ہے۔ قرآنی حقائق اٹل ہیں اور ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ ہو سکتا ہے غلط تشریح کی وجہ سے ہمارے آباؤ اجداد سے فاش غلطی ہوئی ہو لیکن یہ ان کا قطعاً قصور نہیں ہے چونکہ اس زمانے میں ان کا علم محدود تھا اور آگے بڑھنے کے لیے ان کا یہ محدود علم کوئی رہنمائی نہ کر سکا۔ سائنس کا بڑا مقصد تخلیق کے رازہائے پوشیدہ کا کھوج لگانا اور کائنات کے عجائبات کو آشکارا کرنا ہے اور یہ ہماری رہنمائی کرتے ہوئے قادر مطلق پر ایمان کو تقویت دیتی ہے جس نے اس کائنات کو خلق کیا اور اسے قائم رکھے ہوئے ہے۔

کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ سائنس نے ہمارے تمام مسائل کو حل کر دیا ہے یا تخلیق (Creation) کے سربستہ رازوں کو واشگاف کیا ہے۔ جب بھی سائنس نے ایک مسئلے کو ٹچ کیا تو دوسرے متعلقہ مسائل پیدا ہوئے۔ پرانے نظریات نے نئے نظریات کی جگہ لے لی اور پرانے اصولوں کو رد کر دیا گیا لیکن جیسا کہ میں پہلے بھی اس بات کا اظہار کر چکا ہوں کہ مذہبی حقائق کبھی تبدیل نہیں ہوتے اور وہ اتنے مستحکم ہیں جتنے کہ پہاڑ اور وہ نہ ماننے والوں کی مخالفت کے باوجود اپنی جگہ سے نہیں ہلتے اور وہ اتنے مستقل ہیں جتنا کہ قطبی ستارہ۔ (قطبی ستارہ کی مدد سے رات کے وقت سمت معلوم کی جاتی ہے۔ جب تک مقناطیسی قطب نما نہیں بنے تھے جہازراں قطبی ستارے ہی کی مدد سے جہاز کو منزل مقصود تک لے جاتے تھے۔ صحراؤں میں چلنے والے قافلے قطبی ستارہ کی مدد سے سمت معلوم کرتے ہیں۔ یہ ستارہ زمین کے محور کی بالکل سیدھ میں ہے۔ اگر ہم قطب

شمالی پر چلے جائیں تو قطبی ستارہ عین سر کے اوپر دکھائی دے گا جیسا کہ گرمیوں میں خط استوا کے اوپر سورج دوپہر کے وقت ہوتا ہے)۔

سائنس جب اپنے نوزائیدہ دور میں تھی تو اس نے قرآنی حقائق پر شدت سے حملہ کیا لیکن جب اس نے جوانی میں قدم رکھا یعنی خاص ترقی کر لی تو عقلمند ہو گئی اور ان مذہبی حقائق سے مفاہمت کر لی لیکن ابھی کچھ دوری ہے مجھے یقین ہے کہ وہ بہت جلد ختم ہو جائے گی اور مذہب اور سائنس دونوں باہم شیروشکر ہو جائیں گے۔ لہٰذا دونوں میں یہ صلح کا پیغام مکمل ہونے کو ہے اسی طرح جس طرح کبھی مادہ پرستی اپنے عروج پر جا کر اب روحانی (Spirtual) قدروں کی ضرورت محسوس کر رہی ہے۔ یہ دنیا جتنی مادہ پرستی کی طرف جاتی ہے اور جب یہ مزید خوشی اور آرام حاصل نہیں کرتی تو بنی نوع انسان کے مسائل مزید پیچیدہ ہو جاتے ہیں۔

بڑھتی ہوئی مادہ پرستی اسرار پوشیدہ اور کائنات کے سربستہ رازوں کو بیان کرنے میں ناکام ہو چکی ہے اور اس بات سے ہم قائل ہو گئے ہیں کہ کوئی عظیم ہستی موجود ہے جو قادر مطلق، حاضر و ناظر اور علیم و بصیر ہے۔ اس کے ہر لفظ میں سچائی موجود ہے جسے محض ہماری غلط توضیحات نے بگاڑ دیا ہے۔ سائنس ابھی پیغمبروں کے معجزات کے بارے میں کوئی بیان دینے کے قابل نہیں ہے جو کہ تاریخی لحاظ سے سچ ہیں اور کسی بھی لحاظ سے ان کو رد نہیں کیا جا سکتا مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو ان کی قبروں سے اٹھانا، اندھے پن کا علاج، جذام (کوڑھی) فالج اور مرگی جیسے عوارض کا علاج اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کا اژدھا بن جانا اور بنی اسرائیل کے لیے بحیرہ احمر (Red Sea) کے پانی کا دو حصوں میں بٹ جانا، حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہے کا نرم ہو جانا اور ایسے کئی اور معجزات جو دوسرے پیغمبروں سے وابستہ ہیں۔ اس سے ہم بخوبی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اپنی تمام کاوشوں اور پیش رفت کے باوجود سائنس کا قد ابھی بہت چھوٹا ہے اور ہم یہ فیصلہ بھی کر سکتے ہیں یا یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ کچھ آفاقی تصورات ہیں جسے انسان سمجھنے سے قاصر ہے خواہ وہ کتنی ہی مغز ماری کرے اور پھر انسان کے ذہنی ادراک کی بھی ایک حد ہے لہٰذا یہ بڑی حیران کن بات ہے کہ ہم تک علم رسانی کے دو ذرائع یعنی مذہب اور سائنس کے درمیان کوئی عداوت ہو۔ اسلام کی طویل تاریخ میں ایسی کسی عداوت کا

Marfat.com

کوئی ذکر نہیں ملتا چونکہ اسلام نے سائنس (علم) کی اہمیت کو ہمیشہ اجاگر کیا ہے۔ اسلام نے سائنس کی قدرو منزلت میں بہت اضافہ کیا ہے۔ اس نے منطق اور سائنس پر دارو مدار رکھا ہے۔ قرآن حکیم نے اور نبی کریم ﷺ کی احادیث سے واضح ہے کہ جاہل لوگوں کے مقابلے میں ہمیشہ پڑھے لکھے اور اہل علم کو ترجیح دی ہے۔ پہلی وحی الٰہی جو پیغمبر اسلام پر نازل ہوئی اس میں کسی قسم کے مذہبی فریضہ کی بات نہیں کی گئی۔ یہ حکم خداوندی ہے اپنے رسول کو کہ وہ "پڑھے"۔ پہلی وحی الٰہی کی چند آیات مندرجہ ذیل ہیں۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝

ترجمہ: (پڑھیے اپنے رب کے نام سے جو سب کا بنانے والا ہے۔ اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے بنایا۔ پڑھیے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا۔ آدمی کو وہ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا")۔

(سورۃ العلق 96: آیت 1 تا 5)

مندرجہ بالا آیات میں لفظ "پڑھیے" پہلا لفظ ہے جو عالم بالا سے پیغمبرؑ اسلام پر نازل ہوا۔ اس حکم میں (یا ارشاد ربانی میں) پڑھیے کا لفظ دو دفعہ دہرایا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے لکھنے کے فن کو بڑی اہمیت دی ہے۔ "پڑھیے" کے الفاظ جو حضور ﷺ سے کہے گئے ہیں درحقیقت تمام مسلمانوں سے کہے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں لفظ قرآن بھی لفظ "اقراء" سے ماخوذ ہے اور یہ اس کا مصدر ہے۔ حضور ﷺ کی احادیث بھی واضح طور پر ظاہر کرتی ہیں کہ اسلام نہ صرف علم (سائنس) کی حوصلہ افزائی کرتا ہے بلکہ اسے بہت ہی اونچے مقام پر رکھتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا "علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے"۔ یہ ایک فریضہ ہے جس پر عمل پیرا رہنا چاہیے اور جو اسے نظرانداز کرتا ہے وہ گنہگار ہو گا۔ علم کا حصول موت تک جاری رہنا چاہیے اور اسے کسی بھی صورت میں ملتوی نہ رکھا جائے پیغمبرؑ اسلام نے فرمایا۔

Marfat.com

(الف) مہد سے لحد تک علم حاصل کرو، (یعنی پنگوڑے سے قبر تک علم حاصل کرو)

(ب) علم کی تلاش میں چین بھی جانا پڑے تو جائیے۔

آپ ؐ نے مزید فرمایا

(الف) عالم یا اہل علم پیغمبروں کے وارث ہوں گے

(ب) وہ شخص جو علم کا راستہ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی جنت کے راستہ کی طرف رہنمائی فرمائے گا۔

قرآن حکیم میں علم کی بڑی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے جو مندرجہ ذیل آیات سے واضح ہے۔

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○

ترجمہ: "اللہ ان کے لیے جو تم میں سے ایمان رکھتے اور علم رکھتے ہیں ان کے درجے بلند کرے گا اور اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو"

(سورۃ المجادلہ 58: آیت 11)

اور نبی کریم ﷺ سے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ دعا کیا کریں

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ○

ترجمہ: (اور کہیے پروردگار، مجھے اور زیادہ علم دے (یعنی زیادہ سوجھ بوجھ عطا کر)

(سورۃ طٰہٰ 20: آیت 114)

پیغمبر اسلام کے ارشادات (احادیث) سائنس اور سائنس دانوں کے لیے بڑی توقیر رکھتے ہیں اور قرآن حکیم میں ایسی بے شمار آیات ہیں جو افضل علم کے لیے انعام و اکرام کے انتظار سے متعلق ہیں۔

مشہور خلیفہ ہارون الرشید اور اس کے جانشینوں کے دور میں اہل علم کی بڑی قدر و منزلت ہوتی تھی اور ان کو بہت عطیات دیئے جاتے تھے جنہوں نے یونانی فلسفیوں

کی نگارشات کو عربی زبان میں منتقل کیا۔ دنیا میں تمام مسلمانوں نے ان میں بڑی دلچسپی لی اور ان پر کسی قسم کا قدغن نہ لگایا گیا بلکہ اس کے برعکس ان کی حوصلہ افزائی کی گئی اور خوش آمدید کہا گیا جیسا کہ اسلام سے توقع ہے چونکہ اسلام کی تو روح ہی سائنسی ہے۔ قرآن حکیم اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ یہ سائنس (علم) کی کیوں اتنی عزت کرتا ہے (یا عزت دیتا ہے) اور اس میں ارشاد ہوتا ہے کہ وہ جو اللہ سے ڈرتے ہیں وہ علم رکھتے ہیں یا زیادہ سوجھ بوجھ رکھتے ہیں۔

مسلمانوں کی مساجد محض خدا کی عبادت کے لیے ہی مخصوص نہیں ہیں جیسا کہ عیسائیوں کے گرجا گھر اور یہودیوں کے سناگاگ (Synagogues) ہیں۔ وہ ابتدائی وقتوں میں بھی اور آج کے جدید دور میں بھی "لیکچر ہال" یا سکول کے طور پر استعمال ہو رہی ہیں اس کی بڑی مثال مصر میں جامعتہ الازہر ہے جو دنیا کی مشہور دینی درسگاہ ہے اور طلباء سے ہر وقت بھری رہتی ہے۔ عام طور پر کسی مشہور مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ اور لائبریری ہوتی ہے اور پاکستان میں مشہور مساجد میں یہ موجود ہیں۔

قرآن حکیم میں سائنسی حقائق

قرآن حکیم میں بہت سارے سائنسی حقائق کا ذکر ہے بلکہ یہ سائنسی حقائق سے بھرا ہوا ہے اور پھر ان حقائق کو بیان کرنے کے لیے یہ نہایت ہی سادہ زبان استعمال کرتا ہے۔ اس کا سائنسی طرز بیان بہت صاف اور واضح ہے مگر جامع اور مختصر۔ پہلے مسلمانوں کو ان حقائق کی ضرورت نہ تھی جو کہ مذہبی فضا کی وجہ سے تھا۔ وہ اتنے نیک اور اپنے آپ میں اتنے مگن رہتے تھے کہ انہوں نے دنیاوی باتوں کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ جوں جوں وقت گذرتا گیا مفسرین قرآن نے ان سائنسی حقائق کی تشریح ایک گول مول طریقے سے کرنے کی کوشش کی تاکہ کسی قسم کی غلط فہمی پیدا نہ ہو جیسا کہ انہوں نے دیکھا کہ ان کے ظاہری معنی اس سے اتفاق نہیں کرتے جو وہ پہلے جانتے تھے یا دیکھ چکے تھے اس لئے انہوں نے ان کی غلط تشریح کی۔ ان حقائق میں سے کچھ حقائق تو اتنے واضح ہیں کہ ان کی قطعاً تشریح و تصریح کی ضرورت بھی نہیں لیکن مفسرین نے ان کو مختلف معنی پہنائے اور بات زیادہ پیچیدہ کر دی گئی۔ ان کی تشریح کے بغیر بھی معنی و مطالب بہت واضح ہو جاتے

Marfat.com

ہیں اور سائنس نے 1400 سال بعد جو حیران کن حقائق دریافت کئے ہیں ان حقائق کو بہت پہلے جان جاتے۔ لیکن اس میں ان کا کوئی قصور نہیں۔ ایسا انہوں نے جان بوجھ کر نہیں کیا۔

نہ صرف اسلام سائنس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے بلکہ دوسرے مذاہب کی الہامی کتب بھی۔ مثلاً عیسائیت اور توریت بھی۔ سینٹ جون کے مطابق بائبل (نئے عہد نامہ (New Testament) میں جو افتتاحی (Opening) الفاظ تھے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

"In the beginning was the word and the word was with God and word was God"

ترجمہ: ابتداء میں "لفظ" تھا اور لفظ خدا کے پاس تھا اور لفظ خدا تھا' یوحنا کی انجیل باب 1 آیت 1-

اب اس کی معقول توضیح تو یہی ہو سکتی ہے کہ لفظ (Word) سے مراد "علم" ہے اور یہ کوئی دوسری چیز نہیں ہو سکتی چنانچہ مندرجہ بالا آیت کا مطلب ہے کہ "شروع میں علم تھا اور علم خدا کے پاس تھا اور تمام علم کا منبع و ماخذ خدا کے پاس تھا"۔

اللہ تعالیٰ کے رسولوں کا بڑا کام کیا تھا؟ یہ تھا کہ وہ عالم بالا سے علم کو زمین پر لائیں تاکہ وہ زمین پر رہنے والوں کو روشنی (علم) دیں جو تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ان کا پیغام تھا کہ وہ اپنے آپ کو پہچانیں اور دنیا کو جس میں وہ رہتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگرد ان کو ماسٹر یا ٹیچر کے نام سے بلاتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔ اساتذہ کرام دنیا میں قابل احترام لوگ ہیں۔ جوں جوں علم آسانی سے دستیاب ہونا شروع ہو گیا تو پھر عالم بالا سے زمین پر پیغمبر آنے بند ہو گئے یعنی ان کی آمد کا سلسلہ بند ہو گیا لیکن اس سے پہلے نہیں جب تک کہ ہمارے پاس اتنا علم نہ ہو گیا کہ جس سے ہم استفادہ کر سکیں۔ انہوں نے ہمارے لیے کیا چھوڑا ہے؟ الہامی کتابیں جو علم کی مفتاح (کنجی) ہیں۔ پھر بھی ہم کہتے ہیں کہ مذہب اور سائنس عداوت پر ہیں۔ یہ محض دروغ گوئی ہے۔ آسمانی کتابوں نے ہم میں کائنات کے عجائبات کے بارے میں تحریک پیدا کی ہے کہ ہم ان کے بارے میں غور و فکر کریں یا سوچیں جو کہ ہمارے لیے تخلیق کیے گئے ہیں۔ نتیجتاً یہ کتابیں (الہامی) ہی ہیں جنہوں نے علم (سائنس) کی بنیاد رکھی۔ وہ اب بھی ہمارے

Marfat.com

لیے رہبر ہیں اور ہم محسوس کرتے ہیں کہ وہ ناگزیر ہیں چونکہ یہ ہماری رہنمائی کے لیے یقیناً ضروری ہیں یعنی صراط مستقیم کے لیے جب ہم اس سے منحرف ہوتے ہیں یا روگردانی کرتے ہیں۔

حاصل کلام

حاصل کلام یہ ہے کہ مذہب اسلام اور سائنس میں کبھی عداوت نہیں رہی اور نہ شاید آیندہ ہو گی۔ قران حکیم سائنسی جستجو اور تحقیق کی تلقین کرتا ہے اور اپنے لاثانی اور آفاقی اسلوب بیان سے لوگوں میں تحریک پیدا کرتا ہے کہ وہ تخلیق (Creation) کے راز دریافت کریں۔ یہاں چند آیات کی مثال دیتے ہیں جو سورۃ الغاشیہ 88 کی آیات 17، 18، 19 اور 20 ہیں جن کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ (پہلے باب میں بھی آپ ان آیات کا مطالعہ فرما چکے ہیں)۔ ارشاد ربانی ہے۔

(آیت 17۔ کیا انھوں نے یہ غور نہیں کیا کہ اونٹوں کو کیسے بنایا گیا ہے)

آیت 18۔ اور آسمانوں کو کیسے بلند کیا گیا ہے؟

آیت 19۔ اور پہاڑوں کو کیسے قائم کیا گیا ہے؟

آیت 20۔ اور زمین کو کیسے بچھایا گیا ہے؟

قرآن حکیم میں ایسی آیات کی بہتات ہے جن میں لوگوں سے کہا گیا ہے کہ وہ خود غور کریں اور کائنات کے راز کھولنے کے لئے اپنا دماغ استعمال کریں اور ایسا کرنے سے یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کرشمے دیکھنے سے اور کائنات کی نمایاں چیزوں پر غور کرنے سے ہو سکتا ہے کہ اللہ عزوجل کی قدرت کا کچھ اندازہ ہونے سے اللہ پر ان کا ایمان واعتقاد پختہ ہو جائے۔

☆ ○ ☆

Marfat.com

پانچواں باب

قرآن اور فلسفہ ارتقائے حیات

نظریہ ارتقاء

گذشتہ باب میں برطانوی ماہر موجودات اور تاریخ طبیعی کے ماہر چارلس ڈارون کے نظریہ ارتقاء کا حوالہ دیا گیا تھا۔ اس باب میں اس نظریہ یا فلسفہ ارتقاء کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا جائے گا تاکہ سائنس سے ناواقف قاری بھی اس کی مبادیات سے آگاہ ہو جائے۔ ایک بات ذہن نشین کر لیجئے کہ ڈارون ارتقاء کے تصور کا خالق نہ تھا بلکہ ڈارون سے پہلے کئی فلسفیوں اور سائنس دانوں کے تخلیق کے بارے میں تقریباً تقریباً وہی نظریات تھے جو ڈارون کے تھے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ڈارون نے اپنے نظریات کو اپنی دو کتابوں بہ عنوانات "اصل انواع" اور "وراثت انسان میں" پر اعتماد، جامع اور مربوط طریقہ سے پیش کیا مگر اس کے نظریات کو موجودہ صدی سے قبل عالمگیر شکل میں اپنایا نہ گیا اور انگلستان اور فرانس کے مذہبی حلقوں میں بڑی مخالفت ہوئی مگر آج کے سائنس دانوں نے جن میں بالخصوص ماہر فلکیات، ارضیات اور حیاتیات شامل ہیں اس عقیدہ کو اپنایا ہوا ہے اور اپنی نگارشات میں اسے خصوصی مقام دیتے ہیں اگرچہ اب بھی دنیا کی مختلف سائنسی تجربہ گاہوں میں ارتقاؤ انواع کے طریقوں اور ذرائع پر بڑی تحقیق ہو رہی ہے چونکہ کئی سربستہ راز ابھی تشنہ تحقیق ہیں۔

"نظریہ ارتقاء کا خلاصہ یہ ہے کہ موجودہ زندگی کی ابتدا ایک خلیہ واحدہ (Single Cell) سے ہوئی جس کو پروٹو پلازم کہتے ہیں پھر اس سے ایک طویل عرصہ تک ارتقاء کے بعد ادنیٰ مخلوق سے اعلیٰ مخلوق ظہور پذیر ہوئی یہاں تک کہ لاکھوں سال کے ارتقاء (Evolution) کے بعد انسان کا ظہور ہوا۔ پیشتر اس کے کہ ہم ارتقاء کے بارے میں مزید بحث کریں یہ بتانا ضروری ہے کہ زمین کیسے تخلیق ہوئی؟ یہ کونسی جگہ ہے؟ ہم

Marfat.com

کہاں ہیں؟

یہ کونسی جگہ ہے؟ ہم کہاں ہیں؟

یہ ایسے سوالات ہیں جو ہر ذی شعور (انسان) کے ذہن میں صدیوں سے آتے رہے ہیں اور آج بھی اس کے ذہن میں ابھرتے رہتے ہیں۔ شاید یہ بات آپ کے علم میں ہے یا نہیں کہ ایک خوردبینی مخلوق ہے (جسے صرف خوردبین سے ہی دیکھ سکتے ہیں) آپ کی آنکھوں کی پلکوں یا مژگان کی جڑوں میں رہتی ہے جسے حیاتیات کی اصطلاح میں ڈیموڈیکس فالی کولورم (Demodex Folliculorum) کا نام دیا گیا ہے۔ یہ بات سن کر آپ مت گھبرائیے کیوں کہ یہ مخلوق بالکل بے ضرر ہے۔ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتی۔ یہ خورد بنی مخلوق 90 فی صد صحت مند افراد کی پلکوں میں رہتی ہے۔ زندہ رہنے کے لیے یہ بڑی تگ و دو میں مصروف رہتے ہیں۔ وہ جنسی اختلاط کرتے ہیں' انڈے دیتے ہیں' انڈے سیتے ہیں' بچے پیدا کرتے ہیں اور ہماری پلکوں کی جڑوں میں نہایت ہی چھوٹی جگہوں میں مرجاتے ہیں مگران کی نسل جاری رہتی ہے۔ اس مخلوق میں سے بعض تو بڑی مشہور جگہ پر رہتے ہیں مثلاً ملکہ انگلستان کی پلکوں میں' کسی پرکشش شخصیت کی مالک فلم سٹار کی پلکوں میں یا کسی مشہور کھلاڑی کی پلکوں میں یا پھر کسی غریب آدمی کی پلکوں میں۔ مگر یہ نا چیز حیوانات اپنے آپ یعنی خود سے آگاہ نہیں ہیں اور وہ یہ کہنا بند نہیں کرتے "یہ کونسی جگہ ہے؟ ہم کہاں ہیں؟" بنی نوع انسان زیادہ ذہین ہے وہ سوچ سکتی ہے کہ "کائنات میں ہم کہاں ہیں؟ اور ہم یہاں کیسے آئے ہیں؟"۔ چنانچہ فلسفہ ارتقاء کو بیان کرنے سے پہلے یہ بیان کریں گے کہ زمین کیسے وجود میں آئی جہاں ہم صدیوں سے بسیرا کیے ہوئے ہیں۔

زمین کی تخلیق

ہم سب انسانوں کا نظریہ ہے جو اللہ تعالیٰ جل شانہ' کو مانتے ہیں کہ یہ زمین اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ قرآن حکیم میں کئی آیات ہیں جو اس نظریے کی تصدیق کرتی ہیں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے!

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ

Marfat.com

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ

ترجمہ: بے شک تمہارا رب اللہ ہے۔ جس نے آسمان اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا۔ پھر عرش پر قائم ہوا۔

(سورۃ اعراف 7: آیت 54)

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ زمین خدا نے پیدا کی۔ اسی طرح قرآن حکیم میں مزید آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین پر زندگی کا آغاز اسی ذات کے حکم سے ہوا مگر مذہب ہمیں یہ نہیں بتاتا کہ زمین کب معرض وجود میں آئی اور اس وقت سے لے کر آج تک اس پر کون کون سی تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں۔ اس سلسلہ میں سائنس دانوں نے جو نظریات پیش کیے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

سر جیمز جینز کا نظریہ (1877ء تا 1946ء)

اب تک جتنی آراء یا نظریات پیش ہو چکے ہیں ان میں سے ایک اہم نظریہ سر جیمز جینز (Sir James Jeans) کا ہے جو کہ مشہور ماہر فلکیات تھا مگر اس کی حقیقت اب افسانوی معلوم ہوتی ہے اور جدید علم النجوم (Astronomy) کی کتب میں اس کا سرے سے ذکر نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ موجود سائنس دانوں نے اسے رد کر دیا ہے۔ تاہم سر جیمز جینز کا اہم مضمون (The Dying Sun) انگریزی ادب کے لحاظ سے کالجوں کے طلبا و طالبات کے لیے تالیف شدہ انگریزی زبان کی ٹیکسٹ بک میں عموماً شامل ہوتا ہے۔ اس مضمون کے چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں جو یقیناً قارئین کے لیے دلچسپی کا باعث ہوں گے۔ سر جیمز جینز رقمطراز ہے کہ

"کائنات میں کروڑوں کے حساب سے ستارے ہیں اور یہ خلا میں مختلف سمتوں میں محو گردش ہیں۔ مضمون میں انگریزی کے الفاظ (About Wandering) آئے ہیں جس کے معنی "ادھر ادھر گھوم رہے ہیں"۔ کچھ ستارے ٹولیوں کی صورت میں اور کچھ اکیلے اکیلے گھومتے ہیں اور وہ کائنات میں اس طرح سفر کرتے ہیں کہ یہ بہت ہی شاذ و نادر واقع ہوتا ہے کہ کوئی ایک ستارہ دوسرے ستارے کے بہت نزدیک چلا جائے لیکن ہم یقین کرتے ہیں کہ دو ارب سال (دو ہزار ملین سال) یہ نایاب واقعہ رونما ہوا اور ایک

Marfat.com

ستارہ خلا میں آوارہ گردی کرتے ہوئے اتفاقاً سورج کے قریب آگیا۔ جس طرح سورج اور چاند زمین پر مدوجذر کی لہریں یا موجیں (Tidal Waves) پیدا کرتے ہیں بالخصوص سمندروں کے پانیوں میں اسی طرح دوسرے ستارے نے سورج کی سطح کے اوپر مدوجذر کی لہریں اٹھائی ہوں گی لیکن وہ لہریں ان لہروں سے مختلف ہوں گی جو کہ مادے کی چھوٹی مقدار میں رکھنے والا چاند زمین پر ہمارے سمندروں میں اٹھاتا ہے۔ وہ ایک بہت بڑی لہر تھی جو سورج کی سطح کے اوپر سفر کر گئی جس نے آخر کار سورج کی سطح پر مادے کا اتنا اونچا پہاڑ پیدا کر دیا جس کا اندازہ کرنا ہمارے لیے ممکن نہیں۔ جونہی اس ہیجان یا مدوجذر کی لہر کا سبب (یعنی ستارہ) سورج کے نزدیک تر ہوتا گیا یہ پہاڑ اونچے سے اونچا ہوتا گیا اور پیشتر اس کے کہ دوسرا ستارہ دوبارہ واپس حرکت کرتا اس کی مدوجذر کی کشش اتنی قوت پذیر ہو گئی کہ یہ پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور اس کے چھوٹے بڑے ٹکڑے خلا میں بکھر گئے اور وہ اس وقت سے لے کر آج تک سورج کے گرد محو گردش ہیں۔ یہ چھوٹے بڑے ٹکڑے کیا ہیں؟ یہ سیارے ہیں چھوٹے اور بڑے اور ان میں سے ایک ٹکڑا ہماری زمین ہے۔ (حاصل کلام یہ ہے کہ ہماری زمین سورج سے ٹوٹا ہوا ایک ٹکڑا ہے)۔

سر جیمز جینز زندگی کی پیدائش کے بارے میں بھی لکھتا ہے کہ شروع میں زمین انتہائی گرم تھی اور اس پر ہر قسم کی زندگی ناممکن تھی۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ زمین ٹھنڈی ہو گئی۔ جب وہ ٹھنڈی پڑ گئی تو پھر اس پر زندگی کا ظہور ہوا لیکن ہم نہیں جانتے کہ کیسے ہوا؟ کب ہوا؟ ایسا کیوں ہوا؟ (ممکن ہے) یہ سادہ عضویہ (Organism) سے شروع ہوئی جس کی زندہ رہنے کی قوت محض اس کے مرنے سے قبل دوبارہ پیدا کرنے میں مضمر تھی۔ اس ادنیٰ زندگی کی شروعات سے زندگی کی ریل پیل شروع ہوئی جو پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتی گئی اور آخر میں ایسی مخلوق (یعنی انسان) وجود میں آئی جن کی زندگیاں زیادہ تر ان کے احساسات اور خواہشات پر مرکوز ہیں اور ان کی حسن و جمال کی حس پر اور مذہب پر جس میں ان کی بلند امیدیں اور نیک خواہشات ہیں۔

سر جیمز جینز کے نظریے کے بارے میں چند باتیں قابل غور ہیں۔ یہ نظریہ بھی ایک مفروضے پر مبنی ہے مگر اپنے زمانے میں یہ بہت اثر آفرین اور معقول تھا مگر اس میں چند خامیاں اس کی اہمیت اور عالمگیرانہ مقبولیت کو کم کر دیتی ہیں۔ اس نے اپنے مضمون

Marfat.com

میں ایک فقرہ لکھا ہے جو قابل غور ہے۔

"That an other star wandering blindly through space, happened to come near the sun"

اس جملے پر غور کریں تو اس میں انگریزی کے الفاظ "Wandering Blindly" کے اردو میں لغوی معنی ہیں ادھر ادھر اندھا دھند گھومنا یا بھٹک جانا یا بہک جانا مگر آج یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ تمام ستارے اور سیارے بلکہ تمام فلکی اجسام اپنے اپنے مداروں میں گھوم رہے ہیں یعنی خلاء میں سفر کے لیے ان کے راستے مقرر ہیں۔ یہی بات قرآن حکیم کی ایک آیت میں بیان فرما دی گئی ہے۔

☆ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ○

ترجمہ: وہ قادر مطلق جس نے رات اور دن، سورج اور چاند کو پیدا کیا سب ایک ایک دائرے میں تیر رہے ہیں۔

(سورۃ انبیاء 21: آیت 33)

اس طرح اور بھی آیات میں مثلاً

☆ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ○

"اور خدا نے تمہارے فائدے کے لیے چاند اور سورج کو مسخر بنایا جو ہر وقت چلتے رہتے ہیں"

(سورۃ ابراہیم 14: آیت 33)

☆ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ ۗ

"اور اللہ نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو اپنی قدرت کا مسخر بنایا۔ اور ستارے اس کے حکم سے مسخر ہیں"

(سورۃ نحل 16: آیت 12)

Marfat.com

وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ○

ترجمہ: "اور ستاروں سے بھی لوگ رستے معلوم کرتے ہیں"

(سورۃ نحل 16: آیت 16)

ان تمام آیات سے ظاہر ہے جن راستوں پر اللہ تعالیٰ نے ان کو مقرر کر دیا ہے اسی پر سفر کرتے ہیں اور پھر لوگ (عرب کے بدو) ریگستان میں سفر کرتے ہوئے ان ستاروں کو دیکھ کر رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ اگر ستارے اپنی اپنی مقررہ راہ سے ہٹ جائیں بقول سر جیمز جینز خلا میں آوارہ گردی اختیار کر لیں تو لوگ اپنے مخصوص ستاروں سے رات کے وقت رہنمائی کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟۔ صاف ظاہر ہے ستارے بھٹکتے نہیں اور اپنے اپنے مداروں میں تیر رہے ہیں۔ "سائنس دان تو آج بتا رہے ہیں کہ تمام اجرام فلکی اپنے اپنے مداروں میں تیر رہے ہیں مگر قرآن حکیم نے آج سے 1400 سال پہلے اس حقیقت سے آگاہ کر دیا تھا۔ چنانچہ یہ نظریہ قرآن اور جدید سائنس دونوں کے حوالہ سے اپنی اہمیت کھو بیٹھا ہے اور اب علم فلکیات میں محض ایک تاریخی حوالہ کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ سورج اور اس دوسرے ستارے کے ٹکراؤ کو ایک اتفاق کہا گیا ہے مگر ایسے حالات بہت کم بنتے ہیں۔ یہ بھی اس نظریے کی سب سے بڑی خامی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اگر یہ ستارہ آج سے دو ارب سال پہلے سورج کے قریب آگیا تھا تو اتنا طویل عرصہ گذرنے کے بعد ایسا واقعہ دوبارہ کیوں پیش نہیں آیا؟ اگر خدانخواستہ کوئی ستارہ آوارہ گردی کرتے ہوئے سورج کے محض قریب آنے کی بجائے اس سے ٹکرا جائے تو نظام شمسی کے تباہ ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہے اور عین ممکن ہے کہ نظام شمسی کے تباہ ہونے سے کائنات میں انہدام کا پروسیس شروع ہو جائے اور قیامت کا ظہور ہو جائے۔ مگر ایسا ممکن نظر نہیں آتا چونکہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو اپنے حکم سے مسخر کیا ہوا ہے اور اس عظیم ذات کے حکم کے بغیر ایسا ہونا ناممکن ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ

وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ○

ترجمہ: "نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے اور دونوں ایک ایک دائرے میں تیر رہے ہیں"

(سورۃ یٰس 36: آیت 40)

مندرجہ بالا آیت کریمہ سے بھی ظاہر ہے کہ ایسا ہونا ناممکن ہے لیکن اگر اس بات کا اطلاق صرف سورج اور چاند پر ہے دوسرے ستاروں پر نہیں تو پھر کائنات میں بے شمار حادثات ہو سکتے ہیں اور سب سے بڑا حادثہ تو قیامت کا ہی ہو گا جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ مزید مطالعہ کے لیے مصنف کی کتاب "کائنات اور اس کا انجام" کا مطالعہ فرمائیں۔

زمین کی تخلیق کا جدید نظریہ

اس نظریے کو انگریزی میں (The Solar Nebula) یعنی شمسی سحابیہ کا نظریہ کہتے ہیں۔ نیبولہ کے معنی سحابیہ یا بادل کے ہیں۔ اس نظریہ کے مطابق سائنس دانوں کو یقین ہے کہ نظام شمسی گردو غبار اور گیس کے بادل سے شروع ہوا جو آہستہ آہستہ سکڑنے سے جامد (Compact) ہو گیا اور گردش کرنے لگا اور گیس کا وہ ٹکڑا جو مرکز میں تھا وہ روشن ہو گیا اور بادل کے چھوٹے ٹکڑے پیدا ہوئے اور اس مرکزی ٹکڑے کے گرد حلقہ بگوش ہو گئے یا اس کے گرد گھومنے لگ گئے۔ مرکزی ٹکڑا سورج بن گیا اور بیرونی ٹکڑے سکڑے اور سیاروں کی صورت میں سخت ہو گئے۔ آخر کار ایک نظام شمسی ابھرا۔ ان سیاروں میں سے ایک ہماری زمین ہے۔ چونکہ بادل (Nebula) ایک قرص (ٹکیہ) کی مانند تھا چنانچہ زمین اور دوسرے سیاروں کے مدار بھی اسی افقی سطح میں پائے جاتے ہیں اور شمسی نظام کی گردش بھی ایک ہی سمت میں ہے یعنی گھڑی کی رفتار کے برعکس یعنی وہی گردش کی سمت ہے جس سمت میں نظام شمسی کا بادل گردش کر رہا تھا۔

مزید ایک بات اور بتائی جاتی ہے کہ جونہی سورج ایک چمکدار اور روشن شے بن گیا تو پھر اس کی روشنی اور شمسی آندھیوں نے باقی ماندہ میٹیریل کو بہت دور دھکیل دیا تھا۔ جونہی نظام شمسی نے ملبہ (Debris) کی صفائی کی تو اسی وقت سیارے بننے کا عمل بھی مکمل ہو گیا۔ چنانچہ ہماری زمین جس پر ہم صدیوں سے بسیرا لیے ہوئے ہیں انہی سیاروں میں

سے ایک سیارہ ہے اور جس بادل نے سورج بنایا اسی بادل کے ایک چھوٹے ٹکڑے نے زمین بنا ڈالی۔ جو عناصر سورج کے مادے میں پائے جاتے ہیں وہی عناصر زمین اور دوسرے سیاروں میں موجود ہیں۔

انسانی جسم کس مادے سے بنا ہے؟

اب سائنس دان عظیم دھماکہ کے نظریے پر یقین رکھتے ہیں جسے انگریزی میں بگ بینگ (Big Bang) کہتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ ساری کائنات کی تخلیق عظیم دھماکہ سے شروع ہوئی۔ اس دھماکہ کے چند منٹوں بعد ہی وہ مادہ معرض وجود میں آگیا تھا جس سے آپ کا (یعنی انسان کا اور دوسرے حیوانات کا بھی) جسم بنا ہے۔ دھماکہ سے پروٹان' نیوٹران' الیکٹران اور دوسرے ذرات پیدا ہوئے جو گیما شعاعوں کی توانائی کی صورت میں تھے اور جب کائنات کی عمر صرف تین منٹ تھی تو یہ ایٹمی ذرات ایٹمی مرکزوں کی صورت میں آپس میں مل گئے۔ یعنی ان ایٹمی ذرات نے مل کر ایٹم بنا دیئے۔

عظیم دھماکہ سے جو مادہ خارج ہوا اس کا 25 فیصد تو ہیلیم عنصر بن گیا جو ایک بے عمل عنصر ہے اور آپ کے جسم میں موجود نہیں ہے مگر دھماکے کا زیادہ تر مادہ تو انفرادی پروٹونوں پر ہی مشتمل رہا جو کہ ہائیڈروجن ایٹموں کے مرکزے تھے۔ کائنات میں آج بھی اس مادے کا 75 فی صد ہائیڈروجن گیس ہے اور پانی میں بھی ہائیڈروجن شامل ہے جو کہ آپ کے جسم میں موجود ہے۔ جب سے عظیم دھماکہ ہوا ہے ہائیڈروجن کے مرکزے (Nuclei) ابھی تک جوں کے توں قائم ہیں۔

عظیم دھماکہ کے ایک ارب سال کے اندر اندر اسی مادے سے ہماری کہکشائیں وجود میں آگئیں جو تخلیق شدہ ستاروں پر مشتمل ہیں باالفاظ دیگر ستارے وجود میں آگئے۔ ستاروں کے اندر رونما ہونے والے نیو کلیر ادغام (Fusion) نے ہیلیم اور ہائیڈروجن کی نسبت بھاری عناصر کو جنم دینا شروع کر دیا جو درحقیقت پروٹونوں اور نیوٹرانوں کے مل کر نئی شرکت اختیار کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہوئے۔ ان بھاری عناصر میں کاربن' نائٹروجن اور آکسیجن ہیں جو آپ کے جسم کے لیے نہایت ضروری ہیں' اور کیلسیم بھی جو کہ آپ کی ہڈیوں میں موجود ہے اور آئرن (لوہا) بھی شامل تھا جو کہ انسانی جسم میں بھی شامل ہے

Marfat.com

(انسانی خون میں اس کی مقدار ایک حد تک نہایت ہی ضروری ہوتی ہے)۔

نیو کلیر ادغام یا امتزاجات (Fusions) ستاروں کی کئی پشتوں میں ہو رہے ہیں۔ آئرن سے بھاری عناصر کی تخلیق بڑی سرعت سے ہوئی جو کہ عظیم نو تاروں کے دھماکوں سے ہوئی مگر یہ عناصر انسانی جسم کے لیے اتنے ضروری نہیں ہیں جتنے کے ہلکے عناصر یا لوہا وغیرہ لیکن لوہے سے بھاری عناصر میں سے بعض مثلاً آیوڈین ہے جو کہ آپ کے غدہ درقعیہ (Thyroid Gland) میں موجود ہے وہ آپ کی جسمانی کیمسٹری میں ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔ زمین میں اس وقت 103 عناصر دریافت ہو چکے ہیں یقیناً ستاروں کی گرد (Dust) میں بھی یہ عناصر موجود ہوں گے۔ تو پھر ہم کہ سکتے ہیں کہ ہم ستاروں کی گرد سے بنے ہیں۔

قارئین کے لیے عظیم نو تارے (Supernovas) کا ذکر کر دینا بھی ضروری ہے۔ یہ بھی ستارے ہیں جن کا مادہ ہمارے سورج کے مادے یا کمیت (Mass) سے تقریباً 4 گنا بڑا ہوتا ہے۔ گویا یہ بھاری بھر کم ستارے ہیں۔ درحقیقت "سوپر نو آ" عظیم ستارے کا دھماکہ ہے۔ جب یہ ستارے فنا ہوتے ہیں تو نئے عناصر خلا میں چھوڑ دیتے ہیں وہ ہائیڈروجن اور ہیلیم سے مل جاتے ہیں جو پہلے سے وہاں موجود ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایسے ستارے کے فنا ہونے سے خلا میں میٹیریل بکھر جاتا ہے اور یہی میٹیریل پھر نئے ستاروں اور سیاروں کی تخلیق کا باعث بنتا ہے۔ اس طریقے سے ہمارا سورج اور زمین بھی تقریباً 5 ارب سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔ ایک بات یاد رکھیے کہ ستارہ اپنی زندگی کے آخر میں یا اختتام پر پھٹ جاتا ہے اور اپنا مادہ باقی ستاروں کے مابین چھوڑ دیتا ہے۔ قدیم ستاروں کی باقیات سے نئے ستارے جنم لیتے ہیں اور کائنات میں یہ عمل جاری ہے۔ کسی ماہر فلکیات نے کہا ہے۔

"Stars have died that we might live" یعنی ستارے مر گئے ہیں تاکہ ہم زندہ رہ سکیں۔ مقصد یہ ہے کہ ان کی گرد سے ہم بنے ہیں۔ یعنی خلا میں ایسے عناصر چھوڑ دیتے ہیں جو ہمارے جسموں میں شامل ہو جاتے ہیں یا ہماری ترکیب میں شامل ہو کر ہمیں زندہ رکھتے ہیں۔

جب ہماری زمین تخلیق ہوئی تو یہ ان تمام عناصر (جن کا ذکر ہو چکا ہے) اور پانی سے

Marfat.com

بخارات پر مشتمل تھی یعنی گیسی حالت میں تھی جوں جوں زمین ٹھنڈی پڑتی گئی باقی تمام عناصر نے ٹھوس زمین پیدا کر دی ماسوائے پانی کے جو سمندر اور بحر بن گئے اگرچہ اس پروسیس نے کروڑوں سال لیے ہوں گے! تاہم تابکاری طریقہ تاریخ سے معلوم ہوا ہے کہ نظام شمسی میں دیگر سماوی اجسام اور سورج کی عمریں ایک جیسی ہیں۔ ایک تخمینہ کے مطابق 4.6 ارب سال ہیں جسے عموماً 5 ارب سال کہا گیا ہے جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے۔

زمین کی ساخت

ماہر ارضیات زمین کی ساخت کو تین تہوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

الف۔ کرسٹ، ب۔ مینٹل، ج۔ مرکز

الف: کرسٹ

زمین کی بالائی ٹھوس سطح کو قشرارض (Earth – Crust) کہتے ہیں۔ اس کی اوسط موٹائی 22 میل (35 کلو میٹر) ہے۔ اس میں دنیا کے تمام براعظم اور سمندر ہیں۔ یہ زیادہ تر ہلکی چٹانوں مثلاً گرینائٹ اور بسالٹ پر مشتمل ہے۔

ب: مینٹل

زمین کی دوسری تہہ کو مینٹل (Mantle) کہتے ہیں۔ اس کی موٹائی تقریباً 1800 میل (2880 کلو میٹر) ہے اور یہ زیادہ تر غالباً بھاری (کثیف) سلیکیٹ چٹانوں پر مشتمل ہے (جو مستقل دباؤ کے زیر اثر ییلڈ (Yield) کریں اور تصادمی قوت سے ٹوٹ جائیں)

ج: مرکز

تیسری تہہ مرکزی ہے جو 2170 میل (3470 کلو میٹر) موٹی ہے۔ مرکز کو انگریزی میں کور (Core) یعنی قلب کہتے ہیں۔ اس مرکز یا قلب کی ساخت کچھ اس طرح ہے کہ ایک بیرونی مائع تہہ تقریباً 1300 میل (2080) کلو میٹر موٹائی میں ہے جو کہ ٹھوس مرکز کے اردگرد ہے یعنی مرکز کو گھیرتی ہے۔ غالباً یہ تہہ بھاری (کثیف) لوہے اور نکل پر مشتمل ہے جو کہ تقریباً 6400 درجہ کیلون درجہ حرارت پر ہے۔ مزید تفصیل کے لیے مصنف کی کتاب "کائنات اور اس کا انجام" کا مطالعہ فرمائیں یا پھر کسی لائبریری سے زمین کی جیالوجی

پر کتاب حاصل کریں۔ اگر یہاں مزید وضاحت کریں تو اپنے موضوع ارتقاء سے ہٹ جائیں گے۔ ارتقائے حیات بیان کرنے سے پہلے یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ آیا زمین کی تخلیق کا جدید نظریہ قرآن حکیم میں زمین و آسمان کی تخلیق سے متعلق بیان کردہ ارشادات کے مطابق ہے یا نہیں؟

قرآن حکیم کا بیان

مندرجہ ذیل آیات کریمہ پر توجہ فرمائیے۔

ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ وَھِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَھَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْھًا ؕ قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ ○

ترجمہ: ''پھر آسمان (کے بنانے) کی طرف توجہ فرمائی اور وہ (اس وقت) دھواں سا تھا سو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی دونوں نے عرض کیا ہم خوشی سے حاضر ہیں''۔

(سورۃ حم السجدہ 41: آیت 11)

مندرجہ بالا آیت سے پہلے اسی سورۃ میں زمین اور پہاڑوں کی تخلیق کا بھی ذکر ہے

قُلْ اَئِنَّکُمْ لَتَکْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَہٗٓ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِکَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ○ۚ وَجَعَلَ فِیْھَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِھَا وَبٰرَکَ فِیْھَا وَقَدَّرَ فِیْھَآ اَقْوَاتَھَا فِیْٓ اَرْبَعَۃِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ ○

ترجمہ: ''آپ فرمائیے کہ کیا تم لوگ ایسے خدا (کی توحید) کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو (باوجود اتنی وسعت کے) دو روز میں پیدا کر دیا اور تم اس کے شریک ٹھہراتے ہو یہی سارے جہان کا رب ہے اور اس نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنا دیئے اور اس (زمین) میں فائدہ کی چیزیں رکھ دیں اور اس میں (اس کے رہنے والوں) کی غذائیں تجویز

دیں چار دن میں (ہوا جو شمار میں) پورے ہیں پوچھنے والوں کے لیے)

(سورۃ حم السجدہ 41: آیت 9، 10)

اب مندرجہ ذیل آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۝ يَّغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

ترجمہ: "سو آپ (ان کے لیے) اس روز کا انتظار کیجئے کہ آسمان کی طرف ایک نظر آنے والا دھواں پیدا ہو۔ جو ان سب لوگوں پر عام ہو جائے یہ (بھی) ایک دردناک عذاب ہے"۔

(سورۃ الدخان 44: آیت 10، 11)

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا ۝ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا ۝ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا ۝ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ۝

ترجمہ: "بھلا تمہارا (دوسری بار) پیدا کرنا (فی نفسہ) زیادہ سخت (مشکل) ہے یا آسمان کا' اللہ نے اس کو بنایا (اس طرح سے کہ) اس کی سقف کو بلند کیا اور اس کو درست بنایا اور اس کی رات کو تاریک بنایا اور اس کے دن کو ظاہر کیا اور اس کے بعد زمین کو بچھایا"

(سورۃ نازعات 79: آیت 27 تا 30)

زمین و آسمان کی پیدائش اور ارتقاء کے بارے میں قابلِ غور باتیں

اوپر بیان کی ہوئی چاروں آیات کے معنی و مطالب تو واضح ہیں لیکن چند باتیں سائنسی نقطۂ نگاہ سے قابل غور ہیں۔ پہلی اور دوسری آیت میں لفظ "دخان" آیا ہے۔ قرآن حکیم میں یہ لفظ دو بار آیا ہے اور انہی آیات میں آیا ہے۔ دخان کو اردو میں "دھواں" کہتے ہیں۔ عربی اور فارسی میں دھویں کے لیے لفظ دخان استعمال کیا جاتا ہے اگرچہ فارسی میں دخان کے علاوہ "دود" بھی کہتے ہیں۔ بہرحال دود' دخان اور دھویں کے معنی ایک ہی ہیں۔ جب لکڑی جلتی ہے تو احتراق (Combustion) کے نتیجہ میں وہ

Marfat.com

دھویں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ چونکہ مادے کو فنا نہیں اس لیے کسی کیمیاوی تعامل کے ذریعے کوئی چیز دوسری چیز میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ دھوآں گیس یا گیسوں کے آمیزہ پر مشتمل ہوتا ہے اس کو بخارات بھی کہہ سکتے ہیں مثلاً جب پانی کو ابالا جاتا ہے تو یہ بھی بخارات (دخان) میں تبدیل ہو جاتا ہے اور ان بخارات کو بھاپ بھی کہتے ہیں۔ جب یہ بخارات زمین کی فضا کے بالائی طبقات میں جاتے ہیں تو درجہ حرارت میں کمی کی وجہ سے یا بہت زیادہ ٹھنڈک کی وجہ سے عمل تکاثف یا بذریعہ تکاثف (Condensation) بادلوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ جب کائنات تخلیق ہوئی تو وہ بھی دخان کی صورت میں تھی۔ چونکہ تمام عناصر اپنے ابتدائی ذرات یا بخارات کی صورت میں تھے۔ اگرچہ قرآن حکیم سے یہ واضح نہیں ہے مگر زمین بھی آسمان کی طرح دخان ہی کی صورت میں ہو گی اور نظام شمسی بھی جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بتا دیا گیا ہے کہ یہ ایک تخلیقی بادل سے معرض وجود میں آیا۔ میرے نزدیک بادل یا دخان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس لحاظ سے زمین کی تخلیق کا جدید سائنسی نظریہ قرآن حکیم میں بیان کردہ صداقت سے تقریباً قریب ہے لہٰذا یہ مان لیتے ہیں کہ زمین کی تخلیق کا جدید نظریہ یا مفروضہ سچ ہو گا۔

مزید ازآں "دخان" سے مراد آسمان کا "تخلیقی مادہ" بھی کہہ سکتے ہیں جس کی شکل دھویں کی ہو گی۔ جب زمین تخلیق ہو گئی تو پھر اللہ جل شانہ' نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی جو دخاں کی صورت میں تھا۔ متذکرہ بالا سورۃ الدخان کی آیت 10' 11 میں فرمایا "تم انتظار کرو اس دن کا جب آسمان میں دھوآں ہی دھوآں پھیل جائے گا جو لوگوں پر چھا جائے گا گویا ایسی صورت میں قیامت کے روز وہی آسمان پھر اپنی پہلی حالات (دخان) میں آجائے گا یا سارے آسمان تحلیل ہو کر اپنی پہلی حالت کی طرف عود کرنے لگیں گے اور یہ غالباً قیامت کی ابتدا ہو گی اب سورۃ حم السجدہ کی 9' 10 اور 11 آیت پر غور فرمائیے۔ ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہ' نے اپنی حکمت سے دو روز میں زمین بنائی اور اس میں پہاڑ بنا دیئے۔ یہ پہاڑ زمین کا توازن برقرار رکھنے کے علاوہ اس کی مضبوطی کے لیے بنائے گئے۔ پہاڑوں کے بارے میں جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ ماہر ارضیات کی تحقیق کے مطابق ہے۔ پہاڑوں کے بنانے کا پروسیس کیا تھا؟ قرآن حکیم میں اس طرف اشارہ نہیں ملتا لیکن ایک نظریہ کے مطابق ابتدا میں زمین پگھلے ہوئے مادہ پر مشتمل تھی۔ جب زمین

Marfat.com

ٹھنڈی پڑنے لگی تو جو حصے پہلے منجمد یا جم گئے وہ پہاڑ بن گئے اور باقی حصے وادیاں اور سمندر بن گئے۔ اب ایک اور نظریہ سامنے آیا ہے کہ زمین کی بالائی سطح یا دنیا کے تمام براعظم پلیٹیوں (Plates) پر واقع ہیں اور زمین کی اندرونی حالت میں جیولاجیکل تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں غالباً جب سے زمین تخلیق ہوئی ہے اسی وقت سے یہ تبدیلیاں جاری ہیں۔ ان تبدیلیوں کے نتیجہ میں یہ پلیٹیں حرکت میں رہتی ہیں۔ ان پلیٹوں کے سرکنے یا شفٹنگ سے جب ایک پلیٹ دوسری پلیٹ سے ٹکراتی ہے تو اس تصادم کے نتیجہ میں نرم پلیٹ بلند ہو جاتی ہے اور پہاڑ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ چنانچہ پہاڑوں کی تخلیق اس پروسس سے ہوئی جسے پلیٹ ٹیکٹانکس کا نام دیا گیا ہے یا اسے پلیٹ ٹیکٹانکس نظریہ (Plate Techtonics Theory) کہتے ہیں۔

چنانچہ سورۃ حم السجدہ کی آیات 9 اور 10 سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہ' نے دو روز میں زمین بنائی۔ اس میں پہاڑ بنا دیئے اور اس میں لوگوں کے فائدے کی ساری چیزیں رکھ دیں یعنی خوراک وغیرہ کا انتظام ہو گیا اور یہ سب اہتمام 4 روز میں ہوا اور پھر آیت 12 میں بتایا گیا کہ پھر سات آسمان دو روز میں بنائے گئے۔ اس سورۃ میں بتایا گیا ہے کہ زمین پہلے بنائی گئی اور آسمان بعد میں مگر سورۃ النازعات 79 کی آیت 27 تا 30 میں فرمایا گیا ہے کہ پہلے آسمان تخلیق ہوا اور اس کے بعد زمین کو بچھایا گیا۔ دونوں آیات (سورۃ حم السجدہ 41 کی آیت 9'10 اور سورۃ النازعات 79 کی آیت 30) کے مطالب ایک دوسرے سے مطابقت نہیں رکھتے یعنی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ یہ سوال ذہنوں میں ابھر سکتا ہے کہ زمین پہلے بنائی گئی یا آسمان؟ لیکن میری حقیر دانست کے مطابق اللہ تعالیٰ کی آیات میں کوئی تضاد نہیں اور کوئی ابہام نہیں بلکہ یہ باتیں ہمارے ادراک سے باہر ہیں۔ بہت سوچ و بچار کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ' نے کائنات کا ابتدائی تخلیقی مادہ پیدا کر دیا تھا مگر وہ بغیر کسی ترتیب و ترکیب یا کسی مناسب شکل و صورت میں تھا۔ ایسی حالت میں تھا جسے انگریزی میں "کے آس" (Chaos) کہتے ہیں جو یونانی لفظ کازماس (Cosmos) کا مخالف ہے۔ کازماس کے معنی منظم کائنات (Ordered Universe) کے ہیں یا ترتیب یافتہ کائنات کہہ سکتے ہیں۔ اس کے برعکس بے ترتیب کائنات تھی۔ یہ بے ترتیب کائنات ابتدائی تخلیقی مادے

(Primal Matter) پر مشتمل تھی۔

قرآن حکیم کے مطابق زمین کی تخلیق اور ارتقا 4 روز میں ہوا اور سات آسمان تہ بہ تہ دو روز میں تخلیق ہوئے۔ اگر یہ ساری کائنات دخان کی صورت میں تھی اور زمین و آسمان کی تخلیق ایک ہی وقت میں شروع ہو تو ان کی تکمیل بھی ایک ہی وقت میں ضروری نہیں تاہم اگر تکمیل بھی ایک ہی وقت میں شروع ہو تو زمین نے 4 روز لیے اور 7 آسمانوں نے دو روز لیے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آسمانوں میں ایک یوم (دن) زمین کے دو دنوں کے برابر ہو گا۔ مادہ تین صورتوں میں ہوتا ہے ٹھوس' مائع اور گیس۔ سائنسی نقطہ نگاہ سے گیس پہلے مائع کی صورت میں تبدیل ہوتی ہے اور پھر ٹھوس حالت میں انہیں مختلف مراحل میں زمین و آسمان کی تخلیق ہوئی ہو گی۔

زمین اور آسمانوں کا تخلیقی مادہ پیدا ہو چکا تھا تو پھر دونوں آیات کے معنی و مطالب میں کوئی تضاد نہیں ہونا چاہیے اور یہ محض مراحل ہو سکتے ہیں کہ آسمانوں نے مراحل پہلے طے کر لیے اور زمین نے بعد میں اور اگر یہ مان لیا جائے کہ آسمانوں میں دو یوم زمین کے چار یوم کے برابر ہوں گے تو یہ سوال ختم ہو جاتا ہے تاہم اگر ایسا نہیں ہے تو پھر دونوں کی تخلیق کا پروسیس ایک ہی وقت میں شروع ہو چکا تھا مگر وہ مختلف اوقات میں ارتقاء پذیر ہوئے۔ مگر ایسے سوالات کہ زمین پہلے پیدا کی گئی یا آسمان؟ کا تعلق مذہب سے نہیں بلکہ یہ طبیعیات' فلکیات اور ارضیات کے مضامین سے تعلق رکھتے ہیں۔ (اگر ممکن ہو تو علماء حضرات بھی اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کریں) چنانچہ جب زمین بنا دی گئی اور اس میں لوگوں کی خوراک کا انتظام کر دیا گیا تو پھر زمین پر ارتقائے حیات ہوا یعنی نباتاتی اور حیواناتی زندگی کا ارتقاء ہوا۔

فلسفہ ارتقائے حیات

ڈارون سے پہلے نظریات

حیاتیاتی ارتقاء کی تاریخ بڑی طویل ہے یہاں ان نظریات کا ایک مختصر سروے پیش کیا جاتا ہے تاکہ قارئین کے علم میں یہ بات آجائے کہ ڈارون ارتقاء کے نظریہ یا فلسفہ کا خالق نہ تھا بلکہ

Marfat.com

مختلف زمانوں اور قوموں میں ارتقاء کے نظریات موجود تھے۔

قدیم ہندوؤں کا عقیدہ

قدیم زمانے کے ہندوؤں کا عقیدہ تھا کہ زندگی (Life) پودوں سے نمودار ہوئی پھر عجوبہ خلق کے ایک سلسلہ میں سے گذری جو پانی اور پتلی کیچڑ سے پیدا ہوئے اور پھر مختلف حیوانات کی شکلوں میں سے گذرتی ہوئی آخر میں انسان (آدمی) کی شکل اختیار کر گئی۔ (یہ نظریہ ڈارون کے نظریہ سے بہت ہی قریب ہے) یونانی فلسفیوں نے اس میں بڑی دلچسپی لی مثلاً چھٹی صدی قبل از مسیح میں ایک فلسفی جس کا نام تھیلز (Thales) بتایا جاتا ہے اس نے کہا تھا کہ پانی تمام چیزوں کی ماں ہے (یہ نظریہ قرآن حکیم کے بہت قریب ہے جس کی چند آیات تیسرے باب میں دی گئی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ زندگی کا آغاز پانی اور کیچڑ سے ہوا)

یونانی فلسفی ہیرا قلیتوس (HERACLITUS)

یونانی فلسفی ہیرا قلیتوس نے بتایا تھا کہ ہر جانور یا مخلوق ہمیشہ نئی شکل اختیار کرنے کے عمل میں رہتا ہے یا اس طبیعی دنیا میں ہر چیز کوئی دوسری چیز بن جانے کے عمل میں رہتی ہے۔

عظیم فلسفی ایمپیڈوکلیز (EMPEDOCLES)

پانچویں صدی قبل از مسیح میں عظیم فلسفی ایمپیڈوکلیز (Empedocles‘ 493 تا 435 قبل مسیح) کا خیال تھا کہ زندگی اچانک خود بخود ظہور پذیر ہوئی اور آہستہ آہستہ بے شمار ناکامیوں کے بعد جسم حیوانی (Organism) نے نشوونما پائی (اس طرح وہ ڈارون کے نظریہ کے بہت ہی قریب آ گیا تھا جس کے مطابق جو اہل ہو گا وہی زندہ رہنے کا حق رکھتا ہے)

مشہور عظیم فلسفی ارسطو (ARISTOTLE)

ارسطو (384 تا 322 قبل از مسیح) نے ارتقاء کے مسئلے پر بڑی تفصیل سے بحث کی ہے کہ پودوں سے جانوروں تک ایک قدرتی یا طبیعی تبدیلی ہوتی ہے اور انسان اس نشوونما کے خط کی چوٹی پر ہے۔

(یہ نظریہ بھی ڈارون کے بہت قریب ہے مگر قدیم زمانے میں ان فلسفیوں یا

Marfat.com

سائنس دانوں نے محض منطق یا خیالی نظریات پیش کئے یا خیالی نظریات میں سوچا اور کہا کہ عملی تحقیق نہ صرف ناممکن بلکہ غیر ضروری ہے)

یونانی مفکر این ایکسی میندر (ANAXIMANDER)

این ایکسی میندر (610 تا 547 قبل از مسیح) نے سیپ (Shell) کے رکازیا متحجرات پر غور و خوض کیا اور کہا کہ کسی زمانے میں ہماری زمین سمندر کے پانیوں میں ہوگی اور پھر پانی کی تبخیر سے زندگی شروع ہوگئی اور بعد میں اس زندگی نے سخت جلد اختیار کرلی اور زمین (یعنی خشکی) پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کرلیا۔ اس کی سوچ تھی کہ انسانی جسم کی ارتقاء ایک مچھلی جیسی شے سے ہوئی۔ اس نے ایک نظریہ یہ بھی پیش کیا تھا کہ کائنات کی ارتقاء سماوی مادے کی تیز گردشوں سے ہوئی (بہت سارے خیالات ڈاروں کے نظریات اور کائنات کی ارتقا' کے نظریات کے بہت قریب ہیں)۔

یونانی فلسفی این ایکساغورث (ANAXAGORAS)

این ایکساغورث (500 تا 428 قبل از مسیح) نے بتایا تھا کہ زمینی حیوانات سمندری مخلوق سے پیدا ہوئے (اس فلسفی کا یہ مختصر بیان ڈارون کے نظریہ ارتقاء کی بہت ترجمانی کرتا ہے)

ایوان کارل وان لنے (EVAN CARL VON LINNE)

ایون کارل وان لنے (1707ء تا 1778ء) کے نباتاتی پودوں کے مطالعہ نے اسے مجبور کر دیا کہ وہ یہ بات مان لے کہ انواع میں تبدیلیاں ہوتی ہیں مگر وہ اس بات پر قائم رہا کہ اجناس غیر متغیر (Immutable) یا تغیر ناپذیر ہیں یا ان کو اثبات حاصل ہے۔

ایک اور حوالے سے معلوم ہوا ہے کہ اس کا کہنا تھا کہ طبیعی دنیا کی ارتقاء چار عناصر (ہوا' پانی' آگ' مٹی) کے باہمی تعامل (Reaction) کے ذریعہ محبت اور نفرت (Attraction and Propulsion Forces) کی قوتوں کے زیر اثر ہوئی۔

جارجز بفن (GEORGES BUFFON)

جارجز بفن (1707ء تا 1788ء) پہلا شخص تھا جس نے علم تشریح (اناٹومی) کا مطالعہ کیا اور

Marfat.com

ارتقاء کے بارے میں اپنے نظریات پیش کئے۔ اس نے نوٹ کیا کہ ریڑھ کی ہڈی والے تمام جانوروں میں ایک مشترک پیٹرن ہے اور ان کے اعضا کی ہڈیوں میں بھی بہت مماثلت و مشابہت پائی جاتی ہے۔ اس نے انسان کے اندر جب ایک بے کار عضو اپنڈکس (Appendix) کو دیکھا تو بہت حیران ہوا اور اس کا خیال تھا کہ موجودہ دور کے انسان کو یہ عضو اس کے بہت دور (یا عہد عتیق) کے آباد واجداد سے ورثے میں ملا ہو گا جن کا نظام ہضم کمال کا ہو گا۔

عالم تشریح جان ہنٹر (JOHN HUNTER)

عالم تشریح (اناٹومسٹ) جان ہنٹر (1728ء تا 1793ء) نے بھی حیاتاتی ارتقاء کے لیے راستہ مضبوط کیا یعنی نظریہ ارتقاء کو بڑی تقویت دی۔ اس نے 1790ء میں بتایا کہ انسانی جنین (نشوونما پانے والے) (Humman Embryo) کم تر یا ادنیٰ جانوروں کے اجسام سے مشابہ ہے یا ملتا جلتا ہے اور یہ یکے بعد دیگرے مچھلی' رینگنے والے جانور (Reptilian) اور دودھ دینے والے جانور (Mamalian) کے مراحل سے گزرے۔

جارجز کوویئر (GEORGES CUVIER)

جارجز کوویئر (1769ء تا 1832ء) نے زندہ جانوروں کے ڈھانچوں اور رکاز یا متحجرات کے ڈھانچوں میں بہت ہی قریب کی مشابہت کا مشاہدہ کیا۔ اس نے بہت زیادہ تفصیلی موازنہ کیا اور بہت سارے ناپید ہو جانے والے جانوروں کی ہڈیوں کو جوڑا جو کہ بہت چھوٹے رکاز میٹیریل میں تھیں۔ اس نے ناپید ہونے والے ہاتھیوں کی ان کے دانتوں کے مطالعہ سے شناخت اور تصدیق بھی کی اور دکھایا کہ وہ ہڈیاں ان دیو قامت مخلوق کی نہ تھیں جن کا بائبل میں بھی ذکر ہے۔ اس نے بعض چھوٹی چھوٹی ہڈیوں کو جوڑنے سے ناپید ہو جانے والے جانوروں کے دوبارہ ڈھانچے بھی بنائے۔ یہ کوویئر ہی تھا جس نے صحیح صحیح طریقے سے کچھ ہڈیوں کی وضاحت کی جو کہ بویرین (Bavarian) چونے کے پتھروں میں ملی تھیں مگر وہ ناپید ہونے والے کسی جانور کی تھی جو اڑنے کے علاوہ رینگ بھی سکتا تھا۔ اس نے اس جانور کو پیٹروڈیکٹائل (Petrodactyl) کا نام دیا۔ تاہم وہ ارتقاء کا کٹر مخالف تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ناپید ہونے والے جانور کسی سیلاب کی نذر ہو گئے ہوں گے یا پھر حال ہی کسی آنے والی بلائے ناگہانی سے تباہ ہو گئے ہوں گے لیکن جو نظریہ ارتقاء کے

Marfat.com

حامی تھے انہوں نے ان جانوروں کے کسی سیلاب، طوفان یا دریا برد ہو جانے کو تسلیم نہ کیا گویا مخالفت کی اور مخالفت کرنے والوں میں کئی مشہور لوگ شامل تھے جن سب کا یہاں ذکر کرنا ضروری نہیں تاہم چارلس ڈارون (جس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے اور جس نے ارتقا پر عالمگیر کتابیں تصنیف کیں) کے دادا ایرامس ڈارون (Erasmus Darwin '1731ء تا 1802ء) بھی شامل تھے۔

نارمنڈی (Normandy) کے رینگنے والے جانوروں کی باقیات (رکاز) کے مطالعہ سے جیفری سینٹ ہلیری Geoffroy Saint-Hilaire '(1772 تا 1844) نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ زندہ جانوران جانوروں کی نسل میں سے نہ تھے جو سیلاب کی نذر ہو گئے اور اب ناپید تھے یعنی یہ رکاز ان جانوروں کے نہ تھے جو کسی سیلاب یا طوفان کی نظر ہوئے اور ان کی صورتوں میں تبدیلی اچانک طرز نو (Sudden Innovations) کی بدولت تھیں۔

اہل بابل کا عقیدہ

800 قبل از مسیح اہل بابل (موجودہ عراق) کا عقیدہ تھا کہ زندگی کیچڑ اور نمکین پانی سے نمودار ہوئی یہ نظریہ قرآن حکیم کے بہت قریب ہے۔

(مندرجہ بالا سائنس دانوں میں ماہرین تشریحی علم' ارضیات اور حیاتیات شامل تھے) ان کے بعد لمارک کا نظریہ سامنے آیا جسے نظریہ لمارک یا لمارکیت (Lamarckism) کہتے ہیں۔

لمارک کا نظریہ ارتقاء لمارکیت (LAMARKISM)

ماہر لمارک (1829ء - 1744ء) مشہور فرانسیسی تاریخ طبیعی کے اصول کا خالق ہے یہ کہ انواع (Species) کے امتیازی خصائل جو وہ ماحول کے تقاضوں کے مطابق حاصل کرتے ہیں وہ (خصائل) ان کے بچوں میں داخل ہو جاتے ہیں۔

لمارک نے اپنا یہ نظریہ 1809ء میں پیش کیا جو (Philosophie Zoologique) میں شائع ہوا۔

اس میں اس نے حاصل کردہ (امتیازی) خصائل کے دو بنیادی اصول پیش کیے۔ پہلا اصول اس مفروضے پر مبنی تھا کہ ہر جاندار میں ایک پیدائشی رجحان یا جبلی رجحان ہوتا ہے کہ نسل در نسل اپنی تنظیم کے درجے کو بڑھائے (نسل کو ترقی دے) دوسرا اصول ماحول کا اثر ہے جو اس

Marfat.com

پیدائشی رجحان کو منافع بخش خطوط پر چلانے کی رہنمائی کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے ماحول کے تقاضے کی بدولت' انواع کی نشوونما' اصلاح و ترمیم عدم نمو یا کسی عضو کی تخلیق میں ترقی ہو۔ اس نظریئے کی بنیاد حاصل کردہ خصائل یا اکتساب خصائل پر تھی۔ لمارک نے مثال دی کہ آج زرافوں (Giraffes) کے بچوں کی گردن پیدائش ہی کے وقت لمبی ہوتی ہے یا دوسرے الفاظ میں وہ لمبی گردن کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں جس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ زمین پر سبزے کی کمی کی وجہ سے (یا کسی وجہ سے سبزے میں کمی ہو گئی ہو) جس نے ان کے جدامجد کو مجبور کر دیا ہو کہ وہ درختوں کی چوٹیوں کے حصے کھائیں یعنی انہوں نے درختوں کی اونچی شاخوں کو کھانے کی کوشش میں گردن کو اونچا رکھا تاکہ ان تک رسائی ہو سکے۔ جو اس کوشش میں کامیاب ہوئے وہ زندہ رہے باقی ختم ہو گئے۔ اس مسلسل کوشش کے نتیجہ میں ان کی گردنیں لمبی ہوتی گئیں۔ چنانچہ موجودہ زرافے لمبی گردن کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں۔ مزید اس نے ایک اور مثال دی کہ موجودہ کورموش (چھچھوندر) کی ارتقاء ایسے حشرات خور مگر دودھ دینے والے جانوروں سے ہوئی ہو گی جنہوں نے خوراک کی تلاش میں زمین کو کھودنے کی عادت اپنالی اور حفاظت کی خاطر ان کی اگلی ٹانگوں کی اصلاح ہو گئی اور ان کی آنکھیں عدم نمو کا شکار ہو گئیں۔ چنانچہ لمارک نے ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ماحول انواع میں تبدیلیاں پیدا کر دیتا ہے۔

بہت سارے سائنس دانوں کو یہ نظریہ بڑا دلکش نظر آیا۔ انواع پر ماحولیات کے اثر کو بڑی اہمیت دی گئی لیکن اس کے پہلے اصول کو رد کر دیا گیا جس کا تعلق جبلی یا پیدائشی رجحانات سے تھا چونکہ یہ ناقابل تصدیق تھا اور یہ بات مابعد الطبیعیاتی یا سائنس سے ماورا معلوم ہوتی تھی۔ اس ترمیم شدہ نظریہ کو نیولمارک ازم کہا گیا جب کہ اس کی بھی کوئی شہادت نہ مل سکی اور اس میں بھی بہت سارے تضادات تھے کہ ماحول کے تقاضوں کے مطابق انواع پر کیسے اثرات مرتب ہوتے ہیں مثلاً یہ بات نوٹ کی گئی کہ کسی لوہار کے بچے (نسل در نسل کے بعد بھی) مضبوط عضلات یا مضبوط پٹھوں کے ساتھ پیدا نہیں ہوتے وہ بھی عام بچوں کی طرح بازوؤں کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں اور اسی طرح صحت مند کان کنوں کے بچوں کی آنکھوں کی نظر بھی نارمل ہوتی ہے (ماحول کا تقاضا ہے کہ کان کنوں کو طاقتور نظر کی ضرورت نہیں ہے چونکہ وہ تو کان کے اندر اندھیرے میں کام کرتے ہیں) کچھ غاروں میں رہنے والے جانوروں کی نظر نہیں ہوتی لیکن اس سلسلہ میں کوئی

Marfat.com

شہادت نہیں ملی علت (Cause) کیا ہے اور معلول (Effect) کیا ہے؟ بلکہ اس کے برعکس مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ وہ مخلوقات جن کی نظریں کمزور ہوتی ہیں وہ روشنی سے گریز کرتی ہیں چنانچہ شہادتوں کے فقدان کی وجہ سے لمارک کا نظریہ ارتقاء ناکام ہو گیا اگرچہ 1940ء میں روس میں ٹی ڈی لی زنکو نامی (T.D Lysenico) سائنس دان نے اسے از سرنو زندہ کرنے کی کوشش کی۔ انیسویں صدی میں ارتقاء کی حقیقت جاننے کے لیے کافی شہادتیں اکٹھی بھی کی گئیں لیکن طریق عمل (Modus Operandi) ایک راز پوشیدہ رہا۔ متحجرات کے کئی سلسلوں کو یکجا کیا گیا تاکہ مفروضہ اقدام کی نمائش کی جائے کہ ایک انواع دوسری انواع میں کیسے تبدیل ہوتی ہے، ارتقا کے ممکنہ خطوط کے خاکے تیار کیے گئے اور ان متحجرات یا رکازوں میں ترتیب اور تعلق بھی ولیم سمتھ (Willium Smith، 1769 تا 1839ء) کی متحجرات پر تصنیف شدہ کتابوں کے مطابق کیا گیا۔

اسی دور میں ماہر حیاتیات جان ہنٹر (جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے اور جو ماہر حیاتیات و حیوانات تھے) جنین (Embryos) کی نشوونما کے بارے میں مشاہدات کا بغور مطالعہ کر رہے تھے۔ ان میں کئی ماہر حیاتیات کے نام شامل ہیں جن سب کا ذکر کرنا غیر ضروری ہے۔ چند ایک کا ذکر کر دیتے ہیں۔ کارل ارنسٹ وان بائر (1828Karl Ernst Yon Baer تا 1837ء) نے اس مضمون پر کئی جلدوں میں لکھا کہ اعلیٰ جانوروں کے جنین ادنیٰ جانوروں کے جنین سے قطعاً مشابہت نہیں رکھتے۔ 1864ء میں فرٹز ملر (Fritz Muller) نے اس جمع شدہ علم کو ریڑھ کی ہڈی والے جانوروں کی ارتقاء پر نافذ کیا اور 1866 میں آرنسٹ ہائیکل (Ernst Haeekel) نے اپنے بنیادی بایوجنٹیک قانون (Biogentic Law) کا اعلان کیا کہ ہر جنین اپنی انواع کے ارتقاء کے خطوط کے ساتھ نشوونما پاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر جنین اپنے نسبی شجر (Genealogical Tree) پر چڑھتا ہے مگر یہ ایک ایسا عام اصول تھا جس کی ٹھیک ٹھیک طریقے سے وضاحت نہ ہو سکی۔

قارئین! اس بحث کو مزید طول دینے کی بجائے چارلس ڈارون کے نظریے کا تفصیلی ذکر کریں گے۔ اور اس کے نظریے کے ان پہلوؤں کو اجاگر کریں گے جن کی مذہبی حلقوں میں مخالفت ہوئی۔

چارلس رابرٹ ڈارون کا نظریہ ارتقاء

ڈارون کے ابتدائی مختصر حالات

ڈارون 12 فروری 1809ء کو شروز بری میں پیدا ہوا اور ڈاکٹر ایراسمس (1781 تا 1802) کا پوتا تھا۔ 1825ء میں ڈاکٹری کی تعلیم کے لیے ایڈنبرا بھیجا گیا لیکن جب معلوم ہوا کہ ڈاکٹری سیکھنے کا اہل نہیں ہے تو اس کے باپ نے اسے پادری بنانے کے لیے 1828 میں کیمرج کے کرائسٹ کالج میں بھیج دیا۔ وہاں ڈارون کو بعض نئے دوست ملے جن کی صحبت کا اثر یہ ہوا کہ وہ مذہبی تعلیم چھوڑ کر سائنس کی تعلیم کی طرف متوجہ ہو گیا۔ 1831ء میں جب ڈارون تعلیم سے فارغ ہوا تو وہ علم الحیوانات کے ماہر کی حیثیت سے بیگل نامی جہاز کے بحری سفر پر بھیج دیا گیا۔ یہ بحری سفر کوئی پانچ سال تک جاری رہا اور ڈارون کو جنوبی امریکہ کے گرد اور مغربی بحرالکاہل کے بہت سے جزیروں میں چکر لگانے کا موقع ملا۔ ان مختلف علاقوں میں اس نے بے شمار زندہ اور کبھی کے مردہ جانوروں کے رکاز یا باقیات دیکھیں جن سے اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ انتخاب طبیعی کا اصول صحیح ہے یعنی صرف وہی نوع باقی رہتی ہے جو دوسری انواع سے زیادہ ماحول سے مطابقت رکھتی ہے۔ جیسا کہ گزشتہ باب میں بھی ذکر ہو چکا ہے اس نے اپنی مشہور کتاب "اصل انواع" 1859ء ☆ میں شائع کی جس پر مخالف اور موافق لوگوں نے ہنگامہ برپا کر دیا۔ ڈارون کی دوسری کتاب وراثت انسان ☆ 1871ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں اس نے انسان کے آباؤ اجداد کا پتہ چلانے کے لیے اپنے نظریہ ارتقاء کو استعمال کیا اور کہا کہ انسان کے آباؤ اجداد بندر نما حیوان تھے۔ یہ کتاب عام لوگوں تک بھی پہنچی۔ چنانچہ اس پر بھی بحث مباحثہ ہوا۔ اس سے تین سال پہلے اس نے ایک اور کتاب میں بتایا تھا کہ پودوں اور جانداروں میں کیا کیا تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کے علاوہ بھی ڈارون نے بہت سی کتابیں لکھیں۔

☆1- On the Origin of Species by Means of Natural Selection the Preservation of Favoured Races in the Struggle for life, Published in 1859.

☆2-The Descent of Man and Selection in Relation to Sex, Published in 1871.

ڈارون 19۔ اپریل 1882 کو فوت ہوا اور انگلستان کے مشہور قومی قبرستان ویسٹ منسٹر ایبے میں دفن کیا گیا۔ موراثت انسان میں ڈارون نے انسان کے بارے میں لکھا۔

"Man with all his noble qualities ..... with his godlike intellect which has penetrated into the movements and constitution of the solar system - with all these exalted powers - still bears in his bodily frame the indelible stamp of his lowly origin" "The Descent of Man"

اس کا اردو متن یہ ہے

"انسان اپنے اشرف و عالی خصائل کے ساتھ - اپنی خدائی ذہانت (یعنی خدا کی طرح کی ذہانت) کے ساتھ جس نے نظام شمسی کی حرکات اور ساخت کا ادراک کر لیا ہے۔ اپنی ان تمام قابل تعریف قوتوں کے باوجود اپنے جسم کے چوکھٹے میں کم تر مبداء کی مہر رکھتا ہے"۔

(یعنی انسان نے کسی کم تر حیوان سے ارتقاء حاصل کی)۔ اس سے اس موضوع پر آگے چل کر بحث ہو گی۔ ڈارون کے ارتقاء کے اہم پہلوؤں پر بحث ہو گی مگر پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ زمین پر زندگی کیسے شروع ہوئی؟

زمین پر زندگی کیسے شروع ہوئی؟

سر جیمز جینز نے اس ضمن میں یہ کہا ہے کہ "جس طرح ایک حادثہ ہوا اور زمین بن گئی اسی طرح ایک اور حادثہ ضروری تھا تاکہ زندگی بن جائے اور زندگی کی نمو محض ایک حادثہ تھی اور یہ کسی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت نہیں ہوا۔ اس کے مطابق "ایٹموں کا ایک گروہ زندگی پیدا کرنے کے لیے کافی اور ضروری تھا۔ کاربن، آکسیجن، ہائیڈروجن اور نائٹروجن کے ایٹم کسی طرح آپس میں مل گئے اور زندگی کی نمو ہو گئی۔ لیکن چند کیمیائی عناصر کا کسی ترتیب سے مل جانا کیمیائی مرکبات تو بنا سکتا ہے مگر ان مرکبات میں زندگی کیسے پیدا ہو گئی؟ یہ ایک سربستہ راز ہے اور شاید آئندہ بھی راز ہی رہے۔ اس وقت دنیا کے تمام سائنس دان اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے۔ وہ اس کے بارے میں جو کہہ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ زمین پر زندگی سمندروں کے پانیوں میں شروع ہوئی۔ اس

بات کا ثبوت قدیم ترین متحجرات (رکاز) یا باقیات (Fossils) سے ملتا ہے۔ قدیم ترین اور آسانی سے شناخت ہو جانے والے وہ متحجرات ہیں جو تہہ در تہہ چٹانوں میں ملتے ہیں۔ یہ چٹانیں 0.6 اور 0.5 ارب سالوں کے مابین بنی تھیں اور وہ قدیم حیات کا زمانہ ہے جسے دی کیمبرین پیریڈ (The Cambrian Period) کہا جاتا ہے۔ اس زمانہ سے متعلق متحجرات ایک سادہ سمندری مخلوق کی نشان دہی کرتے ہیں اور ان میں پیچیدہ زندگی ٹرائی بولائٹ (Tribolites) تھی لیکن اس دور میں پودوں اور جانداروں کے متحجرات نہیں ملتے جس سے ظاہر ہے کہ اس وقت زمینی سطحات زندگی سے بالکل محروم تھیں۔ چنانچہ پودوں اور جانداروں کے آثار آج سے 40 کروڑ سال پہلے (400 ملین سال پہلے) کے ملتے ہیں۔ تاہم زمین پر موجودہ زندگی کے بارے میں کہ وہ کہاں سے آئی؟ دو نظریات پیش کیے جاتے ہیں۔

(الف) نظریہ تخلیق غیر معمولی (THEORY OF SPECIAL CREATION)

(ب) ارتقاء حیات کا نظریہ (THEORY OF ORGANIC EVOLUTION)

انگریزی کے لفظ آر گینک (Organic) سے مراد نامیاتی ہے یعنی جس میں کاربن کے مرکبات ہوں یا "کاربنی" زندگی مراد ہے۔

شاعروں اور مفکروں کے زندگی کے بارے میں بڑے دلچسپ مگر معنی خیز خیالات تھے۔ مثلاً شاعر جان ملٹن (John Milton) اپنی نظم جس کا عنوان ہے "جنت کھو گئی" یا "فردوس گم گشتہ" (Paradise Lost) میں کہتا ہے۔

"Did I solicit thee from darkness to promote me"

جان ملٹن (خدا) سے کہتا ہے کہ کیا میں نے تم سے درخواست کی تھی کہ مجھے اندھیرے یعنی تاریکی سے فروغ دیں۔ مقصد یہ کہ جاندار کے طور پر ہم سب تاریکی سے پیدا ہوئے۔

ایک اور اندازے کے مطابق زندگی 0.6 ارب سال پہلے شروع ہوئی اور سمندروں میں زندگی 0.4 ارب سال پہلے اور بنی نوع انسان نے چند ملین سال پہلے زمین پر قدم رکھے۔

Marfat.com

(الف) نظریہ تخلیق غیر معمولی یا نظریہ تخلیق خصوصی

اس نظریہ کے مطابق ہر شے (جانور، پودے) پہلے دن سے (یعنی روز ازل سے ہی) اسی طرح وجود میں آئی تھی جس حالت میں ہمیں آج ملتی ہے اور اسے پہلے ہی سے اس طرح پیدا یا ڈیزائن کیا گیا تھا کہ وہ اپنے ان جغرافیائی اور ارضیاتی حالات میں رہ سکے جو اسے پیش آنا تھے، آئے ہیں یا آئیں گے۔ اس نظریے کے مطابق جب سے زندگی معرض وجود میں آئی ہے اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے۔ اس طرح ہر جنس مستقل ہے اور اپنی ہی جنس کے (اپنی طرح کے) افراد یعنی اپنی اولاد یا بچے (Offsprings) اس کی تخلیق کے پہلے دن سے اب تک نسل در نسل پیدا کرتی آرہی ہے اور کسی دوسری جنس میں تبدیل نہیں ہوئی۔

نظریہ تخلیق غیر معمولی دو عقائد پر مشتمل ہے

1- زندگی کسی مافوق الفطرتی عمل کے ذریعے ظہور پذیر ہوئی (یہ مغربی مفکرین کا خیال ہے حالانکہ وہ کہہ سکتے ہیں کہ زمین پر زندگی اللہ تعالٰی کے حکم سے ظہور پذیر ہوئی)۔ انگریزی میں یوں کہہ سکتے ہیں۔

"It began by a Supernatural act of creation"

2- زندگی غیر نامیاتی مادے (Inorganic) یا جمادات (بے جان چیزوں) سے اچانک ظہور پذیر ہوئی۔ انگریزی میں یوں کہہ سکتے ہیں۔

"It developed spontaneously from Inorganic action"

یہاں انگریزی کے لفظ (Spontaneously) کے معنی اچانک، بے ساختہ یا خود بخود ہو سکتے ہیں۔ مندرجہ بالا دونوں نظریات کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ تمام زندگی سپیشل تخلیق کے ذریعے ہی معرض وجود میں آئی۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ زمین پر ہر قسم کی حیوانی اور نباتاتی زندگی زمین کی مٹی سے بنائی گئی اور اس میں زندگی کی سانس یعنی "روح" پھونک دی گئی ہو کہ اب بھی اپنی موجودہ شکل میں ہی ہے اور شروع سے بھی اسی شکل میں تھی۔ یعنی ہر تخلیق خاص اور آزادانہ تھی۔ یہ نظریہ قرآن حکیم کے نظریہ سے بہت قریب ہے یوں کہ تخلیق آدم علیہ السلام بھی ایک خاص یا غیر معمولی تخلیق تھی۔

مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ فرمائیے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ○

ترجمہ: (اور وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) ”جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں ایک بشر کو کھنکھناتی (بجتی) ہوئی مٹی سے جو سڑے ہوئے گارے سے بنی ہو گی پیدا کرنے والا ہوں۔ سو جب میں اس کو پورا کرلوں (پورے طور پر بنالوں) اور اس میں اپنی روح میں سے کچھ پھونک دوں (اپنی طرف سے جان ڈال دو) تو تم سب اس کے روبرو سجدہ میں گر پڑنا“۔

(سورۃ الحجر15: آیت 28‘ 29)

سورۃ ص 38: آیت 71‘ 72 میں بھی حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ذکر ہے۔

”روح“ کے معنی جان بھی ہے۔ آدمی میں ظاہری بدن کے علاوہ ایک چیز اور بھی ہے جس سے وہ زندہ ہو جاتا ہے (یا زندہ رہتا ہے) اور جب یہ نکل جاتی ہے تو بدن مردہ ہو جاتا ہے۔ یہی روح یا جان ہے۔

”بشر“ کے معنی آدمی کے ہیں یا انسان کے اور یہ لفظ صرف ایک انسان کے لیے استعمال ہوتا ہے زیادہ انسانوں کے لیے نہیں تو اس سے بھی ظاہر ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ایک فرد واحد کے طور پر ہوئی اور وہ اولین بشر تھے۔ چنانچہ آدمؑ کی تخلیق خصوصی ثابت ہوتی ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ آدم کا لفظ ابوالبشر آدم علیہ السلام کا نام نامی ہے۔ آپ سب سے پہلے انسان تھے جن سے دنیا آباد ہوئی اور جن کے سر پر خلافت الٰہی کا تاج رکھا گیا۔ دنیا کے سب انسان آپ ہی کی اولاد ہیں۔ اس لیے آدمی کہلاتے ہیں۔ آپ کا زمانہ بعض اہل تاریخ کے اندازہ کے مطابق آج سے دس ہزار سال قبل ہے۔ امام جلال الدین سیوطی ”الاتقاق“ میں لکھتے ہیں کہ لفظ آدم کے عربی اور عجمی ہونے میں اختلاف ہے جو ایلقی نے لکھاہے کہ انبیاء کرام کے نام بجز آدم‘ صالح‘ شعیب اور محمد

Marfat.com

علیہم الصلوٰۃ و السلام کے سب عجمی ہیں۔ عربی ہونے کی صورت میں بعض نے اسے ادمہ (گندم گونی) سے مشتق مانا ہے کیونکہ حضرت گندم گوں (گندمی رنگ یا سانولے) تھے اور بعض نے ادیم الارض (سطح زمین) سے کیونکہ اسی سے ان کا پتلا بنایا گیا۔ جو لوگ اسے عربی تسلیم نہیں کرتے ہیں ان میں سے بعض اسے سریانی زبان کا لفظ قرار دیتے ہیں اور بعض عبرانی زبان کا۔

جہاں تک حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ کا تعلق ہے راقم الحروف کو مورخین سے اختلاف ہے (دیکھئے صفحہ 143)۔ میری حقیر دانست کے مطابق آپ کا زمانہ پندرہ اور بیس ہزار سال کے مابین ہو سکتا ہے۔ ابن ابی خثیمہ کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی عمر 960 سال کی ہوئی اور نووی نے "تہذیب" میں لکھا ہے کہ ان کی عمر ایک ہزار سال ہوئی (الاتقان فی علوم القرآن)"

مندرجہ بالا آیت کریمہ میں لفظ "روح" آیا ہے جس کے بارے میں بھی ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

زندگی کی سانس یا روح کیا ہے؟

سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۖ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ۝

ترجمہ: "اور تجھ سے (اے محمد ﷺ) پوچھتے ہیں روح کیا ہے، کہہ روح میرے رب کے امر سے ہے مگر تم کو تھوڑا سا ہی علم دیا گیا ہے"

(سورۃ بنی اسرائیل 17: آیت 85)

"یہودیوں نے مکہ کے عربوں سے کہا کہ آپ ﷺ سے پوچھیں روح کیا چیز ہے اس آیت میں اس کا جواب ہے۔ ارشاد ہے کہ ان سے کہہ دیجئے کہ تم بعض مخلوقات کو جن میں انسان بھی ہے۔ زندہ دیکھتے ہو وہ اپنے ارادہ سے چل پھر سکتے اور کام کر سکتے ہیں یہ زندگی ایک قوت ہے جو ان کے اندر اللہ عزوجل کے حکم سے داخل ہوتی ہے اور وہ

Marfat.com

جاندار کہلانے لگتے ہیں اور جب وہ نکل جاتی ہے تو مردہ ہو کر گر پڑتے ہیں- یہی روح ہے- تمہارے لئے اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ روح اللہ کا حکم ہے جس کو وہ حکم دیتا ہے وہ اپنے ارادہ سے چلتا پھرتا اور سب کام کر سکتا ہے- اس سے زائد علم کی نہ تمہیں عملی کاموں کے لئے ضرورت ہے اور نہ تمہیں دیا گیا ہے- اسی مخمصے میں مت پھنسو اچھے کام کرنے کی کوشش میں لگے رہو"

انسان کو دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لیے عملاً جن باتوں کی ضرورت ہے قرآن مجید نے ان کو صاف طور پر کھول کھول کر سمجھا دیا ہے۔ مگر بعض باتیں ایسی بھی ہیں جن کا سمجھنا عوام الناس کے لیے نہ تو دنیا کی عملی زندگی کے لیے ضروری ہے اور نہ ان کو اتنی سمجھ ہے کہ ان کی تہ کو پہنچیں۔ اس لیئے ان کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنا عوام کو الجھنے میں ڈالنے کے برابر ہے۔ اس ساری گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ قرآن حکیم میں بعض باتوں کا سمجھنا ضروری نہیں کیونکہ ان کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ تاہم روح کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے اہل علم کوششیں کرتے رہے ہیں اور اب بھی کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جتنا بتانا تھا بتا دیا کہ روح " من امر ربی " "یعنی اللہ تعالیٰ کا امر یا حکم ہے۔ بس اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ کے حکم سے ایک چیز انسان کے بدن میں آپڑی وہ جی اٹھا۔ جب نکل گئی مر گیا مگر قارئین کی دلچسپی کے لیے چند حقائق و مشاہدات بیان کرنا چاہتا ہوں۔

اردو لغت میں لفظ "روح" کے کئی معنی دیئے ہوئے ہیں مثلاً زندگی' جان' آتما' کسی چیز کا ست یا جوہر' اڑ جانے والی چیز' حضرت جبرائیل علیہ السلام کا لقب' انسان' انسانی نفس (اندرونی) خواہش' جڑی بوٹیوں' پھلوں اور دانوں کا نچوڑ وغیرہ' نیز وہ خدا کی پاک روح جو بی بی مریم میں پھونکی گئی جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اسی نسبت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ بھی کہتے ہیں"۔

"روح" کی حقیقت کے بارے میں اطباء حضرات نے بھی توجیہات پیش کی ہیں مگر ان میں اختلاف رائے موجود ہے۔ کسی کے نزدیک یہ ایک مادی شے ہے' کسی کے نزدیک غیر مادی شے ہے۔ کسی کے نزدیک اس کا تعلق بیرونی ہوا سے ہے یعنی ہوا کے ایک جزو کے طور پر یہ جسم میں داخل ہوتی ہے۔ کسی کے نزدیک اس کا بیرونی ہوا سے کوئی تعلق نہیں جسم کے اندر ہی لطیف اختلاط کی آمیزش سے بنتی ہے کسی کے نزدیک اس کی تخلیق

قلب میں بیرونی ہوا کے ایک جزو اور لطیف اختلاط کے ملنے سے ہوتی ہے۔

☆ حکیم جالینوس نے بتایا کہ جس چیز کا نام "روح" ہے وہ بیرونی ہوا کا جزو ہے۔ یہ روح تنفس کے ذریعے شُش (پھیپھڑے) میں داخل ہوتی ہے اور وہاں سے قلب میں پہنچ کر حرارت بن جاتی ہے۔ اس نے یہ پیشین گوئی بھی کی تھی کہ کسی دن یہ روح "ہوا" سے علیحدہ کر لی جائے گی"۔ اسی طرح اور نظریات بھی ہیں جو اطباء حضرات نے پیش کئے ہیں۔ مثلاً علی بن ابن طبری، علی ابن عباس مجوسی، ابو سہل مسیحی، ابن سینا وغیرہ نے۔

اطباء حضرات نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ روح، ریح کا مترادف ہے جس کے معنی ہوا یا متحرک ہوا کے ہیں چنانچہ قدیم عربی مصنفین کی عبارتوں میں "روح کی جگہ "ریح" کا لفظ بھی ملتا ہے مثلاً روح انسان کی جگہ ریح انسانی وغیرہ۔

مصنف کی حقیر دانست کے مطابق "روح" کا تعلق بیرونی ہوا سے ہے اور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے جو روح حضرت آدم علیہ السلام کے خاکی جسم میں پھونکی وہ ہوا ہی ہو سکتی ہے کیونکہ پھونک کا تعلق ہوا ہی سے ہو سکتا ہے اور اس ہوا میں زندگی کا منبع صرف اور صرف آکسیجن (Oxygen) ہی ہو سکتی ہے۔ آکسیجن ہی زمین پر زندگی کا منبع ہے۔ یہ سانس لینے سے خون کی صفائی کرتی ہے اور جاندار کو عمل کے لیے توانائی مہیا کرتی ہے اور پھر کاربن ڈائی آکسائڈ کی صورت میں مثلاً جسم انسانی (یا کسی بھی زندہ جانور کے جسم) سے خارج ہو جاتی ہے۔ اور یہ کاربن ڈائی آکسائڈ بری اور بحری پودے جذب کر لیتے ہیں۔ پودے عمل ضیائی تالیف (Photosynthesis) کے ذریعے کاربن کو اپنی تعمیر کے لیے مختلف مرکبات اور پانی میں تبدیل کر کے رکھ لیتے ہیں اور خالص آکسیجن کو دوبارہ زمینی فضا میں شامل کر دیتے ہیں۔ یہ گیس پانی میں بھی حل پذیر ہے (ایک گرام پانی میں 0.4 مکعب سنٹی میٹر آکسیجن حل ہو جاتی ہے)۔ پانی میں حل شدہ آکسیجن سمندری مخلوق کی بقاء کے لیے نہایت ضروری ہے۔

☆ جالینوس: (130ء تا 200): یونان قدیم کا ایک مشہور حکیم اس کا اصلی نام کلاڈیس گیلنس (Claudius Gallnus) تھا۔ اور فن طبابت میں تمام علمائے یونان پر سبقت لے گیا تھا اس نے 400 سے زائد کتب فلسفے اور طب پر تصنیف کیں۔ ان میں سے تقریباً 100 کے قریب اب بھی موجود ہیں۔

Marfat.com

ہوا کی ترکیب میں آکسیجن 20.95 فی صد باقی نائٹروجن 78.07 فی صد کے علاوہ آرگون، کرپٹون، ہائیڈروجن، ذی نان، ہیلیم، آبی بخارات، کاربن ڈائی آکسائڈ اور اوزون شامل ہوتی ہے جن سب کی مجموعی مقدار ایک فیصد ہوتی ہے۔ چنانچہ ہوا گیسوں کا ایک آمیزہ ہے۔ آکسیجن سانس لینے میں معاونت کے علاوہ عمل احتراق یا جلنے کے عمل میں بھی معاون ہوتی ہے۔ ہوا میں سب سے زیادہ عنصر نائٹروجن ہے جو نہ تو سانس لینے میں مدد دیتی ہے اور نہ ہی جلنے کے عمل کو بلکہ یہ جلنے کے عمل کو روکتی ہے اور فضا میں آکسیجن کے جلنے کے عمل کی شدت میں کمی کا باعث ہوتی ہے۔ عمل تنفس کے لیے بھی نائٹروجن گیس آکسیجن کو پتلا کرتی ہے جس سے وہ بہ آسانی ہوا سے پھیپھڑوں کے ذریعے خون میں جذب ہو جاتی ہے اور پھر دوران خون کے ذریعے سارے جسم میں نفوذ کر جاتی ہے۔ یہی گیس خلیات کے اندر غذائی مواد کے ساتھ مل کر جلتی ہے جس سے حرارت غریزی (طبعی حرارت) پیدا ہوتی ہے۔ اسی حرارت سے جسم انسانی کا کارخانہ چلتا ہے۔ اگر آکسیجن کی ترسیل ایک ثانیے کے لیے بھی رک جائے تو جسم کی ہلاکت یقینی ہے۔

انسان خوراک (جس میں غذا اور پانی ہوتا ہے) کے بغیر چند روز تک زندہ رہ سکتا ہے مگر آکسیجن کے بغیر چند سکینڈ بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اگر کسی بھی جاندار کا منہ ہوا کے داخلے کے لیے کلی طور پر بند کر دیا جائے تو وہ فی الفور موت کی وادی میں چلا جائے گا۔ فضاء کے بالائی طبقات میں ہوا کی کثافت بتدریج کم ہوتی جاتی ہے جب کہ سانس لینے میں دقت پیش آتی ہے۔ چنانچہ کوہ پیمائی کرنے والے لوگ اپنے ساتھ آکسیجن کا سلنڈر لے جاتے ہیں تاکہ سانس لینے میں آسانی ہو (اس موضوع پر اسی کتاب میں دوبارہ بحث کریں گے) چنانچہ زندگی یا زندہ رہنے کے لیے آکسیجن کا فضا میں موجود ہونا پہلی شرط ہے۔ نظام شمسی کے باقی سیاروں میں آزاد آکسیجن نہ ہونے کی وجہ سے زندگی موجود نہیں ہے اگر ہے بھی تو ان کے محض آثار ہی ہوں گے اور وہ بھی ہو سکتا ہے محض مرکبات کی صورت میں ہوں۔

جہاں تک انسانی اعضاء بدن کے طبیعی افعال کا تعلق ہے اسی آکسیجن کے ذریعے ہی انجام پاتے ہیں یا ہم کہہ سکتے ہیں اسی روح کے ذریعے انجام پاتے ہیں۔ یہی روح ہوا سے پھیپھڑوں کے ذریعہ خون میں جذب ہو کر انسان کو زندہ رکھتی ہے۔ انسان کو زندہ

Marfat.com

رہنے کے لیے روح یا آکسیجن کی ضرورت ہے۔ میرا نظریہ صرف یہ ہے کہ روح یا آکسیجن ایک ہی چیز کے دو نام ہیں اگر ایسا نہیں ہے تو پھر روح میں آکسیجن کا عنصر ضرور موجود ہے اور میرے مشاہدے کے مطابق یہ روح ساری کائنات میں موجود ہے۔ میں قطعاً اس بات کا دعویٰ نہیں کرتا کہ میں نے "روح" کا بھید پا لیا ہے ہرگز نہیں محض سائنسی نقطہ نظر پیش کیا ہے۔ اور جو چیز اس نظریہ کے خلاف ہے وہ یہ ہے کہ زندگی کے سانس کے لیے آکسیجن نہایت ضروری ہے مگر جب کوئی جاندار مردہ ہو جاتا ہے تو پھر اسکو آکسیجن دینے سے یا اس کے اندر داخل کرنے سے وہ دوبارہ زندہ نہیں ہوتا چنانچہ اس اختلاف کی وجہ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ روح امر ربی ہے یعنی میرے رب کا حکم ہے اور بس! روح میں آکسیجن کے علاوہ کوئی اور چیز بھی ہو گی۔ بعض سائنس دانوں کی نظر میں یہ بھی مادی ہے۔ چنانچہ اگر اس میں آکسیجن موجود ہے تو یقیناً یہ مادی ہو گی۔

انگریزی زبان کی لغت میں روح کو سول (Soul) کہتے ہیں جس کی توجیہ مندرجہ ذیل فقرے میں کی جاتی ہے۔

"The spiritual and Immortal part of human being"

یعنی انسان کا روحانی اور لافانی حصہ گویا انسان کا وہ حصہ جس کا تعلق روح سے ہے اور روح کو ثبات حاصل ہے یعنی اسے موت نہیں اور ہمیشہ رہنے والی چیز ہے۔ چونکہ اللہ جل شانہ' نے اپنے سے یا اپنی "روح" میں سے کچھ "روح" حضرت آدم علیہ السلام کے خاکی بدن میں پھونکی تو چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو اثبات حاصل ہے' ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی اور چونکہ "روح" کا تعلق بھی اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے اس لیے وہ بھی ہمیشہ رہے گی (اور ہمیشہ سے ہو گی)۔

زمین کی فضا میں آکسیجن کے علاوہ جن باقی گیسوں کا ذکر کیا ہے وہ سب بے رنگ اور بے ذائقہ ہیں مگر کاربن ڈائی آکسائڈ اگرچہ بے رنگ ہے مگر اس کی ہلکی سی تیز بو ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کا سانس جب اس کے جسم سے باہر آتا ہے تو وہ بدبو دار ہوتا ہے اور اگر اس کا خدانخواستہ معدہ خراب ہو تو منہ کی طرف سے خارج ہونے والا سانس زیادہ بدبودار ہو گا۔ چونکہ کاربن ڈائی آکسائڈ کاربن کے احتراق (جلنے) سے پیدا ہوتی ہے اس لیے جو عنصر سانس کے ذریعے (ہوا سے) جسم کے اندر جاتا ہے وہ آکسیجن ہی ہے۔ باقی

Marfat.com

تمام گیس بے ضرر ہیں اور عمل تنفس میں کوئی حصہ نہیں لیتیں۔ اسی حوالہ سے کہا جا سکتا ہے کہ اگر روح زندگی کے لیے ضروری ہے تو پھر یا تو روح ہی آکسیجن ہو گی یا پھر آکسیجن روح کا ایک حصہ ہو گی۔

انگریزی زبان کا ایک اور لفظ سپرٹ (Spirit) ہے جس کے معنی بھی "روح" کے ہیں۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں سائنس دان ہوا میں ایسی چیز کی تلاش میں تھے جو زندگی کو سپورٹ کرتی ہے اور احتراق میں استعمال ہوتی ہے یا احتراق پذیر ہے۔ 1645ء میں ایک سائنس دان مایو (Mayow) نے اس چیز کا نام سپرٹ رکھا۔ 1774ء میں کیمیا دان پریسٹلے (Priestley) نے ایک گیس تیار کی (پارے کے کسی مرکب کو گرم کرنے سے جسے وہ کالکس (Calx) کہتے تھے اور اس نے دیکھا کہ عام ہوا کی بجائے چوہا اس گیس میں دوگنا عرصے تک زندہ رہتا ہے۔ آکسیجن کی دریافت کی کہانی بڑی طویل ہے۔ لہٰذا اختصار سے کام لیتے ہوئے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ بالآخر 1772ء میں کیمیا دان لیوائزیر (Lavoisier) نے اس کو دریافت کیا اور اس کا نام آکسیجن رکھا یعنی ایسی گیس جو آکسی ایسڈ (Oxy - Acid) ہے چونکہ اس میں غیر دھاتیں، مثلاً گندھک، فاسفورس اور کاربن جل کر تیزاب (Acids) بناتے ہیں۔

چنانچہ حکیم جالینوس کے سترہ سو سال بعد فرانسیسی کیمیا دان لیوازیر نے روح حیوانی کو ہوا سے جدا کر کے اس کا نام آکسیجن (ترشی پیدا کرنے والی) رکھ دیا۔ اسی کے ساتھ یہاں "روح" کے بارے میں گفتگو کو ختم کرتے ہیں۔

اب نظریہ تخلیق خصوصی کو مغرب میں تسلیم نہیں کیا جاتا ماسوائے مذہبی یا مذہب پرست لوگوں کے اور اس نظریۂ کے خلاف جو دلائل ہیں وہ بیان کریں گے۔

نظریۂ تخلیق خصوصی کے خلاف دلائل

1۔ جو لوگ خدا پرست یا مذہب پرست نہیں ہیں وہ اس نظریے کو نہیں مانتے۔

2۔ یہ کہا جاتا ہے کہ نظریۂ تخلیق خصوصی یا خود بخود تخلیق کے عمل کا عقیدہ قرون وسطیٰ میں عام تھا جب لوگ سوچتے تھے کہ جس طرح کیچڑ سے کیڑے، گلی سڑی مچھلی سے میگوٹ (بوزنے یا کیڑے) اور فضلے سے پھپھوندی (مولڈ) پیدا ہو سکتی ہے تو ایسے ہی خود بخود زندگی

پیدا ہو گئی ہو گی لیکن 1860ء میں پاسچیور (Pasteur) کے تجربات نے قائل کر دیا کہ یہ کیڑے ان مکھیوں کے انڈوں سے پیدا ہوتے ہیں جو وہ ان گندی چیزوں پر دیتی ہیں اور اسی طرح مختلف بیماریوں کے جراثیم بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اگر نامیاتی مادہ جراثیم سے بالکل پاک ہو تو اس میں گلنے سڑنے کا عمل بالکل نہیں ہوتا اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب باہر سے زندہ عضویہ (Organisms) اس میں آمیز ہو جاتا ہے۔ اس وقت سے آج کل طب کی سائنس میں تجربات اور خوراک کو محفوظ کرنے کے طریقوں نے یہ واضح کر دیا ہے کہ جدید دنیا میں زندگی خود بخود پیدا نہیں ہو جاتی۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔

الف۔ عمل تکسید آزاد آکسیجن کی موجودگی میں ہوتا ہے چنانچہ آزاد آکسیجن کی موجودگی میں عمل تکسید کی وجہ سے نامیاتی مادہ گل سڑ کر زیادہ تر کاربن ڈائی آکسائڈ اور پانی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر جنگلات میں نامیاتی ریشے (Organic Tissue) بڑی تیزی سے پیدا ہوتے ہیں، گرے ہوئے پتے اور درخت اتنی جلدی غائب ہو جاتے ہیں جتنی جلدی وہ پیدا ہوتے ہیں اور خواہ وہ آگ سے جل جائیں یا پھر گلنے سڑنے کے آہستہ عمل سے ضائع ہوں مگر آخر میں وہی نتائج حاصل ہوتے ہیں یعنی نامیاتی ریشوں کی پیدائش اور پھر ان کے گلنے سڑنے کا یہ عمل فطرت میں جاری رہتا ہے۔

ب۔ جدید دنیا بہت زیادہ پیچیدہ مخلوق سے بھری پڑی ہے جو نامیاتی مادے پر زندہ رہتی ہے اور اس کی بوسیدگی (Decay) کا بھی سبب بنتی ہے خاص طور پر ہمیشہ رہنے والی پھپھوندی اور بکٹیریا جو اس سڑاند اور گلنے سڑنے کا موجب بنتے ہیں۔ اگر ہماری زمین ایک گیس سحابیہ یا بادل سے معرض وجود میں آئی ہے، جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، تو یہ ایسے ابتدائی مرحلے میں گزری جب ان باشندوں میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو گا، حتیٰ کہ زندگی کی نمو ہو گئی تو قیاس ہے کہ یہ بالکل جراثیم سے پاک (Sterile) دنیا ہو گی۔ مزید برآں گزشتہ تصورات کے برعکس ابتدائی زمینی فضا میں شاید کوئی آزاد آکسیجن نہ تھی بلکہ یہ کاربن ڈائی آکسائڈ اور آبی بخارات پر مشتمل ہو گی۔

تمام عناصر میں سے کاربن میں یہ لاثانی خوبی ہے کہ وہ بہت سارے دوسرے عناصر کے ساتھ مل کر قیام پذیر مرکبات بنالیتا ہے اور اس طرح وہ بڑے پیچیدہ سالمے بنالیتا ہے مثلاً پروٹین جس سے زندہ (Living) مادہ بنتا ہے۔ تالیفی کیمیا نے بہت ساری اقسام کے ایسے

Marfat.com

سالمی مرکبات یا پالیمرز (مثلاً پلاسٹک، مصنوعی ربڑ، مصنوعی ریشم، نائیلون وغیرہ) تیار کر لیے ہیں اور یہ حالیہ سالوں میں وسیع پیمانے پر صنعت میں تیار ہو رہے ہیں مگر صنعت میں کچھ ایسے مرکبات ہیں جو کیمیائی تعاملات میں سرعت پیدا کر دیتے ہیں۔ ایسے مرکبات کو عمل انگیز کہتے ہیں مگر وہ خود کیمیائی تعاملات میں قطعاً حصہ نہیں لیتے۔ وہ محض تعاملات کی رفتار کو بڑھا دیتے ہیں اور وہ فطرتی طور پر رونما ہوتے ہیں۔ اب ذرا ان حالات کو زیر غور لائیے کہ ہماری قدیم زمین میں کاربن ڈائی آکسائڈ تھی، جس کی وجہ سے مختلف اقسام کے نامیاتی مرکبات ضرور پیدا ہو گئے ہوں گے اور ایسے جراثیموں سے پاک اور آزاد آکسیجن سے پاک دنیا میں قائم رہے اور سمندروں اور جھیلوں میں اکٹھے ہو گئے ہوں گے اور کم گہرے پانی در حقیقت ان مرکبات کے پتلے محلول ہوں گے۔ تب یہ تھا ماحول، اتنا مختلف، ہماری جدید دنیا سے جس میں زندگی قدرتی طور پر شروع ہو گئی ہو گی۔

یہ مسئلہ اتنا سادہ نہیں ہے چونکہ زندہ رہنے والے عضویہ (Living Organism) میں ان مرکبات کی ایک بڑی ورائٹی ہوتی ہے مگر وہ ایک حتمی اور تقریباً لا محدود پیچیدہ نظاموں میں ترتیب دیئے گئے ہیں تاکہ بعض ان میں سے عمل انگیز کا کام سرانجام دیں اور دوسرے ایک پیچیدہ طریقوں سے تعامل کرتے ہیں توانائی کو محفوظ کرنے اور آزاد کرنے میں جو زندہ چیزوں میں ظاہر ہے۔ اس توانائی کا پہلا بڑا منبع سورج کی روشنی تھی جو اب بھی ایک بڑا ذریعہ ہے جس سے پودے ضیائی تالیف (Photosynthesis) کے ذریعے نامیاتی مادہ بناتے ہیں اور جب فضا میں آزاد آکسیجن ظاہر ہونا شروع ہو گئی تو پروٹین کی تکسید کے لیے پھر بھی ایک موثر توانائی کا ذریعہ موجود تھا۔

حیوانی تحول (ANIMAL META BOLISM) میں یہی موجودہ توانائی کا ذریعہ ہے۔

چنانچہ اس استدلال سے یا ان نتائج کی بنا پر ہم نے ان حالات کی تصویر کشی کی ہے جس کے تحت پروٹین پیدا ہو گئی ہوں گی (جو زندگی کی ابتدا کے لیے ضروری ہیں) اور سادہ ترین زندگی کی اقسام کا ظہور ہوا ہو گا۔ حالیہ تجربہ گاہ میں کیے گئے تجربات تو ایک قدم آگے نکل گئے ہیں۔ شکاگو میں جیو کیمیکل لیبارٹری میں ڈاکٹر☆ ایس ایل ملر نے

☆ MILLER, STANLEY.L.A production of amino acids under possible primitive earth conditions, Science Vol.117 pp 528,529, 1953.

Marfat.com

میتھین (CH_4)، ایمونیا (NH_3)، پانی کے بخارات (H_2O) اور ہائیڈروجن (H_2) گیسوں کے آمیزہ کو الیکٹرک ڈسچارج کے اوپر گذارا (یا ان میں بجلی گذاری جس کو توانائی تصور کیا گیا) اور کچھ مدت کے بعد یہ دیکھا گیا کہ اس اپریٹس کے پیندے میں موجود پانی میں بعض امینو ایسڈ بن گئے تھے جو پروٹین کے بنیادی یونٹ ہیں۔

ابھی تک کوئی بھی زندہ ٹشو تجربہ گاہ میں مصنوعی طریقہ سے پیدا نہیں ہو سکا اور شاید ہمیشہ نہ بن سکے (اور یہ کائنات کا سربستہ راز رہے) یا زندگی کی تخلیق کا راز ہی رہے۔ چونکہ ان پروٹین کی ترتیب و تنظیم (یا نظام) زندگی کی سادہ ترین اشکال میں (حیران کن طریقہ سے) انتہائی پیچیدہ ہے لیکن علم فلکیات اور کیمیا میں موجودہ تحقیق اور بصیرتیں (Insights) یہ تجویز کرتی ہیں کہ ہم ایسی دریافتوں کے بالکل قریب ہیں جو ہمیں اس قابل بنا دیں گی کہ ہم یہ سمجھ سکیں کہ جب یہ دنیا جوان تھی تو اس میں زندگی کیسے شروع ہوئی۔

مندرجہ بالا دلائل بھی زندگی کی ارتقاء کی طرف اشارہ کرتے ہیں یعنی یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ چند عناصر نے کروٹ لی اور وہ پروٹین میں تبدیل ہوئے جو زندہ عضویہ میں تبدیل ہو گئے اور پھر زندگی کی مختلف اقسام اور جہتوں میں زندگی کا ارتقا ہوا لیکن وہ کیسے زندہ عضویہ میں تبدیل ہوئے ابھی تک کوئی بھی ماہر حیاتیات یا ماہر فلکیات یا ماہر ارضیات اس بنیادی سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔ نظریہ تخلیق خصوصی کی نفی میں مندرجہ ذیل دلائل بھی دیئے جاتے ہیں اور یہ بھی نظریہ ارتقاء کی ہی طرف ہماری سوچ کو مبذول کرواتے ہیں۔

3۔ ازمنہ قدیم میں لوگ چند سو کی تعداد میں جانوروں سے واقف تھے اور ان کے پاس علم حیاتیات (Biology) نہ تھا لہٰذا ان کے لیے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجانے والی تھی اور سادہ معلوم ہوتی تھی اور نہایت ہی قابل قبول توجیہ تھی اور اتنی ہی قدرتی تھی جتنا اس زمانے میں یہ یقین تھا کہ ہماری زمین چپٹی ہے اور یہ کائنات کا مرکز تصور کی جاتی تھی جس کے گرد سورج اور چاند محو گردش تھے اور اس قسم کے ابتدائی تصورات کی بنا پر اس کو قدیم الہامی یہودی کتابوں (Hebrew Scriptures) میں شامل کر لیا گیا اور اس نے صدیوں تک عیسائی دنیا کی فکر پر گہرے اثرات مرتب کیے۔

Marfat.com

گھریلو یا پالتو جانوروں اور پودوں کی نسل پروری کے طویل اور وسیع تجربہ نے ایک مختلف مبداء (Origin) کا تصور دیا۔ اس سلسلہ میں کئی مثالیں دی جاتی ہیں مثلاً کتے کی تمام جدید نسلوں کا تعلق (پیچھے کی طرف اس کا کھوج نکالا جائے) تو کسی جنگلی کتے کی منفرد انواع سے ہے اور ہمارے آج کے چاق و چوبند اور سمارٹ گھوڑوں کا تعلق کسی قدیم ٹٹو کی نسل سے ہے اور مویشیوں کی بہت ساری نسلیں ایک یا چند جنگلی (مورث اعلیٰ) آباؤ اجداد سے ہیں۔ اگر یہ ممکن ہو گیا ہے کہ چند ہزار سالوں کے اندر ایک جنگلی کتے کو چھوٹے کتے (Poodle) یا بل ڈاگ (Bulldog) یا کسی اور نسل میں تبدیل کر لیں تو پھر یہ بات حیران کن تو ضرور ہے کہ ہر قسم کی جنگلی زندگی بھی کسی دوسری اقسام سے فروغ پائی ہو گی یعنی کسی دوسری نسل کے بطن سے پیدا ہوئی ہو گی مگر بتدریج اور تخصیص (یا توافق خصوصی) کے ساتھ اسی خیال نے نامیاتی ارتقاء کے عقیدہ (Doctrine) کو جنم دیا ہے جو ایک یقین ہے کہ کسی بہت ہی دور جیولاجیکلی زندگی کی قدیم اشکال سے موجودہ اقسام کے تمام جانوروں اور پودوں کی نمو ہوئی ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی ارتقاء کسی ماضی کی شکل سے بتدریج اور ایک تربیت کے لحاظ سے ہوئی ہے۔ اس تصور کے مطابق تمام مخلوق جنینیاتی (Genetically) لحاظ سے ایک دوسرے سے تعلق رکھتی ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح ایک بڑی انسانی فیملی کے ممبران اور جانوروں اور پودوں کے مختلف گروہوں کے تعلق کے درجے کو ایک خاندانی شجر کی شاخوں سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس شجر کو شجر نسب یا شجرہ نسب کہتے ہیں۔

اس بات پر غور کیا جائے کہ نظریہ ارتقاء "تخلیق خصوصی" سے کسی طور پر بھی کم نہیں ہے جس کا تصور الہامی کتابوں میں موجود ہے۔ یہ صرف تخلیق کا ایک مختلف طریقہ ہے جو اب بھی ہمارے اردگرد کار فرما ہے اور ہم اسے سمجھنے کی امید کر سکتے ہیں۔ ابھی ارتقاء کے طریقوں اور ذرائع کے بارے میں بہت کچھ سیکھنا ہے جس کے ذریعہ یہ رونما ہوتی ہے لیکن اہل علم اس میں اب شک نہیں کر سکتے کہ یہ بھی تخلیق (Creation) کا یک طریقہ ہے اور علم حیاتیات کے میدان میں ایک راہنما اصول کے طور پر عالمگیر قبولیت حاصل کر چکا ہے، یعنی کلی طور پر قبول کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

ب۔ ارتقائے حیات کا نظریہ

ارتقائے حیات کے نظریے کو حیاتیاتی ارتقاء (Biological Evolution) بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس نظریے یا فلسفے کا بانی چارلس ڈارون سمجھا جاتا ہے (حالاں کہ یہ غلط ہے کیونکہ ڈارون سے پہلے بھی ارتقاء کے بارے میں مختلف نظریات پائے جاتے تھے جن کا آپ مطالعہ فرما چکے ہیں۔ نظریہ "تخلیق خصوصی" کے بارے میں اختلاف کے سلسلہ میں آپ ان دلائل کا مطالعہ بھی فرما چکے ہیں جو درحقیقت نظریہ ارتقاء کا ہی پرچار ہیں۔ چنانچہ اب ہم اس کے مختلف پہلوؤں پر بحث کریں گے۔

جب زمین پر حالات سازگار ہوئے' سمندر بن چکے اور خشکی پیدا ہو چکی تو پانی میں موجود عناصر کاربن' آکسیجن' ہائیڈروجن نے کروٹ لی اور اچانک ایک واحد خلیہ (Single Cell) کی صورت اختیار کر لی۔ آپ جانتے ہیں کہ ہر حیاتیاتی شے خلیے سے بنتی ہے۔ جس طرح مرد کے کرم منی (جو ایک خلیہ ہوتا ہے) اور عورت کا انڈا یا بیضہ (بھی ایک خلیہ ہوتا ہے) دونوں آپس میں مل کر بچے کی پیدائش کا باعث بنتے ہیں۔ اس طرح یہ خلیہ کثیر خلوی (Multicellular) یا کثیر الخلایا بن گیا۔ یہ نباتات اور حیوانات میں تبدیل ہو گیا۔ پہلا خلیہ جو بنا وہ سبز تھا یعنی اس میں کلوروفل (Chlorophyll) موجود تھا اور یہ الجی (کائی) کی ایک قسم تھا۔ اس میں حیوانات اور نباتات کی ملی جلی خاصیتیں تھیں اور اسی خلیے سے آگے مختلف مدارج طے کرتے ہوئے حیوانات اور نباتات کی مختلف نسلیں بنیں۔ ایسے خلیے جو بہ یک وقت جانور بھی ہیں اور پودے بھی آج بھی ملتے ہیں۔ ایک کا نام کلیمی ڈوموناز (Chlamydomonas) ہے اور دوسرے کا نام والوکس (Volvox)۔ ایک اور قسم یوگلینا (Euglena) بھی اسی زمرے میں شامل ہے۔ ان میں کلوروپلاسٹ (Chloroplasts) بھی ملتے ہیں اور آنکھ کا نقطہ (Eye - Spot) بھی۔ یہ جانوروں کی طرح چلتے ہیں اور گندگی باہر خارج کرتے ہیں' سانس لیتے ہیں مگر خوراک پودوں کی طرح بذریعہ اشعاعی یا ضیائی تالیف (Photosynthesis) بناتے ہیں۔ اس لیے ایک طرف تو ماہر نباتات ان کو الجی (کائی) تسلیم کرنے پر متفق ہیں تو دوسری طرف ماہر حیوانات ان کو حیوانات (گروپ یک خلیے (Phylum - Protozoa)) ثابت کرتے ہیں۔ اس ارتقاء کا

Marfat.com

ایک ایسا ثبوت دستیاب ہو جاتا ہے جسے جھٹلانا ممکن نہیں۔ وہ خلیہ جس کا ذکر ہو رہا ہے وہ کائی الجی (Algae) کا تھا۔ پھر ایک دن ایسا ہوا کہ اس دو صنفی یا دو جنسی (Bisexual) خلیے سے ایک خلیہ (Unicellular) جانور بن گیا جسے امیبا (Amoeba) کا نام دیا گیا۔ یہ خالصتا" جانوروں والے خواص رکھتا تھا اس لیے اسے جانور کہا گیا۔ اس امیبا کے (یہ یاد رہے کہ یہ واحد ۃ الخلیہ ہے اور صرف کیچڑ یا گندے پانی میں ملتا ہے اور صرف خوردبین سے نظر آتا ہے) وجود سے آگے لاکھوں کروڑوں خلیوں کے حیوان پیدا ہوتے چلے گئے جن میں کیڑے، مچھلیاں، مینڈک ڈینو سارز (Dinosaurs) کرلے، سانپ (رینگنے والے جانور) بندر اور آدمی سبھی شامل ہیں۔

ہم نے امیبا سے انسان تک کا سفر بڑی رفتار سے طے کر لیا ہے لیکن اس سفر کو قدرے تفصیل سے بیان کریں گے۔ اردو اصطلاحات کے ساتھ انگریزی اصطلاحات دی گئی ہیں تاکہ حیاتیات کی اصطلاحات باآسانی سمجھ میں آجائیں۔ ماہر حیاتیات کہتے ہیں کہ امیبا سے پیرامیسیم (Paramacium) سائی کون (Syeon)، آبیہ (Hydra)، جیلی مچھلی (Jelly - Fish)، پلے نیریا (Planaria)، ایس کیرس (Ascaris) جونک (Leach)، کینچوا (Earth Worm)، مکھیاں، مچھر، ٹڈے (Insecta)، کیکڑے، تارا مچھلی (Star Fish) بلے نو گلاسس (Blanoglossus)، مچھلیاں (Fishes)، مینڈک (Toads)، کرلے (Lizards)، سانپ (Snakes)، پرندے (Aves) بندر اور آدم نما (Monkeys and Anthropoid) اور آدمی (Man) نمودار ہو گئے۔ یہ تھا زندگی کی نمو اور ارتقائے حیات کی کہانی کا نہایت ہی مختصر خاکہ۔

قابل غور باتیں

اس فلسفے کو سامنے رکھتے ہوئے چند باتیں ذہن میں آتی ہیں جو قابل غور ہیں۔

1۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ چند کیمیائی عناصر کے کروٹ لینے سے یا آپس میں ملنے سے خلیہ بن گیا۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان عناصر کو کسی ٹسٹ ٹیوب میں اسی نسبت سے اور اسی قدیم فضا میں رکھا جائے اور کوئی بیرونی انرجی مہیا کی جائے (مثلاً بجلی کا کرنٹ) تو کیا خلیہ بن جائے گا؟ اس سوال کا جواب ہاں میں ہے جو نظریہ خصوصی کے خلاف دلائل کے

Marfat.com

سلسلہ میں صفحہ 101 پر بیان ہو چکا ہے۔ یہ خلیہ بالکل یا ہوبہو وہی ہے جو کبھی پیدا ہوا ہو گا (جیسا کہ ماہر حیاتیات بتاتے ہیں) مگر اس مصنوعی خلیے میں وہ چیز آج تک نہیں ملی جسے ہم (روح) کہتے ہیں اور جس کا تفصیلی ذکر 112 تا 116 صفحات پر ہو چکا ہے۔

2۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ کیمیائی عناصر کیوں اور کیسے ملے؟ (اگر اس نظریے کو تسلیم کرلیا جائے تو سائنس دان اسے ایک حادثہ قرار دیتے ہیں) مگر یہ مان لینے میں جانے کیوں قباحت محسوس کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ عزوجل کے حکم سے ہوا جو عظیم ہستی اور خالق ہے۔ اسی طرح زمین کی تخلیق کو بھی ایک حادثہ قرار دیتے ہیں اگر زمین بننے کے متعلق بھی یہی نظریہ تسلیم کرلیا جائے تو پھر اسے بھی حادثہ قرار نہیں دیا جا سکتا یا حادثہ قرار نہیں دینا چاہیے بلکہ خداوند قدوس کی رضا اور حکم تسلیم کرلینا چاہیے!

3۔ تیسرا سوال جو ذہن میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ کیا یہ مان لیا جائے کہ امیبا یا الجی کا ایک خلیہ پودا یا جانور ہمارا آباؤ اجداد یا مورث اعلیٰ ہے؟ اس کا جواب سائنس دان یہ دیتے ہیں کہ اعلیٰ جانور (جو آجکل ملتے ہیں) ادنیٰ جانور سے اخذ کیے گئے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ادنیٰ جانور ہمارے آباؤ اجداد تھے۔ مثلاً یہ کہنا غلط ہو گا کہ بندر یا میمون (ایپ) آدمی کے آباؤ اجداد ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آدمی اور بندر کے آباؤ اجداد ایک تھے جہاں سے یہ دونوں الگ الگ راستوں پر چل نکلے بالکل اسی طرح جیسے ایک آدمی کے دو بچے ہیں۔ ایک بچپن سے انگلستان چلا جائے اور دوسرا کسی افریقی ملک میں رہے تو وہ اپنے اپنے ماحول سے مطابقت پیدا کرلیں گے۔ عین ممکن ہے کہ سال با سال بعد ان کی نسلیں جو پیدا ہوں وہ ایک دوسرے سے سراسر مختلف ہوں مثلاً یہ کہ مختلف ارضی اور آب و ہوائی اثرات کی وجہ سے ان کے جبڑے، بالوں کے رنگ، ٹانگوں کی ہڈیاں وغیرہ ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔ چنانچہ جب بندر اور انسان الگ الگ خطوط پر نشوونما پانے لگے تو ان کے مشترکہ آباؤ اجداد غائب ہو گئے۔ اسی طریقے کو دوسرے جانوروں پر بھی منطبق کیا جا سکتا ہے۔

4۔ چوتھا سوال ذہن میں یہ آتا ہے کہ مانا کہ یک خلوی جانور یا امیبا بن گیا تو پھر امیبا سے دوسری مخلوق جس کا ذکر ہو چکا ہے کیسے بن گئے؟ جب کہ امیبا تو واحد الخلیہ ہے اور یہ جانور (سوائے پیرامیسیم کے) کثیر خلوی ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ امیبا تقسیم ہوا اور

Marfat.com

ایک خلوی سے دو یا تین خلوی یا کثیر خلوی بن گیا جیسے آبیہ مگر حیاتیات سے دل چسپی رکھنے والے سائنس دان بخوبی جانتے ہیں کہ اگر امیبا کو کاٹ دیا جائے (یا وہ قدرتی طور پر اپنی نسل بڑھائے) تو وہ امیبا ہی رہتا ہے آدمی نہیں بن جاتا۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب ناممکن ہے اور اس کا جواب بھی اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہی جانتی ہے۔

ارتقاء کا مفہوم کیا ہے؟

ارتقاء کا نظریہ (فلسفہ) اس طرح ہے:

1۔ کوئی جنس (نوع Species) مستقل نہیں ہے۔ بلکہ تغیرپذیر ہے۔ اس تغیرپذیری کی وجہ سے ایک جنس (نوع) دوسری نوع میں تبدیل ہوتی جاتی ہے اس طرح آج کی ترقی یافتہ اقسام ماضی کی ترقی یافتہ اقسام سے بنی ہیں۔

2۔ اگر ہم ایک جانور کا شجرہ نسب بنائیں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اس کی نسلوں میں مختلف اوقات میں مختلف تبدیلیاں ہوتی آئی ہیں اور اس کے آباؤاجداد ساخت میں اس سے سادہ تھے۔

3۔ یہ مان لیا جاتا ہے کہ کثیر خلوی جانوروں کے آباؤاجداد یک خلوی تھے۔ جب ارتقاء ہوا تو ان یک خلوی جانوروں سے کچھ کثیر خلوی بن گئے۔ جو کثیر خلوی بن گئے ان سے مختلف خطوط نکلے۔ مختلف خطوط مختلف جانوروں کو لیے ہوئے مختلف سمتوں میں نکل گئے۔ ایک خط بندروں کی طرف آگیا دوسرا آدمی کی طرف نکل گیا وغیرہ وغیرہ۔ ملاحظہ فرمائیں شکل صفحہ نمبر(۱)۔

ارتقاء کے حق میں دلائل

"ارتقاء ہوا ہے" اس کے حق میں حیاتیات کی کتب میں جو دلائل دیئے جاتے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔ اس موضوع پر ایک مکمل کتاب تحریر کی جا سکتی ہے مگر کتاب کی ضخامت و طوالت کم رکھنے کے لیے اختصار سے کام لیا گیا ہے۔

1۔ گروہ بندی (CLassification)

2۔ اعضامیں بنیادی یکسانیت (Homologies)

3۔ فالتو اعضا (Vestigial Organs) یا ساختیں (Structures)

Marfat.com

4۔ مصابرت یا تعلقاتی کڑیاں یا رابطہ کڑیاں (Connecting Links)

5۔ جنینیاتی دلائل یا شہادتیں (Embroyological Evidences)

6۔ علم رکاز یا متحجرات اور ارتقا (Palaeontology and Evolution)

1۔ گروہ بندی

جانوروں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر گروہ کی اپنی خصوصیات ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ مکڑی، کرم شکم (پیٹ کا کیڑا) امیبا، تارا مچھلی، عام مچھلی، مینڈک، مرغی اور کنگرو کو ایک ہی گروپ میں رکھ دیا جائے۔ ایسا کرنے سے پیشتر کچھ اصول مد نظر رکھے جاتے ہیں مثلاً عام پرندوں کو پرندوں کی کلاس (Class Aves) میں رکھا جاتا ہے کیونکہ ان کا جسم پروں سے ڈھکا ہوا ہوتا ہے جو کسی دوسرے گروہ کے جانوروں میں نہیں ملتا۔ اسی طرح آدمی، بندر، گائے، بھینس، کنگرو، چیونٹی خور (Anteater)، گھوڑے، شیر کو ایک ہی گروہ میں رکھا جاتا ہے کیوں کہ ان سب میں "پستان" پائے جاتے ہیں۔ اس گروہ کا نام "ممالیہ" ہے لیکن مینڈک، مچھلی، کرلے، کوے، انسان کو ایک ہی بڑے گروہ میں رکھا جا سکتا ہے۔ اس گروہ کو کارڈیٹا (Chordata) کہا جاتا ہے۔ اس گروہ کے خواص یہ ہیں۔ 1۔ یہ ریڑھ کی ہڈی رکھتے ہیں۔ 2۔ مرکزی نظام اعصاب ہوتا ہے۔ 3۔ گلپھڑے (ہوائی یا جنین) ملتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ بنیادی خواص جو چند جانوروں میں مشترک ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ تمام کسی ایسے مبداء سے نکلے ہیں جن میں یہ خواص لازماً ہوں گے۔ اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ کوے، بندر، مچھلی، آدمی کا مبداء ایک ہی ہے۔ اس طرح عام جانوروں کو ایک شجر (درخت) کی صورت میں ظاہر کیا جاتا ہے۔ یہ درخت اس بات کی پختگی سے یقین دہانی کراتا ہے کہ ارتقا ہوا ہے (دیکھئے یہ درخت شکل ا)

2۔ اعضا میں بنیادی یکسانیت

اگر ہم کسی گروہ کے جانوروں کے خواص کا مطالعہ کریں تو ان میں اگرچہ ہمیں بڑے بڑے فرق ملتے ہیں۔ لیکن وہ کچھ بنیادی یکسانیت بھی رکھتے ہیں مثلاً اگر ہم ریڑھ کی ہڈی والے جانوروں یا ذوالفقرات (Vertebrata) گروہ کا مطالعہ کریں تو ہم پائیں گے کہ مختلف کلاسوں میں اگلے ہاتھ (Fore - Limb) مختلف حالتوں میں اس طرح تبدیل ہو کے

Marfat.com

ہیں کہ جانور کو اپنے آپ کو اپنے ماحول کے ساتھ مناسبت رکھنے میں آسانی ہو مگر ان کی بنیادی ساخت ہر حالت میں ایک ہی ہے۔ مثلاً پرندوں میں یہ پروں میں اور مچھلیوں میں یہ جھالروں (Flippers) میں تبدیل ہو گئے تاکہ پرندے ہوا میں اڑ سکیں اور مچھلیاں پانی میں تیر سکیں۔ اگر ہم ان جانوروں کی اگلے ہاتھوں کی بنیادی ساخت دیکھیں تو ہم دیکھیں گے۔

1۔ بالائی ہاتھ ایک لمبی ہڈی پر مشتمل ہے۔
2۔ نچلا بازو (Fore - Arm) دو لمبی ہڈیوں پر مشتمل ہے۔
3۔ کلائی (Wrist) چھوٹی ہڈیوں پر مشتمل ہے۔
4۔ ہتھیلی (Palm) لمبی ہڈیوں پر مشتمل ہے۔
5۔ انگلیاں (Fingers) چھوٹی ہڈیوں پر مشتمل ہیں۔

اسی طرح کا پلان، نظام خون، نظام افزائش، نظام عضلات اور نظام انہضام میں بھی ملتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان جانوروں کا مبداء ایک ہی ہے۔ یہاں نظریہ تخلیق غیر معمولی پر اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ اگر ان جانوروں کو خصوصی طور پر تخلیق کیا گیا ہے یا سپیشل تخلیق کے ذریعے پیدا کیا گیا ہے اور ان میں یہ طاقت پہلے سے ہی عطا کر دی گئی ہے کہ وہ مختلف حالات میں زندہ رہ سکیں تو پھر مختلف جانوروں کے گروپوں کے اعضاء کی ساخت کا ایک ہی قسم کا جنرل پلان (Plan) کیوں ملتا ہے؟ اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ ان تمام جانوروں کا مبداء ایک ہے تو پھر مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔

رینگنے والے جانوروں میں، مڈغاسکر میں پائے جانے والے ایک بندر نما پستانیہ جانور کے ڈھانچے اور انسان کے ڈھانچے ایک ہی بنیادی پلان پر بنائے گئے ہیں اور ان کے عناصر ایک دوسرے سے ہڈی تا ہڈی ملتے ہیں۔ ان مثالوں سے ان جانوروں کا آپس میں تعلق یا رشتہ داری (Kinship) ہے یعنی ایک ہی خاندان معلوم ہوتا ہے، ایسے آباؤ اجداد جن کی پاؤں کی پانچ انگلیاں تھیں۔ اور ان سب باتوں کی تشریح کسی اور بنیاد پر نہیں ہو سکتی۔

Marfat.com

3۔ فالتو اعضاء

کئی جانور کچھ ایسے اعضا بھی رکھتے ہیں جن کا کوئی مقصد نہیں۔ ان کا کوئی عمل نہیں۔ اگر ہم نظریہ تخلیق خصوصی کو درست تسلیم کرتے ہیں تو اس کا جواب کون فراہم کرے گا کہ ان اعضاء کے پیدا کرنے کا کیا مقصد ہے؟ جب کہ نظریہ تخلیق یہ کہتا ہے کہ تمام اعضا مختلف کاموں کے لیے پیدا کیے گئے ہیں تاکہ جانور اپنے ماحول سے سمجھوتہ کر سکے۔ ارتقاء کا نظریہ اس سلسلے میں یہ کہتا ہے کہ یہ اعضاء جن جانوروں میں ملتے ہیں ان کے آباؤ اجداد میں یہ کام بھی کرتے تھے مگر جوں جوں ارتقاء ہوتا گیا ان کا کام بھی موسمی حالات بدلنے کی وجہ سے ختم ہوتا چلا گیا اور یہ اپنی بے مقصد حالت میں باقی ہیں جو ہمیں اپنے آباؤ اجداد کی یاد دلاتے ہیں۔

مثالیں

(الف) **کیوی** (Apteryx) ایک پرندہ ہے جو نیوزی لینڈ میں ملتا ہے۔ اس کو یا اس کی تصویر تو لوگوں نے دیکھی ہوگی۔ یہ پرندہ اڑنے کے قابل نہیں۔ اس کے پر بہت چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں اور مکمل طور پر بال نما پروں کے نیچے چھپے ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ پرندہ بغیر پروں کے معلوم ہوتا ہے۔ ان چھوٹے پروں کا کوئی فائدہ نہیں۔ کبوتر کے پروں کا پلان بھی یہی ہوتا ہے مگر یہاں پر بڑے اور کارآمد ہوتے ہیں اور اڑنے میں مدد دیتے ہیں۔ اس لیے یہ کہا جاتا ہے کہ کیوی پرندوں کے ارتقا کے دوران یافتوں سے پیچھے رہ گیا تھا اس لیے اس کے پر چھوٹے اور ناکارہ ہیں۔

(ب) **سانپوں** میں عام طور پر اگلے یا پچھلے پیر (پاؤں) نہیں ہوتے مگر ایک سانپ ہے جس کا نام (Python) ہے۔ اس میں یہ ہاتھ پیر بہت ہی مختصر طور پر نظر آتے ہیں۔ اس سانپ کے لیے ان ہڈیوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے لیکن یہ ہڈیاں یہ ثابت کرتی ہیں کہ سانپ کسی ایسے جانور سے اخذ شدہ ہیں جن میں ہاتھ اور پیر کی ہڈیاں ہوں گی جیسے کہ (Lizards) وغیرہ مگر جب انہوں نے چلنے کا ایک نیا طریقہ (جیسے موجودہ سانپ چلتا ہے) معلوم کر لیا تو انہیں ہاتھوں پیروں کی ضرورت نہ رہی۔ اس لیے جب ان کا کوئی مقصد نہ رہا تو یہ چھوٹے ہونا شروع ہو گئے اور اب روبہ زوال ہیں۔

(ج) **وہیل مچھلی** کی ایک قسم ہوتی ہے جس کا نام (Balaenoptera) ہے۔ جب یہ اپنے جنینیاتی حالت (Embryo Form) میں ہوتی ہے تو اس میں دانت ہوتے ہیں مگر جب یہ پیدا ہوتی ہے تو یہ دانت گر جاتے ہیں۔ یہ اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ ان مچھلیوں کے آباؤ اجداد یقیناً ایسے ہوں گے جن کے دانت جوانی کی حالت میں بھی قائم و دائم رہتے ہوں گے۔

(د) **انسانی جسم** میں ایسے اعضا کی تعداد تقریباً 180 کے قریب ہے ان میں سے چند اعضا کی وضاحت نذر قارئین کرام ہے۔

(1) انسانی جسم میں ریڑھ کی ہڈی کا آخری سرا ہے۔ یہ اپنی بہت مختصر حالت میں رہ گیا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ کسی زمانے میں یہ حصہ کافی ترقی یافتہ تھا اور دم کی صورت میں تھا۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد ایسے (جانور) تھے جن کی دُمیں ہوتی تھیں۔ ایسی مثالیں آج بھی مل جاتی ہیں ایسے بچے پیدا ہوتے ہیں جن کی دمیں ہوتی ہیں۔ ایک ایسا بچہ پیدا ہوا تھا جس کی دم نو انچ تھی۔

(2) انسانی جسم اور کچھ دوسرے جانوروں میں ایک لمبی اندھی نلی (Tube) ملتی ہے جو ورمی فورم اپنڈکس (Vermiform Appendix) کہلاتی ہے۔ یہ بڑی آنت کے شروع میں ملتی ہے۔ جانوروں میں یہ مفید کام سرانجام دیتی ہے مگر انسان میں اس کا کوئی کام ہی نہیں۔ فائدے کی بجائے الٹا نقصان پہنچاتی ہے۔ ایک بیماری اس کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے جسے اپنڈے سائٹس (Appendicitis) کہتے ہیں۔ جو شدید درد کا باعث بنتی ہے۔ اس کا علاج آپریشن ہے یعنی اسے سرجری کے ذریعہ نکال دیا جاتا ہے۔ اگر اسے بروقت نہ نکالا جائے اور یہ پھٹ جائے تو انسان کی موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔

(3) ممالیہ جانوروں میں کانوں کے لیے تین عضلات ہوتے ہیں۔ ان عضلات کی وجہ سے جانور اپنے بیرونی کان (Pinna) کو حرکت دینے کی قدرت رکھتے ہیں۔ یہی عضلات کم ترقی یافتہ حالت میں انسان میں بھی ملتے ہیں۔ اب بھی کچھ بچے ایسے پیدا ہو جاتے ہیں جن میں کان کو حرکت دینے کی قدرت ہوتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ انسان کے آباؤ اجداد ایسے جانور تھے جو اپنے کانوں کو حرکت دینے کی قدرت رکھتے تھے۔

(4) بہت سے جانوروں میں آنکھوں کا ایک تیسرا پپوٹہ (Third Eyelid) ہوتا ہے جو

غشائے چشمک زن (Nictitating Membrane) کہلاتا ہے جسے حرکت دی جا سکتی ہے اس کا مقصد آنکھ کے ڈھیلے کی صفائی ہوتا ہے۔ انسانی آنکھ میں ناک کے کونے کی طرف بھی ایک چھوٹی سی سرخ جھلی سی ملتی ہے یہ غشائے چشمک زن کی ہی ایک غیر ترقی یافتہ (Reduced) قسم ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے ہمارے آباؤ اجداد میں یہ کام کرتی ہو گی۔

(5) انسانی جسم (چھاتی) پر بالوں کی موجودگی' (ان بالوں کا کوئی فائدہ نہیں) اس بات کی غماز ہے کہ آدمی اور بندر کے آباؤاجداد ایک ہی تھے۔ بعض اوقات ایسے انسان دیکھنے میں آئے ہیں جن کے چہرے پر بھی ہر جگہ بال ہی بال ہوتے ہیں' ایسے انسانوں کو (Dog Mans) کہا جاتا ہے۔ روس میں اس کی واضح مثالیں ملی ہیں۔ 1997 میں اخبارات میں ایک آدمی کی تصویر شائع ہوئی جس کے چہرے اور جسم پر بال ہی بال تھے۔ اسی طرح ایک نوجوان خاتون کے بھی چہرے اور جسم پر بال تھے۔ ان دونوں کا تعلق امریکہ سے تھا۔ اخبارات میں ان کا ذکر کئی بار آیا ہے۔

(6) ہماری اناٹومی کی ایک بد قسمت ناموزوں اور چونکا دینے والی بے جوڑ چیز وہ طریقہ ہے جس سے جسم کے جوف (Cavity) میں آنتوں وغیرہ (Viscera) کو سہارا دیا ہوا ہے۔ تمام پستانیے ماسوائے انسان اور بندروں (Apes) کے' چار ٹانگوں پر چلتے ہیں اور جسم کو افقی (Horizontal) حالت میں رکھتے ہیں اور یہ حالت معدے کی نرم و نازک تہہ کے مختلف اعضا یا پیٹ کے مختلف اعضا کو تھامے رکھتی ہے اور یہ پوزیشن افقی پوزیشن کے عین مطابق ہے۔ مگر انسان سیدھا کھڑا ہونے کے لیے' اپنے جسم کو عمودی پوزیشن میں لے جاتا ہے جس میں پیٹ کی تہہ بھی پیٹ کے اندر انتڑیوں اور دوسرے اعضا کو سہارا تو دیتی ہے مگر یہ اس حالت میں سہارا دینے کے لیے موزوں نہیں ہے بلکہ اس کا پلان چار پاؤں پر چلنے والے جانوروں کے سائنسی پلان کی طرح ہے۔ اس پوزیشن کی وجہ سے انسان کئی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے مثلاً (1) معدے کی گراوٹ (2) بچہ دانی کا پیچھے گر جانا' اور (3) ہرنیا وغیرہ جیسی بیماریاں شامل ہیں۔ چنانچہ ان فالتو اعضاء سے یا غیر ضروری اعضا سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کا تعلق بھی دوسرے جانوروں سے ہے اور ان کا ایک مشترکہ حسب نسب ہے اور ایسے آباؤ اجداد سے ہے کہ جن میں یہ اعضا یا ساختیں کار آمد تھیں۔

Marfat.com

(4) رابطہ کڑیاں (تعلقاتی کڑیاں)

اگرچہ انواع دیکھنے میں ایک دوسرے سے مختلف نظر آتی ہیں لیکن کئی ایسے افراد مل جاتے ہیں جو دو گروہوں کے خواص ایک ہی وقت میں رکھتے ہوں۔ ایسے تعلقات یہ ثابت کرتے ہیں کہ جانور ایک ہی مبدا (Source یا Origin) سے نکلے ہیں اور ارتقاء پذیر ہیں۔

مثالیں

(الف) آسٹریلیا اور اس کے گرد و نواح میں ایک جانور ملتا ہے جسے چیونٹی خور orechindna (Spiny Ant- Eater) کہتے ہیں۔ یہ ممالیہ اور رینگنے والے (Reptiles) دونوں گروہوں کے خواص رکھتا ہے۔ مثلاً یہ ممالیہ جانوروں کی طرح "بال" رکھتا ہے، اپنے بچوں کو دودھ پلاتا ہے اور رینگنے والے جانوروں کی طرح بڑے بڑے انڈے دیتا ہے اور اس کا شانہ (Pectoral Glrdle) کئی ہڈیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

(ب) اسی طرح پھیپھڑے رکھنے والی مچھلیاں (Dipnoi) ہیں۔ یہ یاد رہے کہ عام مچھلیوں میں پھیپھڑے نہیں بلکہ گلپھڑے ہوتے ہیں۔ جل تھلیوں (Amphibians) اور مچھلیوں (Fish) کے درمیان ایک تعلق پیدا کرتے ہیں۔

(5) جنینیاتی شواہد (Embryological Evidences)

ایک کلاس کے جانور جنینیاتی حالت میں ایک دوسرے سے بہت ہی ملتے جلتے ہوتے ہیں، بلکہ دو مختلف گروہوں کے جانور جنینیاتی حالت میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور اپنی نشوونما (Development) کے دوران بہت ہی مشابہت رکھتے ہیں۔ اگر آپ شارک مچھلی، کبوتر اور آدمی کے جنین (Embryos) غور سے دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ ان کی ساخت کس قدر حد تک حیرت انگیز طور پر آپس میں ملتی ہے۔ ان میں گلپھڑے (Gills) ملتے ہیں (جو پرندوں یا انسانوں کا خواص نہیں، بلکہ مچھلیوں کا ہے) اور دوران خون بھی مچھلیوں جیسا ہے۔ کیا یہ ظاہر نہیں کرتا کہ تمام جانور ایک ہی نقطے سے نکل کر ارتقاء کی مختلف منزلوں سے گزر کر ہم تک پہنچتے ہیں؟۔

Marfat.com

اسی طرح کثیر خلوی جانور ایک ہی پلان پر اپنی نشوونما کرتے ہیں مثلاً اگر آبیہ' کینچوا' مینڈک اور آدمی کی مثال لی جائے تو یہ ثبوت ملتا ہے کہ سب سے پہلے کرم منی (Sperm) اور انڈا (Ova) ملتے ہیں اور (Zygote) بناتے ہیں۔ اس میں مزید تبدیلی (نشوونما کے ذریعے سے) ہوتی ہے اور ایک ٹھوس خلیاتی جسم (Morula) بناتے ہیں اور یہ تمام جانوروں میں یک تہی (Uni - Layered) ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس کی مزید نشوونما ہوتی ہے اور (Castrula) بنتا ہے جو دو تہی (2-Layered) ہوتا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ تمام جانور یک خلوی جانوروں سے اخذ شدہ ہیں۔

(6) علم متحجرات (قدیم حیاتیات) اور ارتقاء

متحجرات (Fossils) کا علم ایک بہت وسیع علم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض عوامل کی وجہ سے جو مخلوق مٹی' پتھر کے نیچے دب کر مر گئی تھی اس کے ڈھانچے تلاش کرنا۔ یہ علم "ارتقا ہوا ہے" کے حق میں اتنا بڑا ثبوت ہے کہ اسے کوئی شخص جھٹلا نہیں سکتا۔ ایک پرندے کے متحجرات (رکاز) ملے ہیں۔ اس پرندے کو آرکیو پیٹریکس (Archaeopteryx) کہتے ہیں۔ اس وقت تک ان پرندوں کے دو ڈھانچے ملے ہیں جو برلن میوزیم اور برٹش میوزیم (عجائب گھر) میں رکھے ہیں۔ اگر ان کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ ان میں ایک کی بہت لمبی دم ہے۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں بیس مہرے ہیں۔ ہر مہرہ پیروں کا ایک جوڑا رکھتا ہے۔ پرندوں کی طرح چونچ کی بجائے رینگنے والے جانوروں کی طرح جبڑے ہیں اور ان میں دانت موجود ہیں۔ ان پرندوں کے ملنے کے بعد یہ بحث بہت زور پکڑ گئی ہے کہ آیا ان کو رینگنے والے جانوروں (Reptiles) میں رکھا جائے یا پرندوں (Aves) میں۔ ان کے جبڑوں کی ساخت' دانتوں کی موجودگی' ریڑھ کی ہڈی کی ساخت اور کندھوں کی بناوٹ انہیں رینگنے والے جانور یا ریپٹائل ثابت کرنے پر مجبور کرتی ہے مگر ان کے جسموں پر پروں کی موجودگی انہیں پرندے ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ جدید بحث اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ یہ پرندوں کے آباؤ اجداد تھے اور خود ریپٹائل سے ارتقا پذیر ہوئے۔ اس سے اس بات کا ٹھوس ثبوت ملتا ہے کہ پرندے ریپٹائل سے بنتے ہیں۔ چنانچہ یہ متحجرات یا رکاز نے بعض مصنفین باقیات کا نام بھی دیتے

Marfat.com

ہیں حالاتی اور دستاویزی شہادتیں ہیں کہ "ارتقا ہوا ہے"

ڈارون کی کتاب "اصل انواع" کے اہم نکات

ڈارون کی کتاب جس کا صفحہ 107 پر ذکر ہوا ہے یعنی اصل انواع "The Origion of species" کے اہم نکات درج ذیل ہیں۔

1۔ ہر جانور ایک خاص جیومیٹریکل نسبت سے اپنی نسل بڑھانے کی طرف کوشاں ہے۔

2۔ جگہ اور خوراک کم ہے۔ کثرت پیدائش (Over Population) کی وجہ سے نئی نسلوں میں زندہ رہنے کی تگ و دو Struggle for Existence شروع ہو گئی ہے۔

3۔ ہر جانور مفید یا موافق (Favourable) اور غیر مفید تغیرات (Variations) ظاہر کرتا ہے۔

4۔ جانور جو مفید تغیرات ظاہر کرتے ہیں زیادہ تعداد میں زندہ رہتے ہیں کیونکہ وہ ماحول سے سمجھوتہ کر لیتے ہیں۔

5۔ ایک نسل دوسری نسل کے آباو اجداد سے بنتی ہے۔ اس طرح مفید تغیرات ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔

6۔ ہر نسل اپنے آپ کو اپنے ماحول سے منطبق کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

7۔ دو افراد (Individuals) ماسوائے جڑواں کے بالکل ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔

8۔ اگر آبادی کو جاری رہنا ہے تو پھر والدین کی اولاد میں سے صرف دو (اوسطاً) زندہ رہ سکتے ہیں خواہ فطرت میں اس کی تعداد لاکھوں میں پیدا ہوتی ہو جیسا کہ بعض مچھلیوں کے معاملہ میں ہے۔

Marfat.com

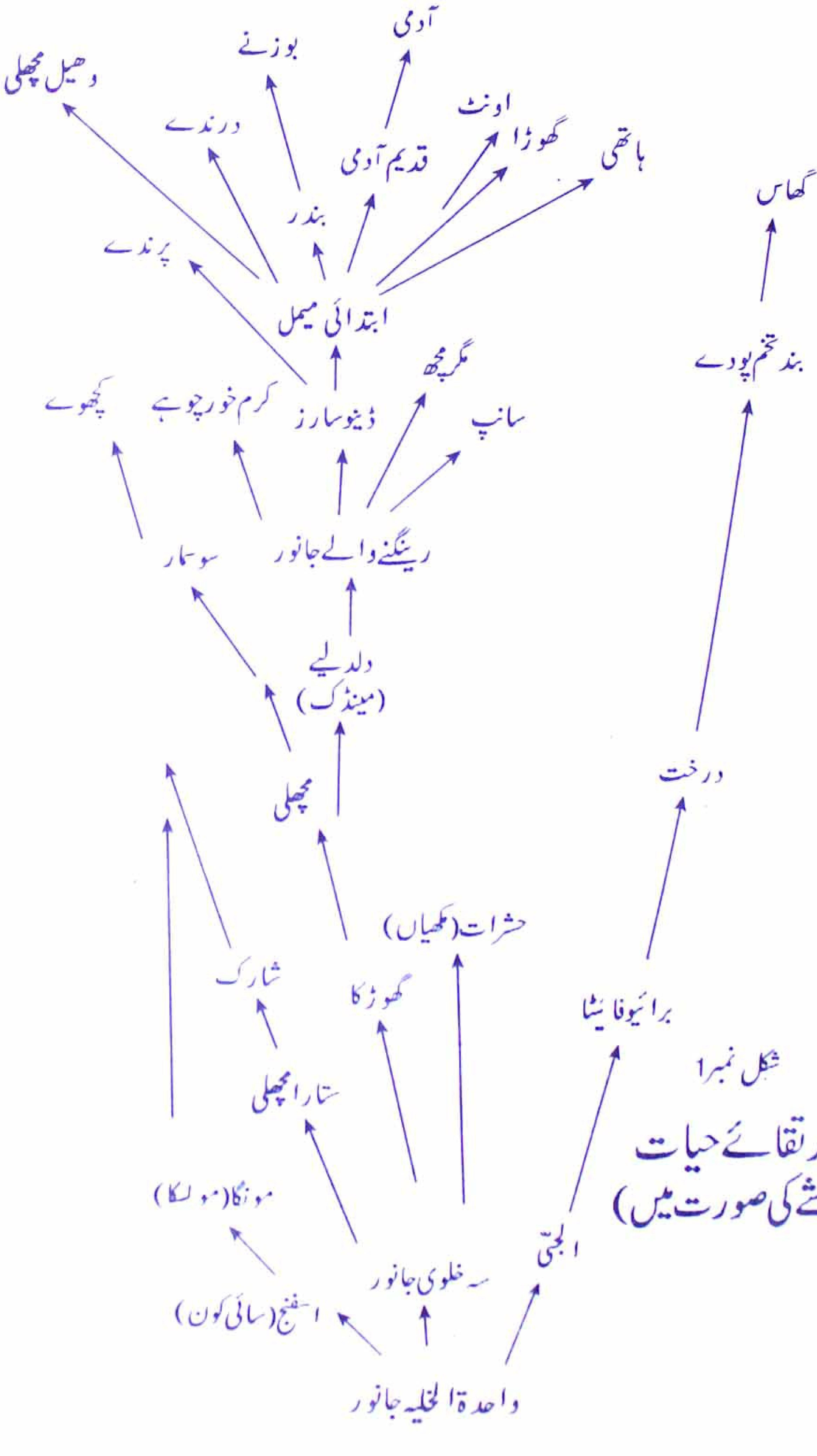

شکل نمبر1

ارتقائے حیات
(نقشے کی صورت میں)

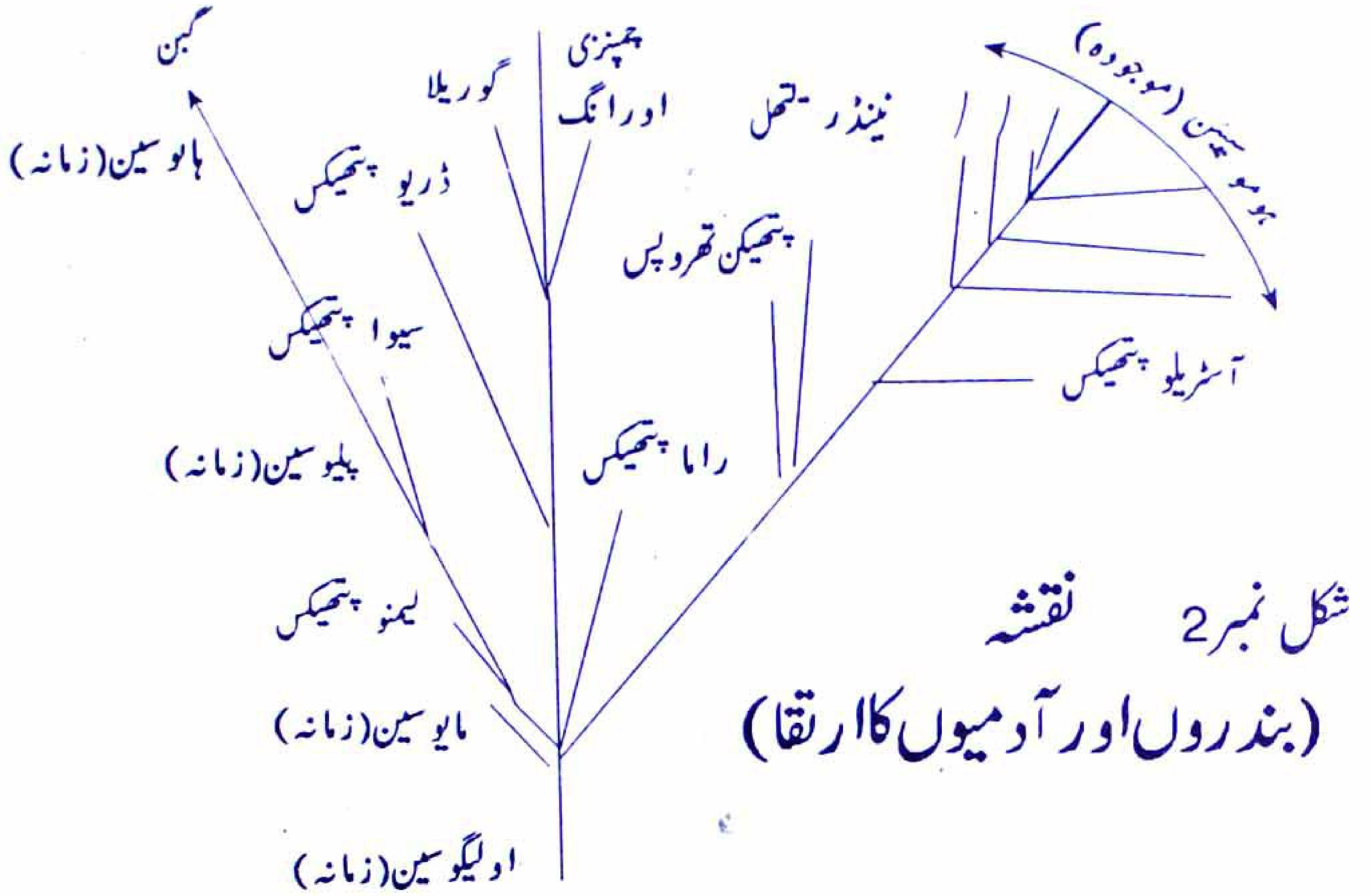

شکل نمبر2 نقشہ
(بندروں اور آدمیوں کا ارتقا)

9- جو ماحول کا مقابلہ نہ کر سکیں گے وہ نیست و نابود ہو جائیں گے اور فطرت ان کا انتخاب کرے گی تاکہ نسل کو جاری رکھ سکے۔ انگریزی میں اسے Survival of the Best یا Survival of the Fittest کہیں گے۔

4- وہ خواص جو انتخاب طبیعی (Natural Selection) کے حق میں موافق ہوتے ہیں وہ کسی طریقے سے ان کے بچوں میں منتقل ہو جاتے ہیں۔

کثرت پیدائش اور ارتقاء

مندرجہ بالا نکات میں کثرت پیدائش سب سے اہم ہے۔ اس کی تشریح مندرجہ ذیل ہے۔

کائنات کی ہر شے حرکت میں ہے۔ کوئی شے ترقی کی طرف گامزن ہے تو کوئی تنزل کی طرف۔ نااہل اس دوڑ میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔ آئندہ نسل صرف اہل ہی بڑھا سکتے ہیں۔ تمام ذی روح اشیاء آج جس شکل میں نظر آتی ہیں ہمیشہ سے ایسی نہیں تھیں۔ اہل نسل کو بھی زمانے کے حالات کے تحت اپنا آپ بدلنا ہوتا ہے۔ کمزور اور نااہل اس دنیا میں نہیں رہ سکتے۔ زمانے کے بدلنے کے ساتھ ساتھ اگلی نسلیں مختلف ہوتی جاتی ہیں۔ ادنیٰ جانور (Lower Animals) اعلیٰ جانوروں (Higher Animals) میں شمار ہونے لگتے ہیں۔ مگر یہ ترقی آہستہ آہستہ ہوتی ہے۔

Marfat.com

جدول (ا) - ارتقائے حیات (نیچے سے اوپر - قدیم سے جدید)

حیات جدید	ہولوسینی دور آغاز دس ہزار سال قبل	آج سے 8 ہزار سال قبل آدمی نے پہلی بستیاں بسائیں۔ 10 ہزار سال قبل زراعت کا آغاز ہوا۔ 25 ہزار سال قبل کے آدمی نے پتھروں سے کلہاڑے اور نیزے بنانا شروع کئے۔	HOLOCENE
حیات جدید	پلیسٹوسینی دور [illegible] لاکھ سال قبل	نینڈرتھل نے غاروں میں رہنا شروع کیا۔ آدمی کے ذہن کا ارتقا۔ افریقہ سے یورپ میں آدمی پھیل گیا۔ پہلی باشعور نسل کی پیدائش۔	PLEISTOCENE
حیات جدید	پلیوسینی دور ایک کروڑ سال قبل	ہتھیکن تھروپس کی پیدائش۔	PLIOCENE
حیات جدید	مایوسینی دور قریب 2 کروڑ سال قبل	[illegible] ہتھیکس پیدا ہوئے۔ ہاتھیوں کا قد بڑا ہو گیا۔ بطخوں، مرغابیوں اور بطریق کی پیدائش۔	MIOCENE
حیات جدید	اولیگوسینی دور 4 کروڑ سال قبل	بے دم ایپ کی پیدائش۔ چھوٹے ہاتھیوں کی پیدائش۔ بلیوں، کتوں، ریچھوں، شیروں کی مشترک نسل کی نمود۔	OLIGOCENE
حیات جدید	ایوسینی دور [illegible] کروڑ سال قبل	لیمور اور میمون قسم کے بندر اور گبن (لنگور) پیدا ہوئے۔ پہلے ممالیہ (گرم خور چوہے) کی پیدائش۔	EOCENE
حیات وسطی	کریٹیشس دور [illegible] کروڑ سال قبل	[illegible] جانور ناپید ہو گئے۔ شارک اور دوسری مچھلیوں کی پیدائش ڈیو سارز کے حجم میں اضافہ۔ پرندوں کی نشو و نما۔ موسم کی تبدیلیاں شروع ہوئیں۔	CRETACEOUS
حیات وسطی	جوراسک دور [illegible] کروڑ سال قبل	[illegible] جانوروں کے حجم میں اضافہ ([illegible] 84 فٹ لمبے اور 25 ٹن وزنی تھے) دانتوں، ہڈیوں اور لمبی دم رکھنے والے پہلے پرندے پیدا ہوئے۔	JURASSIC
حیات وسطی	[illegible]	[illegible] سمندر، خشکی اور ہوا کے بڑے پرندے پیدا ہوئے، پہلے ممالیہ جانور، گرم خون کی مخلوق، ڈیو سار کی جسامت 6 انچ تھی۔	TRIASSIC
حیات قدیم	[illegible]	مچھلیوں اور حشرات الارض کی نمو، [illegible] میں رینگنے والے جانور بنے۔	PERMIAN
حیات قدیم	[illegible]	[illegible] ہڈی والے جانوروں کی پیدائش، [illegible] کی نمو، بغیر پتوں والے پودے پیدا ہوئے	SILURIAN
حیات قدیم	[illegible]	[illegible] اور [illegible] جانوروں کی پیدائش ابتدائی اور دوسرے یک خلوی جانوروں کی پیدائش۔	CAMBRIAN
حیات قدیم	[illegible]	[illegible] سمندر [illegible] زندگی کی نمو، زمین کی پیدائش۔ پہاڑوں، سمندروں اور صحراؤں کا وجود۔	PRE-CAMBRIAN

Marfat.com

آدمی نے بھی اسی اصول کے تحت ترقی کی ہے اور وہ کیڑے مکوڑوں کی حیثیت سے اپنی زندگی کا آغاز کر کے مختلف جانوروں کا روپ دھارتا ہوا آج کا انسان بنا۔ اس نظریے پر' جتنے اس کے الفاظ ہیں' اتنے ہی اعتراضات کیے گئے ہیں۔ یہ بات طے ہے کہ ڈارون نے یہ نظریہ اس چیز سے متاثر ہو کر دیا تھا کہ "بندر اور انسان ایک جیسے ہیں"۔ ڈارون نے تو یہ نظریہ اٹھارویں صدی میں پیش کیا تھا' مگر ایک مسلمان مفکر نویں صدی عیسوی میں ہی یہ جدید نظریہ پیش کر چکا ہے۔ اس مفکر کا نام ابوالحسن المسعودی (وفات 957ء) ہے۔ اس نے کہا تھا۔

"انسان پہلے جمادات' پہاڑ' دریا پھر نباتات (پودے' درخت وغیرہ) اور اس کے بعد حیوانات کے زمرے میں آیا اور بالآخر ترقی کر کے آدمی بن گیا"۔ (بحوالہ انسائیکلوپیڈیا معلومات لاہور جلد نمبر 1) اسی قسم کے خیالات کا اظہار فلسفی ابن مسکویہ (Ibn Maskawaih) نے کیا ہے جو علامہ اقبالؒ کے خطبات مدراس بہ عنوان ☆ (Reconstruction of Religious thought in Islam) میں ملتا ہے۔ "پہلے وہ ادنیٰ پودوں کا ذکر کرتا ہے پھر وہ ارتقائی مراحل طے کر کے اعلیٰ پودوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں پھر وہ حیوانی دماغ کے خواص حاصل کر کے حیوانی زندگی کے قریب ہو جاتے ہیں۔ یہ حیوانیت (Animality) کا پہلا مرحلہ ہے پھر وہ حیوانیت کی تکمیل بیان کرتا ہے اور آخر میں حیوانیت کی تکمیل ہو جاتی ہے جب وہ انسانیت کی حدود کو چھونے لگتی ہے جیسا کہ بندروں میں جو ارتقائی لحاظ سے انسان سے صرف ایک درجہ کم سطح پر ہیں"۔ یاد رہے کہ یہ فلسفی 942ء میں پیدا ہوا اور 1030ء میں وفات پا گیا یعنی ڈارون سے بہت پہلے۔

ایک اور مشہور و معروف فلسفی ☆☆ مولانا جلال الدین رومی نے مسئلہ ارتقاء پر

☆Allama Muhammad Iqbal, Reconstruction of Religious Thought in Islam, published by Iqbal Academy Pakistan and Institute of Islamic culture 1986, 89, pages 107-108.

☆☆Jalal ud din Rumi by Khalifa Abdul Hakim, Director Institute of Islamic culture, A Histioy of Muslim philosophy edited and introduced by M. M. Sharif, Royal book Co. P.O. Box 7737 Karachi-3, 1966, (Germany, 1983).

Marfat.com

روشنی ڈالی ہے۔ ان کا دور 1207ء تا 12073 تھا یعنی ڈارون سے تقریباً 600 سال پہلے۔ آپ نے اپنی زبان میں جو نظریہ پیش کیا ہے وہ جزوی طور پر ہی سہی مادہ پرستوں اور حیاتیاتی ارتقاء پرستوں کی تصدیق کرتا ہے۔ ان کی طرح وہ بھی کہتے ہیں کہ زندگی کا ارتقا مادے (Matter) سے ہوا لیکن مادہ پہلے ہی دن سے لازمی اور حتمی طور پر روحانی تھا چنانچہ یہ بات اس مسئلے کا حل پیش کرتی ہے کہ کس طرح ایک بے جان اور بے مقصد مادے سے زندگی کا تخم شروع ہوا (ارتقاء پذیر ہوا) جو نچلی اور ابتدائی مرحلے میں ماحول سے مطابقت رکھتا تھا۔ مولانا رومی نے اپنی مثنوی میں بڑے پر اعتماد طریقہ سے لکھا ہے کہ "میں کئی زمانوں تک بغیر کسی ارادہ کے گرد و غبار کے ذرات کی طرح خلا میں ادھر ادھر گھومتا رہا اور پھر میں غیر نامیاتی مادے کے عالم میں چلا گیا اور پھر میں نباتات (پودوں وغیرہ) کی دنیا میں داخل ہو گیا اور مادی سطح پر اپنی تگ و دو کی یاداشت کو کھو دیا پھر وہاں سے میں حیوانات کی دنیا میں داخل ہو گیا اور اپنی ساری زندگی کو بحیثیت ایک درخت کے بھول گیا لیکن پودوں اور پھولوں کی نمو کی طرف جبلی اور لاشعوری طور پر ایک خواہش یا تقاضے (Urge) کو محسوس کرتا تھا جس طرح ایک بچہ اپنی ماں کا دودھ چوستے ہوئے محسوس کرتا ہے جس نے اسے جنم دیا ہوتا ہے۔ حیوانیت کے پیمانے میں بلند ہوتے ہوئے خالق کے تقاضائے خلق آدمی بن گیا۔

یعنی "Pulled up by the creative urge of the creator."

اب ہم چارلس ڈارون، ابوالحسن المسعودی، اور مولانا جلال الدین رومی کے نظریات کو سامنے رکھتے ہوئے ایک بہت بڑے مسئلے کی طرف آتے ہیں کہ آدمی کا ارتقاء کیسے ہوا؟ یعنی وہ کن کن حالتوں یا مراحل سے گزرتا ہوا یہاں تک پہنچا؟۔

آدمی کا ارتقاء کیسے ہوا؟

یہ مسئلہ صرف متحجرات کے مطالعے سے حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان میں فلورین کی مقدار اور ان پر تابکاری اثرات کا مطالعہ کیا گیا ہے اور یہ دیکھا گیا ہے کہ وہ متحجرات جو آدمی سے متعلق ہیں ان میں پرانے آدمیوں کی کچھ کھوپڑیاں ملی ہیں۔ اس کے علاوہ جبڑوں (Jaws) اور دانت کی ہڈیاں بھی ملی ہیں۔ ان ہڈیوں کی عمر معلوم کرنے کے

Marfat.com

بعد ان کو ایک ترتیب سے رکھا گیا اور اس طرح آدمی کے ارتقا کا شجرہ نسب بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں آدمی کی چار قسمیں بنتی ہیں۔ یہ قسمیں بنانے سے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اس شجرہ نسب کے مطابق' بندر' گوریلے' بوزنے اور تمام انسانی نسلیں ایک ہی جدامجد تک جا پہنچتی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں آدمی اور بندر (Ape) یعنی بندر ایک ہی درخت کی مختلف شاخیں ہیں اور اس درخت کی جڑ یک خلوی جانور ہے۔ ملاحظہ فرمایے نقشہ شکل 2-

آدمی کی اقسام

آدمی کی چار قسمیں بتائی گئی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ پتھیکن تھروپس (Pithecan Thropus)۔ کھوپڑیاں جن سے اس آدمی کا حلیہ بنایا گیا ہے پیکنگ اور جاوا سے ملی ہیں۔ یہ نسل بندر سے کسی قدر قریب ہے۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی اور جبڑے کی ساخت کی وجہ سے اسے بندر (Apes) کی قریبی نسل بتایا گیا ہے۔ آج سے 80 لاکھ سال قبل پیدا ہوئی تھی۔ ان کی ساخت سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ بندر جنگلوں میں رہ گئے اور پتھیکن تھروپس میدانوں میں نکل آئے۔ میدانوں میں خوراک ڈھونڈنے کے لیے انہیں بندر سے زیادہ محنت کرنا پڑی۔ اس لیے یہ بلوغت کو بھی جلدی پہنچ جاتا تھا بہ نسبت (ایپ) کے اس لیے اسے پہلی باشعور انسانی نسل کہا جاتا ہے۔ یہ پہلی نسل کہاں پیدا ہوئی؟ اس سلسلے میں کافی اختلاف ہے۔ افریقہ پر زیادہ لوگ متفق ہیں۔

2۔ آسٹریلو پتھیکس (Australo Pithecus)۔ پتھیکن تھرولس' آسٹریلو پتھیکس کا جد امجد مانا جاتا ہے۔ اس کا ڈھانچہ 1925ء میں جنوبی افریقہ میں ملا تھا۔ یہ چھوٹے اور بھاری دانتوں والی مخلوق تھی۔ اس نے گوشت' پھل اور سبزیاں کھانا شروع کیں۔ اس نے پتھر کے اوزار بنائے اور آگ جلائی۔ یہ انسانی نسل آج سے 20 لاکھ سال پہلے ملتی تھی۔

3۔ وسط حجری انسان (Neanderthal Man)' اس کے ڈھانچے جرمنی' پیکنگ اور جبرالٹر کے غاروں میں ملے ہیں۔ یہ نسل آج سے ڈھائی لاکھ سال قبل پیدا ہوئی۔ ان

Marfat.com

لوگوں نے سب سے پہلے دائیں ہاتھ کا استعمال شروع کیا۔ جانوروں کی کھالیں پہنیں، ہڈیوں اور سینگوں کے اوزار بنائے۔ آگ کو کھانا پکانے کے لیے استعمال کیا۔ انہوں نے سب سے پہلے اپنے مردے دفنانا شروع کیے۔ یہ پوری طرح سیدھے کھڑے نہیں ہو سکتے تھے۔ یہ مذہب پر یقین رکھنے لگے۔ بیس ہزار سال پہلے یہ نسل ختم ہو گئی۔ اس انسان کی کھوپڑی 1857ء میں ملی تھی۔

4۔ کرومیگنن انسان (Cro- Magnon Man)۔ یہ نسل آج سے 50 ہزار سال پہلے پیدا ہوئی۔ یہ لوگ جنوبی اشیاء اور افریقہ سے عرب اور وسط ایشیا کے علاوہ جنوبی یورپ میں بھی پہنچے۔ یہ پہلا باشعور انسان کہلا سکتا ہے۔ اس نسل سے موجودہ نسلیں (ہومو سپین) پیدا ہوئیں۔ 1500 ق۔ م میں انہوں نے قدرت کو سمجھنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ تیر کمان بنایا، کلہاڑی، برتن سازی اور رسی بنائی۔ اس کے بعد 10000 ق۔ م انہوں نے قبائل بنائے اور زن، زر، زمین کے جھگڑے شروع کیے۔ 8000 ق۔ م انہوں نے شہری زندگی کا آغاز کیا، زراعت کو ترقی دی، پہیہ ایجاد کیا، مذہب کی طرف زیادہ رجحان ہوا اور انہی میں سے مشہور پیغمبر پیدا ہوئے۔ اس زندگی کے ارتقاء کو ایک جدول جسے ارضیاتی وقت کا پیمانہ (Geological Time Scale) کہتے ہیں سے ظاہر کیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیے جدول (ا)۔ کرومیگنن انسانوں کے ڈھانچے پتھروں کے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ 1868ء میں جنوب مغربی فرانس کے علاقے میں ایک غار سے دریافت ہوئے اور اسی غار کے نام پر ان کا نام رکھا گیا ہے۔

ایک حالیہ کتاب کے مطابق جو شجرہ نسب دکھایا گیا ہے اس میں ""پتھیکن تھروپس"" سے پہلے آسٹریلو پتھیکس کو دکھایا گیا ہے اور ان سے پہلے پروکونسول یا پروکنسول (Pro -Consul) کو دکھایا گیا ہے یعنی انسان کے شجرہ نسب میں سب سے پہلے پروکنسول کو دکھایا گیا ہے جو بندر (Ape) تھے۔ مندرجہ بالا دیئے گئے نام مخصوص گروہوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ شجرہ نسب کھوپڑیوں (جو متحجرات کی صورت میں ملی ہیں) کے سلسلہ کو اس ترتیب میں رکھ کر بنایا گیا ہے۔ لیکن بعض کھوپڑیوں کے لیے یہ مشکل مسئلہ ہے کہ ان کو کس گروہ میں رکھا جائے اور پھر تمام دریافتوں کی تاریخ بندی بھی واضح نہیں ہے۔ چنانچہ اس شجرہ نسب کی تعمیر و ساخت پیچیدہ ہو جاتی ہے چونکہ ان گروہوں میں بھی بہت سارے

Marfat.com

تغیریات یا متغیرہ ہیں۔ اسی وجہ سے بہت سارے مصنفین نے اس موضوع پر مختلف گروہ بندی کی ہے۔ پروکنسول ایپ آج سے 2 کروڑ 50 لاکھ سال پہلے ہو گزرے ہیں۔ ان کو بندر کی نسل کی آخری ارتقائی منزل سمجھا جاتا ہے اور بندر اور انسان کے درمیان آسٹریلو پتھیکس ایک سرحد کے طور پر سمجھا جاتا ہے۔ یاد رکھیے 'ایپ (Ape) سے مراد (Manlike Ape) ہے جو آج کے دور میں بھی عجائب گھروں میں دیکھا جا سکتا ہے مگر اس کی قدیم نسلیں (بن مانس) معدوم ہو چکی ہیں۔

حالیہ تحقیق

ایک اخبار کی اطلاع کے مطابق:

''حال ہی میں ہونے والی ایک تحقیق سے یہ پتہ چلا ہے کہ انسان نے آج سے کم از کم 34 یا 38 لاکھ سال پہلے دو قدموں پر چلنا سیکھ لیا تھا۔ سائنٹفک امریکہ (مجلّہ) کے مطابق تنزانیہ کے قصبے لاائیولی کے قریب 2 قطاروں میں چلتے ہوئے دو انسانوں کے 54 قدم دریافت ہوئے ہیں۔ ماہرین ارضیات اور ماہرین آثار قدیمہ کے مطابق 27 میٹر طویل فاصلے پر یہ نشان ایک مادہ اور نر انسان کے ہیں۔ کمپیوٹر کے تجزیے نے ان کے انسانی قدم ہونے کی تصدیق کر دی ہے۔ یہ انسانی قدم آتش فشاں سے نکلنے والی راکھ پر ہیں جو چونا پتھر کے نیچے دب گئے۔ عمل کٹاؤ کی وجہ سے یہ آتشی راکھ کا پہاڑ دوبارہ سطح پر عریاں ہو گیا اور پروفیسر لیک نے 1978ء میں انہیں دریافت کیا جو 1994ء میں ثابت ہو گئے کہ یہ انسانی قدم ہیں۔ ارتقاء کی تھیوری کو اس دریافت کی وجہ سے پھر نئے چیلنجوں کا سامنا ہے جس کا دعویٰ تھا کہ انسان کو دو قدموں پر چلنے کے فن سے آشنائی کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ سائنس دانوں کے مطابق نر کے پاؤں بڑے اور مادہ کے پاؤں کے نشان چھوٹے ہیں۔ انسان نے سیدھے جسم کے ساتھ دو پاؤں پر چلنے کے کئی لاکھ سال بعد پتھروں کے ہتھیار بنانے سیکھے۔ پتھر کا زمانہ انسانی ارتقاء کی اس سطح کو ظاہر کرتا ہے جب انسانی دماغ کی نشوونما میں وسعت واقع ہوئی۔ یاد رہے کہ عیسائی عقیدے کے مطابق انسان کی اس دنیا میں آمد کو 7 ہزار سال سے زائد عرصہ نہیں گزرا جبکہ اسلام اس معاملہ میں خاموش ہے''۔

(خبر: 1998)

حضرت آدم علیہ السلام اور نظریہ ارتقاء

جیسا کہ تیسرے باب میں بیان ہوا ہے کہ قرآن حکیم سائنس کی کتاب نہیں لیکن قرآن کے مطالعہ سے یہ بات میرے مشاہدہ میں بلکہ دوسرے قارئین کے بھی مشاہدہ میں آئی ہوگی کہ آج کے جدید سائنسی نظریات پر بھی قرآن حکیم نے روشنی ڈالی ہے۔ چنانچہ اس غلط فہمی کو دور کر لیجئے کہ قرآن حکیم میں نظریہ ارتقاء پر سرے سے کوئی روشنی ڈالی ہی نہیں گئی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن حکیم ہی نظریہ ارتقاء کا مبداء (Origin) ہے اور ڈارون نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں متعدد بار ارتقاء پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور زمین پر زندگی کی نمو یا پیدائش کا حال بیان کیا گیا ہے لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ زمین کو وجود میں آئے کتنا عرصہ گزر چکا ہے اور اس پر کون سے ادوار گزر رہے ہیں۔ اب ایک دو غلط فہمیاں اور دور کر لیجئے جو حضرت آدمؑ کی پیدائش کے متعلق ہیں۔ یہ غلط فہمیاں ہمارے ہاں یہودیوں اور عیسائیوں سے آئی ہیں جن کو ہمارے ایک طبقے نے قبول کر لیا ہوا ہے حالاں کہ قرآن میں ان کے متعلق ایک اشارہ بھی نہیں کیا گیا (الف) یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت اماں حوا کے ماں باپ نہ تھے (ب) حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے حضرت حوا کو پیدا کیا گیا۔

قرآن حکیم کے مطابق سب سے پہلے بشر (آدمی) حضرت آدم علیہ السلام تھے آج کے تمام انسان ان ہی کی نسل سے ہیں لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے آنے سے پہلے دنیا میں کوئی شے موجود نہ تھی۔ اصل مسئلہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ ایک طرف تو زمین پیدا ہوئی اس پر زندگی کی نمود شروع ہوئی اور درختوں اور جانوروں کا ارتقاء ہوا اور انسان مختلف صورتوں سے گزرتا ہوا بوزنوں اور پھر وحشی قبائل تک پہنچ گیا۔ اگر ارتقاء کو مان لیا جاتا ہے تو پھر انسانوں کی باشعور نسل کرومیگنن تھی اور اس کرومیگنن انسان سے آج کی نسل ہوموسیپی اینس (Homo Sapiens) پیدا ہوئی ہے۔ یہ لوگ 1500 قبل از مسیح قدرت میں دلچسپی لینے لگے۔ یہ تاریخ ایک اندازہ ہے اور یہ کم یا زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔ کم سے کم 1500 ق۔ م اور زیادہ سے زیادہ یہ 10,000 ق۔ م ہو سکتی ہے۔ بعض علماء حضرات نے حضرت آدم علیہ السلام کی تاریخ 5 ہزار سال بتائی ہے۔

Marfat.com

وہ انہوں نے مختلف پیغمبروں کے ادوار کو جمع کر کے بتایا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا زمانہ آج سے 5 ہزار سال پہلے کا ہو گا لیکن میرے اندازے کے مطابق آج سے پندرہ اور بیس ہزار سال کے مابین ہو سکتا ہے مگر پانچ ہزار سال کا عرصہ بہت ہی کم ہے۔ یہ عرصہ اس لئے بہت کم ہے کہ دھاتوں کی دریافت کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوا کہ تانبا انسان نے تقریباً 8000 ق - م میں دریافت کر لیا تھا- یہ وہ زمانہ تھا جب کہ پتھروں کے زمانے کا آخری دور تھا اور دھاتوں کا زمانہ شروع ہو رہا تھا- (مطالعہ فرمایئے مصنف کی کتاب ''دھاتیں اور ان کے استعمالات'')-

تاہم اگر یہی عرصہ ہے تو پھر یقیناً آپ کے والدین ہوں گے اور چونکہ کرو میگنن انسان آخری حجری انسان تھے۔ غاروں میں رہتے تھے چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت اماں حوا بھی ایک غار میں پیدا ہوئے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کو انسانیت کی طرف لانا تھا یا دوسرے الفاظ میں ان وحشی قبائل کو انسانیت کی طرف لانا تھا اس لیے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور وحی کے ذریعہ سے ان تک اپنے پیغام پہنچا کر لوگوں کو انسانیت کی طرف لانے کا منصوبہ بنایا۔

اگر حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق خصوصی تھی تو پھر کائنات کے کسی گوشے میں وہ تمام ارتقائی مراحل میں سے گزرے ہوں گے اور جب وہ انسان کی صورت اختیار کر گئے تو اللہ نے اپنی روح ان میں پھونک دی اور انسان کی فلاح کے لیے زمین پر بھیج دیئے گئے۔ کیوں کہ اگر حیاتیاتی ارتقاء (Biological Evolution) کا قانون ان پر لاگو کیا جائے تو اس کے لیے لاکھوں اور کروڑوں سال کا عرصہ درکار ہے اور وہ بھی زمین پر اور زمین پر تخلیق خصوصی کے کوئی شواہد متحجرات کی صورت میں نہیں ملتے یا موجودہ قدیم انسان کی (اگر اس کی شکل و صورت وہی تھی جو آج ہے) کوئی باقیات دستیاب نہیں، اگر انسانی ڈھانچے ملے ہیں تو ان انسانی نسلوں کے ہیں جن کی گروہ بندی کا مطالعہ آپ کر چکے ہیں۔

اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام تو وحشی قبائل میں پیدا ہوئے مگر قرآن میں تو جنت کا ذکر ہے۔ اس سلسلے میں علمائے تحقیق نے یہ کہا ہے آدم کی جنت وہ جنت نہ تھی جسے ہم سمجھتے ہیں بلکہ یہ خارجی جنت تھی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ خارجی جنت تھی تو دنیا کے کس مقام پر تھی؟۔ اس کے بارے میں بھی

Marfat.com

اختلافات پائے جاتے ہیں بعض علماء کرام کے نزدیک یہ "عدن" ہے بعض کے نزدیک یہ ترکستان اور چین کا درمیانی حصہ ہے۔ بہرحال تورات کے مطابق وہ مقام جہاں آدم علیہ السلام کو رکھا گیا وہ مشرقی عدن تھا۔ بعض علماء کرام کا خیال ہے کہ پہلا آدمی قطب شمالی میں آباد ہوا۔ اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر قوم اور ملک کے اپنے اپنے آدم ہو گزرے ہیں۔ علمی تحقیقات کی رو سے پہلا آدمی قطب شمالی کا تھا اور عدن کا آدم حضرت آدم علیہ السلام سب سے آخری آدم تھا جس سے ہماری نسلیں چلیں۔ امامیہ سے روایت ہے کہ ہمارے باپ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر تیس آدم پیدا کیے۔ امام محمد جعفر صادقؓ کا قول ہے "اس آدم سے پہلے جسے ہم اپنا جدامجد (حضرت آدم علیہ السلام) سمجھتے ہیں اس سے پہلے دس لاکھ آدم اس دنیا میں ہو گزرے ہیں۔ ان روایات اور قرآن حکیم کے بیانات کو اگر ہم سامنے رکھیں تو ہم بلاشبہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام اور اماں حوا کے ماں باپ بھی تھے۔ اگر یہ بات مان لی جائے تو ارتقاء کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔

ہمارے بعض دانشوران اسلام حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت اماں حوا کے سارے قصے کو تمثیل قرار دیتے ہیں جن میں غلام احمد پرویز صاحب، سرسید احمد خاں، شیخ محمد عبدہ، حضرت علامہ اقبال، مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔ اگر ان سب کے خیالات یہاں لکھ دیئے جائیں تو پھر نظریہ ارتقاء کا باب زیادہ طول پکڑ جائے گا جو ہم نہیں چاہتے بہرحال قارئین کی دلچسپی کے لیے غلام احمد پرویز صاحب کی تحریر کا ایک ٹکڑا نقل کیا جاتا ہے۔

"آدم ایک فرد نہیں ہے۔ یہ فطرت انسانی کی سرگزشت ہے جسے قصے کے تمثیلی انداز میں بیان کیا گیا ہے اور اس تمثیل میں آدم کا لفظ غالباً اس رعایت سے لایا گیا ہے کہ انسانی ہیئت اجتماعیہ کے اولین مراحل میں، جن کا تعارف قرآن کریم نے کرایا ہے، آدم نامی کسی شخصیت کو ممتاز حیثیت حاصل تھی لیکن اس تمثیل میں اس شخص کی ذات مراد نہیں ہے"۔

(معارف القرآن مصنفہ غلام احمد پرویز 53/2 مطبوعہ دہلی تاریخ اشاعت غیر مذکورہ)

یہ دانشور قصہ آدم کو تمثیلی (یعنی مثال کے طور پر) لکھتے ہیں۔ اگر یہ مان لیا جائے تو پھر

Marfat.com

نظریہ ارتقاء کو ماننے میں کیا قباحت نظر آتی ہے۔ میں ارتقاء کا پجاری نہیں ہوں بلکہ نظریہ ارتقاء کے مطالعے کے بعد اس کے ہر پہلو کا جائزہ لیا ہے اور اس کے حق میں اور اس کے خلاف دونوں دلائل پیش کر دیئے ہیں۔ اب مندرجہ ذیل قرآنی آیات کے ترجمے پر غور فرمائیے جو نظریہ ارتقاء پر روشنی ڈالتی ہیں۔

قرآن حکیم اور فلسفہ ارتقاء

قرآن مجید میں آیا ہے کہ کائنات کی وسعتوں پر غور کرو۔ سورۃ نور 24 آیت 45 میں ارشاد ہوا ہے

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰۤى اَرْبَعٍ ؕ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ؕ

ترجمہ: "اور اللہ نے ہر زندہ شے پانی سے پیدا کی اور ان سے بہت سے ایسے ہیں جو پیٹ کے بل پر چلتے ہیں۔ کچھ دو پیروں پر اور کچھ چار پاؤں پر اللہ وہ پیدا کرتا ہے جسے وہ پسند کرتا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے"۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَىْءٍ حَىٍّ ؕ

ترجمہ: "ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز کو پیدا کیا" (سورۃ انبیا 21: آیت 30)

پھر فرمایا۔

اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ۝

ترجمہ: "بے شک ہم نے انہیں لیس دار (مٹی) کیچڑ سے پیدا کیا"

(سورۃ صافات 37 آیت 11)

ایک اور جگہ فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ

ترجمہ: "اے لوگو اپنے رب سے ڈرو (اپنے پروردگار کی راہ تقویٰ اختیار کرو)

Marfat.com

جس نے تم کو نفس واحدہ سے پیدا کیا پھر اس جاندار سے اس کا (زوج) بنایا (یا جوڑا پیدا کیا) اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کیں۔

(سورۃ النساء 4: آیت 1)

یہاں نفس سے مراد شخص، ذات، جان، دل ہو سکتا ہے۔ عربی کی لغت میں نفس کے معنی یہی دیئے گئے ہیں۔ نفس واحدہ سے مراد "ایک نفس" ہے لیکن "نفس واحدہ" "واحدۃ الخلیہ" جاندار بھی ہو سکتا ہے۔

پہلے باب میں سورۃ علق کی چند آیات دی گئی ہیں۔ آپ دوبارہ ان کا ملاحظہ فرمائیے

ترجمہ "پڑھیئے اللہ کا نام لے کر جس نے پیدا کیا جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا"۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝

ترجمہ: "اور ہم نے (ابتدا میں) انسان کو مٹی کے خلاصہ (جو ہر یعنی غذا) سے پیدا کیا اور اب اس سلسلہ تولید کو ماں کے رحم سے جاری کر دیا ہے۔ پہلے نطفے کو جونک کی شکل میں تبدیل کرتے ہیں پھر جونک کو گوشت کا لوتھڑا بناتے ہیں، پھر ہڈیاں پیدا کر کے ان پر گوشت پوست چڑھاتے ہیں۔ پھر اس کی جد انسان (آدمی) کی صورت دے کر ہم اسے ماں کے رحم سے باہر نکال لاتے ہیں۔ وہ بہترین خالق کس قدر تعریف کے لائق ہیں"۔

(سورۃ المومنون 23: آیت 12 تا 15)

بہت ساری ایسی آیات قرآن مجید میں ہیں جو ظاہر کرتی ہیں کہ پہلی مخلوق کو پانی سے یا پانی میں ملی ہوئی مٹی (کیچڑ) سے پیدا کیا اور ہو سکتا ہے کہ وہ ایک خلیہ "جاندار پودا" تھا جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ دوسری قابل غور بات لفظ "جاندار (چیز)" ہے۔ اس سے دو

Marfat.com

باتیں اخذ کی جاتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ لیس دار کیچڑ وہ ہے جس میں یک خلیہ (امیبا) پیدا ہوا۔ آج بھی امیبا لیبارٹریز میں ایسے ہی کیچڑ سے پیدا کیا جاتا ہے۔ دوسری بات جو لیس دار کیچڑ سے لی جا سکتی ہے وہ یہ کہ انسان کا مادہ حیات (منی) ہے۔

بہرحال علمائے کرام سے درخواست ہے کہ ان آیات پر غور کریں اور سائنسی نقطہ نگاہ سے اپنے جذبات شامل نہ کر کے ان کی تفسیر لکھیں کہ "جمے ہوئے خون سے کیا مراد ہے؟"

میری حقیر دانست کے مطابق پہلی تخلیق پانی اور مٹی کے اتصال سے پیدا ہوئی جو زمین پر مٹی اور سمندروں کے پانی کے ملاپ سے ہو گی جس سے ارتقاء پر روشنی پڑتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس طریقہ تخلیق کو رحم مادر سے شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہر چیز پر قادر ہے وہ جیسا چاہے کر سکتی ہے قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

إِنَّمَآ أَمْرُهُۥٓ إِذَآ أَرَادَ شَيْـًٔا أَن يَقُولَ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ

ترجمہ: "اس کی تو یہ شان ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس وہ اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے"

(سورۃ یٰس 36 آیت 82)

یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا طریقہ تخلیق ہے وہ چاہے تو انسان کی پیدائش نظریہ تخلیق خصوصی کے ذریعے کرے یا فطرت میں نظریہ حیاتیاتی تخلیق کے ذریعے۔

نظریہ تخلیق خصوصی کے کوئی شواہد نہیں ملتے مگر نظریہ حیاتیاتی تخلیق کے جو سائنسی شواہد ملتے ہیں وہ آپ کے سامنے پیش کر دیئے ہیں اور ارتقا کے حق اور خلاف دونوں طرح کے دلائل ساتھ ساتھ موجود ہیں لیکن کوئی نتیجہ نکالنا میرا کام نہیں بلکہ قارئین کا ہے۔

فلسفہ ارتقاء اور اللہ تعالیٰ کی ذات

فلسفہ یا نظریہ ارتقا کے بارے میں شدت سے اس خدشے کا اظہار کیا جاتا ہے خصوصی طور پر مذہبی حلقوں میں کہ اگر فلسفہ ارتقا کو قبول کر لیا جائے تو بہت ساری اخلاقی

بیماریاں بڑھ سکتی ہیں اور انسان کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتقاد اور اعتبار اٹھ سکتا ہے۔ کیوں کہ ارتقا کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ خالق کائنات اور اس کی خلاقیت اور ربوبیت کا انکار۔ مزید یہ کہا جاتا ہے کہ یہ مادہ پرستانہ نظریات ہیں۔ سب سے زیادہ گمراہ کن نظریہ نظریہ ارتقا سمجھا جاتا ہے بلکہ اسے ملحدانہ نظریات کی ماں سمجھا جاتا ہے اور اس کی مخالفت میں پاکستان میں چند کتابیں لکھی گئی ہیں جو مصنفین کے اپنے جذبات سے بھری پڑی ہیں۔ پاکستان کے ایک لوکل اخبار میں ایک کالم نویس یوں رقمطراز ہے "یورپ کے جدید علمی دور کے آغاز میں وہاں کے بعض فلسفیوں نے اپنے نئے نظریات سے اخلاق کا دیوالیہ نکال دیا۔ ڈارون کے نظریہ ارتقاء سے یہ مطلب لیا گیا کہ انسان محض حیوان ہے" یہ سب غلط فہمیاں ہیں اور صرف ان دیمک خوردہ ذہنوں میں پیدا ہو سکتی ہیں جن میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مفقود ہیں' جو اللہ کے ارشاد کے مطابق کائنات کی وسعتوں پر غور کرنے سے قاصر ہیں۔ آپ ذرا غور فرمائیں اگر فلسفہ ارتقاء کو قبول کیا جاتا ہے تو پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کائنات بغیر کسی قانون کے چل رہی ہے۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ یقیناً اللہ کی عظیم ترین ذات اس کو چلا رہی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی 99 صفات کا ذکر ہے جنہیں ہم اللہ تعالیٰ کے "نام" کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت ایک قانون ہے اور یہ تمام قوانین کائنات میں کار فرما ہیں جو اسے چلا رہے ہیں۔ اگر ارتقاء کو ایک "عمل" بھی مان لیا جائے تو پھر جب تک قدرت نہ ہو کوئی عمل ہو ہی نہیں سکتا' جاری رہنا تو بعد کی بات ٹھہری۔ ہم زمین کے بننے کو حادثہ قرار نہیں دے سکتے۔ اس پر تخلیق کو بھی حادثہ قرار نہیں دے سکتے۔ یہ سب کچھ اس کی عظیم تر ذات کے حکم پر ہوا ہے۔ ارتقاء بھی خدا کا بنایا ہوا قانون ہے بالکل اسی طرح جیسے مشرق سے سورج نکلنا اللہ کا ایک قانون ہے چنانچہ ارتقائے حیات بھی اللہ کا بنایا ہوا ایک قانون ہے اور اس کو خدا کی عظیم ترین ہستی کنٹرول کیے ہوئے ہے۔

ارتقاء کے سلسلہ میں سب سے پریشان کن بات یہ کی جاتی ہے کہ انسان کے جد امجد بندر نما حیوان یا بن مانس کیسے ہو سکتے ہیں؟ کہ یورپی سائنس دان یہ بات بڑے دعوی سے کہتے ہیں کہ انسان کے شجر نسب کی ایک شاخ بندروں کی طرف چلی گئی اور دوسری شاخ انسانوں کی طرف یہ بات وہ مختلف شواہد اور مفروضوں کی بنیاد پر کرتے ہیں تو پھر یہ

Marfat.com

مفروضہ بھی ہو سکتا ہے کہ انسان کے آباؤ اجداد بندر نہ تھے بلکہ **واحدۃ الخلیہ سے انسان کی ارتقاء کی شاخ (یا لائن) بالکل الگ تھلگ رہی یعنی (امیبا) سے سیدھی انسان** کی طرف چلی گئی ہو۔ عین ممکن ہے کہ آئندہ وقتوں میں ایسے شواہد بھی مل جائیں کہ انسان کا خط ارتقا بالکل انفرادیت کا حامل رہا اور بندروں کا خط ارتقاء الگ رہا۔ لہٰذا انسان وحشی نسلوں سے ترقی کرتا کرتا باشعور انسانی نسل تک پہنچ گیا۔ جسے ہوموسے پئین (Homosapiens) کہتے ہیں اور یہ وسط حجری انسان (Neanderthal) سے کئی لحاظ سے ملتا جلتا تھا مگر یہ زیادہ عقلمند تھا اور سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ یہ بول سکتا تھا یعنی اسے "کلام" پر قدرت حاصل تھی اور اس کی کھوپڑی اور دوسرے اعضا بہت زیادہ آج کے جدید انسان سے مشابہت اور مطابقت رکھتے ہیں۔ چنانچہ سوجھ بوجھ' ذہانت اور کلام پر قدرت حاصل ہونے کی وجہ سے اشرف المخلوقات ہو گیا۔ مزید برآں جو لوگ ارتقاء پر اعتراض کرتے ہیں وہ اس بات پر پریشان کیوں نہیں ہوتے کہ وہ ایک انسانی کرم منی (مادہ منویہ کے کیڑے) سے رحم مادر میں ارتقاء کے ذریعے ہی انسان کی صورت میں پیدا ہوئے!

ایک بات کو ذہن میں رکھیے کہ سائنس کا کوئی بھی قابل قبول نظریہ سامنے نہیں آیا جس نے پیدائش (Birth) زندگی (Life) اور موت (Death) کا معمہ حل کر دیا ہو۔ انسانی روح کے بارے میں خاموش ہے۔ اپنی تمام تر کاوشوں اور پیش رفت کے باوجود اس بات کا قطعاً علم نہیں ہو سکا کہ انسانی ارتقاء میں کیا بات مضمر تھی۔ ایک مغربی مصنف نے یہی بات یوں کہی۔

"We are all given to wondering about our early ancestors and how the human race came into existence, Yet in spite of our achievements we have very little idea of what human evolution really involved"

☆M.H.J Th. VAN DER VEER AND P.MOERMAN, "HIDDEN WORLDS"
(Fresh Clues to the past) – A Bantam Book.

Marfat.com

آخر میں علامہ اقبال کے شعر پر اس موضوع کو ختم کرتا ہوں

خرد مندوں سے کیا پوچھوں کہ میری ابتداء کیا ہے
کہ میں اس فکر میں رہتا ہوں میری انتہا کیا ہے

(بال جبریل)

Marfat.com

قرآن اور کائنات

زمین کی گول (کروی) شکل و صورت

قرون وسطیٰ کے زمانہ (500ء تا 1450ء) تک عموماً" یہ یقین کیا جاتا تھا کہ زمین گول، چپٹی (Flat) اور ساکن (Stationary) ہے اور مزید یہ کہ زمین کائنات کا مرکز ہے اور اس کے ارد گرد تمام فلکی اجسام گھومتے ہیں۔اس وقت ایک مصری ماہرفلکیات بطلیموس (Ptolemy دوسری صدی بعداز مسیح) کے نظریات کو مانا جاتا تھا۔ کائنات یا نظام شمسی کے بارے میں یہ غلط نظریہ (کہ زمین کائنات کا مرکز ہے) ہر جگہ تسلیم کیا جاتا تھا اور یہ نظریہ 1543ء تک قائم رہا حتی کہ اصلی سچائی سامنے آئی۔ وہ سچائی جسے بہت عرصہ پہلے ایک یونانی ہیئت دان ارسٹارکس Aristarchus (220 تا 143 ق۔ م)، جو سیموتھریس (Samothrace) کا رہنے والا تھا، نے معلوم کرلیا تھا، اب دوبارہ اس کو اپنایا بلکہ دریافت کرلیا گیا اور یہ بات پولینڈ کے رہنے والے ہیئت دان کوپرنیکس (1473ء تا 1543ء) نے دریافت کی اور اعلان کیا کہ زمین اور دوسرے سیارے سورج کے گرد گردش کرتے ہیں۔ اگرچہ بہت عرصہ پہلے یہی سچائی ارسٹارکس نے معلوم کرلی تھی)۔ مگر یہ حقائق پوشیدہ ہی رہے اور بعد میں بھی سائنس دانوں نے اس بات پر یقین کیا کہ ☆ زمین ہی کائنات کا مرکز ہے اور سیارے اس کے گرد گردش کرتے ہیں۔

یورپ میں قرون وسطیٰ کا تقریباً شروع کا ایک تاریک زمانہ تھا اور وہ زیادہ تر یونانی فلسفے اور سائنسی دریافتوں سے بالکل نابلد تھا۔ یہ وہ دور تھا جب قرآن مجید کا نزول ہوا۔ اس کا نزول ساتویں صدی عیسوی کی ابتدائی دہائیوں میں ہوا۔ سلطنت روما روبہ زوال تھی۔ وہ نہ صرف بربریوں، ایرانیوں کے ساتھ مسلسل جنگوں میں مبتلا تھی بلکہ خانگی جھگڑوں اور اندرونی مشکلات میں بھی مبتلا تھی اور یہ آخری دموں پر تھی۔ یورپ پر تاریکی

☆ کائنات کے بارے میں مزید تفصیل کے لیے مصنف کی کتاب "کائنات اور اس کا انجام" مطالعہ فرمایئے۔

Marfat.com

کے بادل چھائے ہوئے تھے اور یہ بد نظمی اور طوائف الملوکی میں مبتلا تھا۔ عرب ہی دنیا کا وہ واحد خطہ تھا جس میں ایک نئے مذہب سے نئی روشنی کا احیاء ہوا۔ کائنات کے بارے میں جو غلط نظریات موجود تھے ان کو درست کیا گیا اور نئے نظریات کا انکشاف ہوا۔ جہاں تک زمین کی شکل وصورت کا تعلق ہے قرآن حکیم نہ صرف اپنی مختلف آیات میں بالواسطہ یا براہ راست بیان دیتا ہے کہ یہ گول ہے بلکہ یہ اس کی صحیح شکل وصورت بتانے میں ایک قدم آگے جاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ شکل وصورت میں انڈے کی مانند ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو کہ سائنس نے حال ہی میں دریافت کی ہے کیونکہ اس نے یہ معلوم کیا ہے کہ اس کی شکل و صورت اور ایک مکمل کرے میں کچھ فرق ہے چونکہ قطبین کے گرد یہ قدرے چپٹی ہے اور خط استوا کے گرد یہ قدرے منحنی (Curved) ہے۔ ملاحظہ فرمایئے مندرجہ ذیل آیات

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ۝ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا ۝

ترجمہ: ''اور اس کے بعد اس نے زمین کو انڈے کی مانند بنایا اور اس میں سے پانی اور چارہ نکالا''

(سورۃ النازعات 79: آیت 30'31)

انڈے جیسی صورت کے لئے عربی زبان میں لفظ دحا (Daha) استعمال ہوتا ہے جس کا اسم داحیا (Dahiah) ہے جسے عرب کے لوگ اب بھی انڈے کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں لیکن ہمارے قرآن کے قدیم مفسرین نے اس خیال کے پیش نظر کہ اس طریقہ سے اس کی تفسیر یا معنی و مطالب سے غلط فہمی پیدا ہو گی لہٰذا انہوں نے اس سے گریز کیا اور اس کا ترجمہ ''اس کے بعد زمین ''بچھایا'' کر دیا اور اس طرح انہوں نے اس حیران کن نشانی کی سائنسی روشنی کو دھندلا کر دیا۔

زمین کی گردش کے بارے میں بھی قرآن مجید سے راہنمائی حاصل ہوتی ہے

زمین کی گردش

ہر روز سورج مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور نصف دن کے وقت یعنی نصف النہار کے وقت یہ اونچائی پر ہوتا ہے اور پھر اترنا شروع کر دیتا ہے حتیٰ کہ یہ مغرب میں غروب ہو

Marfat.com

جاتا ہے اور یہ مظہر مندرجہ ذیل دو طریقوں میں سے صرف ایک طریقہ سے واضح کیا جا سکتا تھا مثلاً یہ کہ

(الف) سورج زمین کے گرد گردش کرتا ہے جو کہ ساکن ہے

(ب) سورج ساکن ہے اور زمین اس کے گرد گردش کرتی ہے

ماسوائے چند یونانی فلسفیوں کے جن کی رائے کو کلی طور پر بھلا دیا گیا تھا' زمانہ قدیم اور قرون وسطی کے لوگ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ سورج زمین کے گرد گردش کرتا ہے جو کہ ساکن ہے (یعنی زمین کو ساکن خیال کرتے تھے) قرآن حکیم نے ان سب کی تردید کی اور یہ بتایا ہے کہ زمین حرکت میں ہے۔

ملاحظہ فرمائیے مندرجہ ذیل آیات

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۚ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ○

ترجمہ: ''اور تم پہاڑوں کو دیکھتے ہو اور سوچتے ہو کہ وہ (اپنی جگہ) مضبوطی سے قائم ہیں لیکن وہ بادلوں کی طرح بغیر کسی کے دیکھنے کے چلتے ہیں (گزرتے ہیں)۔ یہ اللہ کا کام ہے جس نے تمام چیزوں کو مکمل کیا ہے اور وہ اس سے بھی باخبر ہے جو تم کرتے ہو''۔

(سورۃ النمل 27: آیت 88)

چنانچہ قرآن حکیم کے مطابق پہاڑ بغیر دیکھے کے حرکت میں ہیں۔ کیا یہ ایک واضح ثبوت نہیں ہے کہ قرآن حکیم نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ زمین ساکن نہیں ہے بلکہ حرکت میں ہے جیسا کہ قدیم زمانوں اور قرون وسطی میں یہ اعتقاد رکھا جاتا تھا کہ زمین ساکن ہے۔ جو بات ہمارے لئے حیران کن ہے وہ یہ کہ قدیم مفسرین نے اس حقیقت سے پردہ پوشی یا نظر انداز کرنے کی پالیسی اختیار کی اور اسے توڑ مروڑ کر پیش کیا۔ اور یہ بتایا کہ پہاڑوں کی حرکت روز قیامت ہو گی اور وہ ترجمہ کرتے ہیں کہ ''پہاڑ بادلوں کی طرح اڑے اڑے پھریں گے مگر قرآن میں کئی مقامات پر آیا ہے کہ قیامت کے روز پہاڑوں کو اڑا دیا (Blown up) جائے گا۔ مثال کے طور پر سورۃ طٰہٰ میں آیت 105 تا 107 کے معنی و مطالب ملاحظہ فرمائیے گا۔

Marfat.com

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ۝ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝ لَّا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا ۝

ترجمہ: اور لوگ آپ سے پہاڑوں کی بابت پوچھتے ہیں (کہ قیامت میں ان کا حال کیا ہو گا) سو آپ فرما دیجئے کہ میرا رب ان کو بالکل اڑا دے گا (گرد و غبار کی صورت میں بکھیر دے گا)- اور اس کو ایک میدان ہموار کر دے گا جس میں تو نہ ناہمواری دیکھے گا اور نہ کوئی بلندی دیکھے گا"-

(سورۃ طٰہٰ 20: آیت 105 تا 107)

مندرجہ بالا آیات اس دنیا کے خاتمے سے متعلق ہیں- اس کی مزید تصدیق سورۃ مرسلات کی آیت 8 اور 10 سے بھی ہوتی ہے- جس میں دوبارہ بتایا گیا ہے کہ قیامت کے روز پہاڑوں کو اڑا دیا جائے گا- ملاحظہ فرمایئے وہ آیات مبارکہ:

فَإِذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ ۝ وَإِذَا السَّمَاءُ فُرِجَتْ ۝ وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۝

ترجمہ: سو جب ستارے بے نور ہو جائیں گے (یا مٹا دیے جائیں گے) اور جب آسمان پھٹ جائے گا (کھول دیا جائے گا یا پھاڑ دیا جائے گا) اور جب پہاڑوں کو اڑا دیا جائے گا (ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے)

(سورۃ مرسلات 77: آیت 8، 9، 10)

ان آیات کے معنی جو مختلف مفسرین نے لکھے ہیں وہ دے دیئے گئے ہیں- یہاں بھی پہاڑوں کے اڑانے یا ریزہ ریزہ کر دینے کا ذکر ہے- یہ محض دو مثالیں ہیں اور بہت سی آیات میں جن کے یہی معنی ہیں- اگر قیامت میں پہاڑ اڑا دیئے جائیں گے تو پھر بغیر دیکھے حرکت کرتے قیامت کے روز پہاڑوں کو کیسے دیکھ سکتے ہیں؟ جب قیامت کے روز وہ اڑ ہی جائیں گے تو ان کو دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا- دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید نے پہاڑوں کا کیوں ذکر کیا ہے- وہ اس لئے کہ پہاڑ زمین کا بہت زیادہ نمایاں حصہ ہیں اور اس کا مطلب ہے اگر پہاڑ حرکت کرتے ہیں تو لازمی طور پر زمین حرکت کرتی ہے- یہ کتنی بڑی حقیقت ہے جو قرآن مجید میں دی گئی ہے-

دن اور رات

قرآن مجید نہ صرف ہمیں زمین کی کروی شکل کے بارے میں بتاتا ہے بلکہ یہ بھی

Marfat.com

بتاتا ہے کہ یہ ساکن ہے- اس کے علاوہ اور عجائب کا بھی انکشاف کرتا ہے- دن اور رات کے آنے کے بارے میں بیان کرتے ہوئے یہ دوسرے مظاہر کو بھی بیان کرتا ہے- اس میں بتایا گیا ہے کہ دن اور رات بتدریج زمین کے مختلف حصوں میں ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں اور یہ اچانک نہیں آجاتے ایسا یقیناً ہوتا اگر زمین چپٹی ہوتی یہ دن اور رات کے بتدریج (Gradually) آنے کو کھال کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے جس طرح ایک جانور کی کھال گوشت سے بتدریج الگ کی جاتی ہے- کھال اتارنے کے "عمل" کا قرآن مجید میں بڑی خوبصورتی سے ارشاد ہوتا ہے-

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۖۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ۝

ترجمہ: "اور ایک نشانی ان کے لیے رات ہے کہ ہم اس (رات) پر سے دن کو اتار لیتے ہیں (جیسے بدن سے کھال کھینچ لی جاتی ہے) سو یکایک وہ لوگ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں"

(سورۃ یٰس 36: آیت 37)

"نسلخ" کے معنی ہیں "ہم کھینچ لیتے ہیں" "نسلخ" کے اصل معنی بدن پر سے کھال اتار دینا ہیں پھر یہ لفظ ہر چیز کے اوپر کے ڈھکنے کو کھینچ لینے کے لئے استعمال ہونے لگا- مراد یہ ہے کہ اندھیرا اصل چیز ہے دن اس کے اوپر آکر چھا جاتا ہے تو اندھیرا چھپ جاتا ہے اور روشنی ہو جاتی ہے-

مندرجہ ذیل آیت کئی سورتوں میں آئی ہے-

تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ

ترجمہ: "تو ہی رات کو دن اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے"

(سورۃ آل عمران 3: آیت 27)

قرآن مجید یہ بھی بیان کرتا ہے کہ سورج کے طلوع ہونے کے کئی مقامات اور کئی اوقات ہیں یہ ایک ہی مقام پر اور ایک ہی وقت میں ظاہر نہیں ہوتا- اگر ایسا ہوتا تو ساری دنیا میں دن ہی ہوتا اور نہ یہ مخالف سمت میں غروب ہوتا ہے اگر ایسا ہوتا تو ساری دنیا میں رات ہوتی اور ایسا اسی صورت میں ہوتا اگر زمین ساکن ہوتی- اور مزید قرآن مجید بتاتا ہے کہ دن اور رات میں ہمیشہ ایک دوڑ لگی رہتی ہے اور ان میں کوئی بھی ایک دوسرے

Marfat.com

سے سبقت حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتا اور نہ ہی رات دن سے پہلے آ جاتی ہے۔ جیساکہ مندرجہ ذیل آیت میں فرمایا گیا ہے:

وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ

''اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے''۔

(سورۃ یٰس 36: آیت 40)

دن اور رات کا آنا جانا ایسا ہے جیسے دو گھوڑوں کی مانند ہے جو کسی ریس (دوڑ) میں ساتھ ساتھ دوڑ رہے ہیں مگر یہ کیسے ممکن ہے؟ کسی چپٹی شے پر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ حقیقتاً ناممکن ہے۔ سورج کے مختلف طلوع و غروب ظاہر کرتے ہیں کہ زمین اپنے محور کے گرد گھوم رہی ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے سورج دن کی پیدائش کا باعث نہیں ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سورج زمین کے گرد گردش نہیں کرتا (اس نظریے کا ذکر پہلے ہو چکا ہے) بلکہ زمین کے اپنے محور پر گردش کی وجہ سے ہے۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ دن سورج کو ہماری آنکھوں کو دکھاتا ہے اور رات اسے چھپا دیتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ۝ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ۝

ترجمہ: قسم ہے سورج کی اور اس کی روشنی کی اور چاند کی جب سورج (کے غروب) سے پیچھے آوے اور (قسم ہے) دن کی جب وہ اس (سورج) کو خوب روشن کرے اور (قسم) ہے رات کی جب وہ اس (سورج) کو چھپا لے (ڈھانک لے)

(سورۃ شمس 91: آیت 1 تا 4)

بعض مفسرین نے پہلی آیت کا ترجمہ ''قسم ہے سورج کی اور اسکی دھوپ چڑھنے کی'' بھی کیا ہے۔ کیا یہ ثبوت کافی نہیں ہے کہ قرآن حکیم بہت ہی واضح طریقہ سے زمین کی گردش کو ظاہر کرتا ہے''۔ سورۃ الزمر 39 کی آیت 5 میں اور سورۃ الحدید 57 کی آیت 6 میں بھی انہی حقائق کا ذکر ہے سورۃ الزمر میں ارشاد ہوتا ہے

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ

Marfat.com

النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ

ترجمہ: ”اس نے آسمان اور زمین کو حکمت سے پیدا کیا- وہ رات (کی ظلمت) کو دن (کی روشنی) پر لپیٹتا ہے اور دن (کی روشنی) کو رات پر لپیٹتا ہے“۔

(سورۃ الزمر39: آیت 5)

سورۃ الحدید میں آیت 6 کے وہی معنی ہیں جو آپ سورۃ آل عمران کی آیت 27 کے پڑھ چکے ہیں مندرجہ بالا آیات کے معنی و مطالب یہ واضح کرتے ہیں کہ زمین جس میں دن اور رات پیدا ہوتے ہیں نہ صرف گردش کرتی ہے بلکہ گول بھی ہے۔

سورج (شمس) یا آفتاب

حیات ارضی کا کل دارو مدار سورج پر ہے۔ جیسا کہ علامہ اقبال نے اپنی نظم آفتاب (ترجمہ گاتیری) میں فرمایا ہے: چند شعر ملاحظہ فرمائیے۔

باعث ہے تو وجود عدم کی نمود کا — ہے سبز تیرے دم سے چمن نیست وبود کا
قائم یہ عنصروں کا تماشا تجھی سے ہے — ہر شے میں زندگی کا تقاضا تجھی سے ہے
تیرا کمال ہستی ہر جاندار میں — تیری نمود سلسلہ کہسار میں
ہر چیز کی حیات کا پروردگار تو — زائیدگان نور کا ہے تاجدار تو

(بانگ درا)

ہمارے نظام شمسی کا یہ میر کارواں ہے۔ ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر زمین اور دوسرے سیارے، سیارچے سورج کے گرد گھومتے ہیں تو کیا سورج بھی کسی جرم سماوی کے گرد گھومتا ہے - اس کا جواب ہاں میں ہے۔ قریب ترین ستاروں کے لحاظ سے سورج اپنے 9 سیاروں کے ساتھ 45000 میل فی گھنٹہ (20 کلو میٹر فی سیکنڈ) کے حساب سے یہ مجمع النجوم ہرکولیس (Hercules) کی طرف سفر کر رہا ہے اور یہ اپنے تمام سیاروں کے ساتھ ہماری کہکشاں (Milky way) کے مرکز کے گرد 563000 میل (250 کلو میٹر فی سیکنڈ) کے حساب سے خلاء میں گھومتا ہے۔ اس بے پناہ رفتار پر بھی ہماری کہکشاں کے مرکز کے گرد ایک چکر لگانے کے لئے اسے اندازا" 200 ملین سال کی ضرورت ہو گی- اسی طرح ہماری کہکشاں بھی خلا میں ایک دوسرے مجمع النجوم ہائیڈرا (Haydra) کی طرف 1000,000 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سفر کر رہی ہے۔ ایسی رفتار جس کی زمین پر کوئی مثال نہیں ملتی!

Marfat.com

اس حقیقت کا بھی انکشاف ہوا ہے کہ ستارے خلا میں ایسے سیدھے اڑ رہے ہیں جیسے گولے کسی توپ سے داغے گئے ہوں اور ایسی رفتار پر جس کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا۔ ہمارا نظام شمسی اس منطقے میں بہت جلد نہیں پہنچے گا جہاں کہ اب مجمع النجوم ہرکولیس موجود ہے بلکہ ایک اندازہ کے مطابق یہ کوئی آدھا ملین اور ایک ملین سال کے عرصہ کے مابین وقت لگے گا۔ لیکن کیا ہماری نسلیں جو اس وقت زمین پر موجود ہیں وہ اس مجمع النجوم کو اپنی موجودہ جگہ پر پائیں گی؟ یقیناً نہیں چونکہ یہ مجمع النجوم بھی اپنی موجودہ جگہ پر نہیں ہو گا بلکہ یہاں سے آگے گزر جائے گا۔ یہ بات تو سائنس نے بتائی ہے مگر قرآن مجید نے پہلے انکشاف کر دیا تھا اس وقت جب لوگوں کا یقین تھا کہ سورج اپنا روزانہ سفر زمین کے گرد کرتا ہے۔ (جو کہ غلط ثابت ہو چکا ہے) ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝

ترجمہ: "اور آفتاب ہے کہ اپنے ٹھکانہ کی طرف چلتا رہتا ہے۔ یہ اندازہ اس (خدا) کا باندھا ہوا ہے جو زبردست علم والا ہے"

(دوسرا ترجمہ: "اور سورج اپنی قرار گاہ پر چلا جاتا ہے یہ بڑے علم والے غالب نے ٹھہرایا ہے"۔

تیسرا ترجمہ: "اور سورج اپنے مقرر راستہ پر چلتا رہتا ہے۔ یہ اندازہ اس زبردست جاننے والے کا مقرر کردہ ہے"۔

(سورۃ یٰس 36: آیت 38)

تینوں مفسرین قرآن کے مندرجہ بالا تراجم کا ایک ہی مفہوم ہے کہ سورج اپنے مقرر راستہ پر چلتا رہتا ہے یعنی اپنی منزل کی طرف گامزن ہے۔ اور اپنے انجام تک گامزن رہے گا۔

مندرجہ بالا آیت کی دوسرے طریقوں سے بھی وضاحت کی جا سکتی ہے اور دونوں طریقے سائنسی لحاظ سے درست ہیں۔ عربی زبان میں حرف جار "لِ" (Le) کے کئی معنی ہیں۔ اس کا مطلب "کے" "کی" "کو" "میں" اور "اندر" (In) بھی ہو سکتا ہے۔ پہلے معنی کے مطابق اس آیت کی توضیح تو وہی ہے جو مندرجہ بالا بیان میں کر دی گئی ہے اور دوسرے معنی کے مطابق آیت کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ سورج اپنے طے شدہ مقام یا مقررہ مقام (Settled Place) میں حرکت کرتا ہے یعنی یہ اپنے ہی محور پر دوسرے

Marfat.com

سیاروں کی طرح گھومتا ہے اور یہ گردش 26 دنوں میں مکمل کرتا ہے۔ کیا یہ ثبوت غلطی سے مبرا ثبوت نہیں ہے اور یہ کہ قرآن مجید وحی الٰہی ہے اور یہ خدا کی طرف سے ہے یعنی اس کا منبع یا مبداء خدا کی ذات ہے۔ کیونکہ نبی کریم کے پاس کوئی دوربین یا کوئی ایسا سائنسی سازوسامان نہ تھا جن کی مدد سے وہ ایسے حقائق کی پردہ کشائی کر دیتے۔

زمین اور آسمان ایک تھے

زمین کی تخلیق کے بارے میں آپ گذشتہ باب میں تفصیل سے پڑھ چکے ہیں۔ ایک نظریہ کے مطابق زمین بھی اسی سحابیہ (بادل) سے تخلیق ہوئی جس سے خود سورج پیدا ہوا۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ زمین پہلے سورج کا حصہ تھی یا زمین پہلے آسمانوں کا حصہ تھی اور پھر دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ

ترجمہ: کیا وہ جو نہیں مانتے (یقین نہیں رکھتے) نہیں مانتے کہ آسمان اور زمین ایک تھے پھر ہم نے ان دونوں کو جدا کیا اور ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے بنایا' پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔

(سورۃ انبیاء 21: آیت 30)

یہ ہے جو قرآن مجید نے کہا ہے اور یہ بات اس نے زمین کی تخلیق کے بارے میں ساتویں صدی عیسوی میں کہی۔ اب سائنس کا نقطہ نظر آپ پڑھ بھی چکے ہیں۔ دونوں یعنی قرآن اور سائنس ایک دوسرے سے مطابقت رکھتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں۔ علم فلکیات اس نتیجہ پر اب پہنچا ہے کہ تمام سیارے عطارد' زہرہ' زمین' مریخ' جوپیٹر' (مشتری) سکینہ (یورینس' نیپچون اور پلوٹو سورج یا سورج کے تخلیقی بادل سے الگ ہوئے جیسا کہ قرآن حکیم میں ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَالْأَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ۝

ترجمہ: "اور قسم ہے زمین کی اور اس (ذات) کی جس نے اس کو (دور) پھینکا"

(سورۃ الشمس 91: آیت 6)

Marfat.com

بعض مفسرین طَحٰہَا کے معنی "پھیلایا" کرتے ہیں ماضی کا صیغہ ہے "طحو" کے معنی کسی چیز کو پھیلانا یا بچھانا ہے اور بعض "پھینکا" کا ترجمہ استعمال کرتے ہیں۔ اگر پھیلانے کے عمل میں زیادہ قوت کار فرما ہو تو پھر "پھیلانا" "پھینکنا" ہو سکتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمین بتدریج سحابیہ (عظیم بادل) کے عمل تکثف کے ذریعے عمل میں نہیں آئی بلکہ سورج سے الگ کر دی گئی تو پھر زمین کی تخلیق کا سر جیمز جینز کا نظریہ لاگو ہوتا ہے کہ زمین کسی بڑے ضخیم ستارے کے سورج کے قریب گزرنے سے مدوجذر کے نتیجہ میں پیدا شدہ سورج کے مادہ کے پہاڑ سے ٹوٹ گئی یا الگ ہو گئی۔ سر جیمز جینز تو کہتا ہے کہ یہ آوارہ گرد ستارہ محض زمین کے قریب سے گذر گیا اور ایک سائنس دان ہیرولڈ جیفری (Harold Jeffreys) نے یہ کہا ہے کہ سورج اور اس گذرنے والے سیارے کے مابین در حقیقت "تصادم" (Collision) ہو گیا تھا۔ جس کے نتیجہ میں زمین اور دوسرے سیارے تخلیق ہوئے لیکن فلکیات کی جدید کتابوں میں اب اس کا ذکر موجود نہیں ہے تاہم اگر ان سب نظریات کو درست تسلیم کر لیا جائے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ زمین پہلے آسمانوں کا حصہ تھی۔ اور کسی اعلیٰ قوت کے ذریعے یہ اس سے الگ ہو گئی۔ اور یہ سچ ہے جیسا کہ قرآن کریم اس حقیقت کی طرف ہماری رہنمائی فرماتا ہے۔

آسمان

قرآن حکیم میں آسمان کے لئے لفظ "سماء" اور اس کی جمع "سماوات" آیا ہے آسمان کے معنی چھت یا بلندی کے لئے جاتے ہیں۔ سائنس ابھی تک لفظ ۔ کائی (Sky) یا ہیون (Heaven) کی کوئی معقول تشریح نہیں کر سکی۔ وہ اسے حد نگاہ یا خلا (Space) بھی کہتی ہے۔ انگریزی کا لفظ ہیون (Heaven) آسمان، عالم بالا کے علاوہ جنت، بہشت اور فردوس کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور بعض اوقات "خدا" کے لئے بھی یہ لفظ استعمال کرتے ہیں۔ قرآن حکیم میں آسمان کو چھت کہا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً

ترجمہ: "اور آسمان کو چھت بنایا" (سورۃ البقرہ 2: آیت 22)

سورۃ البقرہ 2 آیت 22 اور یہی آیت سورۃ المومن 40 آیت 64 میں بھی یہی فرمایا گیا ہے۔ سورۃ 52 الطور کی آیت 5 میں فرمایا:

رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا ۝

ترجمہ: اور قسم ہے اونچی چھت کی (مراد آسمان ہے) اور سورۃ النازعات 79 کی آیت 28 میں فرمایا

وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۝

ترجمہ: "اور اس کی سقف (چھت) کو بلند کیا اور اس کو درست بنایا"۔

یہ پراسرار کائنات جو ستاروں، سیاروں، سحابیے، کومٹ (دم دار ستارے) شہاب ثاقب اور خلا پر مشتمل ہے یہ اتنی وسیع ہے کہ اس کے قطر کو ہندسوں میں لکھنا تو ہمارے تصور میں ایک لغزش پیدا کر دیتا ہے اور اس کی وسعت کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں اور یہی بات قرآن حکیم میں بتائی گئی ہے یعنی یہ بات قرآن کے ارشاد کے عین مطابق ہے سورۃ الملک 67 کی آیات 1 تا 4 کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۝ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۝ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِیْرٌ ۝

ترجمہ: "بڑی برکت ہے اس کی جس کے ہاتھ میں راج ہے اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے (قدرت رکھتا ہے) جس نے بنایا مرنا اور جینا (موت اور زندگی) تاکہ تم کو جانچے کہ کون تم میں اچھا کام کرتا ہے اور وہ زبردست بخشنے والا ہے جس نے سات آسمان تہ بہ تہ (اوپر تلے) پیدا کیے۔ کیا تو رحمن کے بنانے میں کچھ فرق دیکھتا ہے۔ پھر دوبارہ نگاہ کر کہیں نظر آتی ہے تجھ کو کوئی درز (دراڑ)۔ پھر دو دو بار لوٹا کر نگاہ کر تیرے پاس تیری نگاہ لوٹ آئے گی رد ہو کر اور تھک کر"۔

(سورۃ الملک 67: آیت 1 تا 4)

Marfat.com

کس قدر خوبصورتی سے قرآن مجید نچلے آسمان کی وسعت کی تصویر کشی کرتا ہے۔ نچلا آسمان وہ ہے جس کی چھت کہکشاں سے مزین ہے جس کے بارے میں ماہرین فلکیات کہتے ہیں کہ اس میں ایک سو ارب ستارے ہیں چنانچہ کل ستاروں کا تخمینہ لگانا یا ان کی کل تعداد کا اندازہ کرنا بہت مشکل ہے وہ ایسے ہی ہیں جیسے کسی ساحل سمندر پر ریت کے ذرات جن کی گنتی کرنا ناممکن ہے۔ یہ بات اللہ کے ایک پیغمبر یرمیاء (Jeremiah) نے فرمائی تھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی چھ سو برس قبل ہو گزرے ہیں۔اس پیغمبر کو فلکیات کا علم کس نے سکھایا؟ کیا اس کے پاس کوئی دور بین تھی؟ ایسی کوئی چیز نہ تھی صرف اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ علم عطا کیا تھا۔

قرآن حکیم سائنس سے بہت آگے ہے اور اس نے ہمیں کائنات کے بارے میں ٹھیک ٹھیک بتایا ہے اور بہترین تصور دیا ہے۔ خدا نے سات آسمان بنائے۔ سب سے نچلا آسمان ہمارا ہے یعنی دنیا کا اور چھ آسمان اوپر تلے ہیں۔ اگر ہم چاند پر چلے جائیں تو وہاں بھی ہمیں آسمان نظر آئے گا اگر ہم مریخ پر چلے جائیں تو وہاں بھی ہمیں آسمان نظر آئے گا۔ ایک لحاظ سے آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ تو محض حد نگاہ ہے مگر ہو سکتا ہے کہ خلائی وسعت کے کل سات طبقات ہوں۔اور ہر طبقے کا ایک آسمان ہو یا ہر طبقہ ہی آسمان ہو۔ سات آسمانوں سے مراد سات نظام شمسی بھی ہو سکتے ہیں جو سائنس دانوں نے ابھی دریافت نہیں کئے۔ ان آسمانوں کے علاوہ بھی ہے جسے قرآن حکیم "کرسی" کہتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝

ترجمہ: "اس کی کرسی آسمانوں اور زمین پر پھیلی ہوئی ہے اور دونوں کی حفاظت سے وہ تھکتا نہیں ہے۔ وہ عظیم ہے اور عظمت اور شان والا ہے"

(سورۃ البقرہ 2: آیت 255)

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝

ترجمہ: "اور آپ یہ بھی کہیے کہ (اچھا یہ بتاؤ کہ) ان سات آسمانوں کا مالک اور عالی شان عرش کا مالک کون ہے؟"

(سورۃ المومنون 23: آیت 86)

کائنات کی وسعتوں کا اندازہ کرنے کے لئے اگر آپ زمین کو سرسوں کے ایک بیج (Seed) سے تشبیہ دیں تو چاند محض ایک ذرے کی مانند ہو گا جو زمین کی جسامت کا ایک چوتھائی اور زمین سے ایک انچ کے فاصلہ پر ہو گا اور سورج کی جسامت ایک سیب کے برابر ہو گی اور یہ تقریباً زمین سے 40 فٹ کے فاصلے پر ہو گا۔ اس پیمانے پر نظام شمسیؔ کو ایک ایسے خطے سے ظاہر کر سکتے ہیں جس کی جسامت آدھ مربع میل ہو گی اور ایسے ماڈل میں زیادہ سے زیادہ دو یا تین ستارے ہوں گے۔ اگر ہم ایسے ماڈل پر پرواز کریں تو یقیناً ہم زمین کو اس کی بہت ہی چھوٹی جسامت کی وجہ سے کلی طور پر نظرانداز کر دیں گے، خواہ ہم بڑے ہی محتاط طریقہ سے اس کی تلاش بھی کریں۔ ایسے ماڈل کو مدنظر رکھتے ہوئے باقی کہکشاؤں، سحابیوں کا خیال کریں جو کہ ان گنت ہیں۔ چنانچہ کائنات نہ صرف وسیع و عریض ہے بلکہ پراسرار بھی ہے۔ جس کے کئی اسرار ابھی تشنئہ تحقیق ہیں۔ جیسے کہ آسمان کو چھت کہا گیا اور چھت کسی ٹھوس چیز کی ہو سکتی ہے، ہوا یا خلا کی نہیں ہو سکتی اسی طرح سات آسمانوں کی وضاحت سائنس سے فی الحال ناممکن ہے۔ ہو سکتا ہے آنے والے وقتوں میں اس کی کوئی سائنسی دلیل مل جائے۔

قرآن حکیم میں ایک عجائب اور ہے جو کہ علم فلکیات کی حالیہ دریافت ہے اور وہ یہ کہ کائنات پھیل رہی ہے۔

☆ وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ○

ترجمہ: ”ہم نے آسمان کو اپنی قدرت (طاقت) سے بنایا ہے اور ہم اسے وسعت دے رہے ہیں“

(سورۃ الذاریات 51: آیت 47)

یہ کتنی بڑی نشانی ہے جو سائنس نے بڑی تگ ودو کے بعد صرف بیسویں صدی میں حاصل کی۔ سائنس کہتی ہے کہ یہ کائنات (ہمارے چاروں طرف) پھیل رہی ہے اور کوئی قوت ہر چیز کو خلا میں کھینچ رہی ہے۔ یہاں سائنس کا علم اللہ کے علم سے بہت مطابقت رکھتا ہے۔ علامہ اقبال نے بھی شاید اسی آیت سے متاثر ہو کر یہ شعر کہا تھا؂

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

یعنی کائنات میں تخلیق کا عمل جاری و ساری ہے اور یہ پھیلتی جا رہی ہے۔ اور یہ

"صدائے کن فیکون" (ہو جا، پس ہو گیا) کی صدا ہی کی بدولت ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کا قاعدہ تخلیق ہے۔

چاند (قمر)

آیئے اب دیکھیں کہ قرآن حکیم چاند کے بارے میں کیا بتاتا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ چاند حرکت کرتا ہے اور اپنا مقام بھی بدلتا رہتا ہے ارشاد ربانی ہے:

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ○ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ○

ترجمہ "اور چاند کے لیے منزلیں مقرر کیں یہاں تک کہ ایسا رہ جاتا ہے جیسے "کھجور کی پرانی ٹہنی" نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے اور دونوں ایک ایک دائرے میں تیر رہے ہیں"

(سورۃ یٰس 36: آیت 39، 40)

مندرجہ بالا آیات سے ظاہر ہے کہ چاند حرکت کرتا ہے اور اس کی شکل ہلال سے پورے چاند کی صورت میں بتدریج بدلتی ہے۔ چودھویں رات کے مکمل چاند کے بعد یہ اپنے باقی سفر میں گھٹنا شروع ہو جاتا ہے اور مہینے کے آخر میں یہ قوس کی طرح اور کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح زرد ہوتا ہے۔ کیا اس سے ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ چاند کے فیز ہیں جو چاند کے زمین کے گرد گھومنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں، پہلی تاریخ کے چاند کو ہلال کہتے ہیں۔ اس وقت یہ زمین اور سورج کے درمیان ہوتا ہے اس لئے ہمیں اتنا ہی حصہ نظر آتا ہے جو سورج کی روشنی سے منور ہوتا ہے۔ جوں جوں وہ سورج سے دور ہوتا جاتا ہے اس کی روشن سطح کا زیادہ سے زیادہ حصہ ہمیں نظر آتا ہے۔ جب چاند نصف دور ختم کر لیتا ہے تو یہ چودھویں رات کا چاند (بدر کامل) بن جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ سورج کی طرف بڑھتا ہے تو اس کی روشن سطح کا کم سے کم حصہ زمین پر رہنے والوں کو نظر آتا ہے اور اس کے طلوع ہونے کا وقت بھی شام کی بجائے آدھی رات ہو جاتا ہے اور جوں جوں سورج کے نزدیک ہوتا جاتا ہے ہمارے لئے اس کی روشن سطح کم ہوتی جاتی

Marfat.com

ہے یہاں تک کہ وہ مہینے کی 28 تاریخ کو بالکل غائب ہو جاتا ہے اور پہلی تاریخ کو نئے سرے سے طلوع ہوتا ہے۔ زمین کے گرد 1/2-29 دن میں گردش کرتا ہے۔ چاند بھی سورج کی طرح سمندروں میں مدوجزر پیدا کرتا ہے۔ چاند کے یہ اثرات بہت نمایاں ہیں۔

چاند کو پرتو جمال بھی کہتے ہیں۔ شاعروں نے اسے حسن کا شاہکار کہا ہے اور اپنے محبوب کا حسن و جمال بیان کرنے کے لئے چاند سے تشبیہ دی جاتی ہے اور اپنی شاعری کی زینت بنایا ہے۔ چاند ہماری زمین کے ایک چوتھائی حصے کے برابر ہے۔ یہ ہم سے اوسطاً" 240,000 میل (384,404,373 کلومیٹر) کے فاصلے پر ہے۔ اس کا قطر تقریباً 2160 میل ہے' محیط 7000 میل اور سطح کا رقبہ 4750,000 مربع میل ہے۔

کوئی زمانہ تھا جب لوگوں کا یقین تھا کہ چودھویں رات کا چاند براہ راست انسانی یا شخصی رویے (Personal Behaviour) پر اثرانداز ہوتا ہے اور وہ چودھویں رات کے چاند والی رات کو خصوصی رسومات ادا کیا کرتے تھے۔ انگریزی زبان کے الفاظ مثلاً (Moon-Struck) اور (Lunacy) ابتداء میں پاگل پن کی اصطلاحات سمجھی جاتی تھیں اور پاگل پن میں شدت یا کمی بھی چاند کے مختلف فیز (Phases) کے ساتھ تبدیل ہوتی تھی۔ لیکن یہ سب باتیں توہم پرستی کے زمرہ میں آتی ہیں۔ مگر بعض ماہر طب اس کو درست قرار دیتے ہیں اس موضوع پر مزید گفتگو باب کے آخر میں ہوگی۔

چاند کی تخلیق کے قدیم نظریات

مشہور انگریز ماہر فلکیات سر جارج۔ ایچ ڈارون کے خیال کے مطابق چاند زمین سے ارتقاء کے نسبتاً" آخری دور میں جدا ہوا۔ مطلب یہ کہ چاند زمین کے بطن سے پیدا ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب زمین ٹھنڈی ہو کر حالت ٹھوس میں آچکی تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ٹھنڈی مگر مائع حالت میں ہی رہی ہو۔

سر جیمز جینز (جس کا ذکر آپ پہلے پڑھ چکے ہیں) نے اپنے مطالعہ کی بنیاد پر کہا کہ زمین سے ایک باریک شعلہ پھوٹنے کی بجائے اس کی سطح پر بڑا ابھار پیدا ہوا ہو گا۔ جب کشش ایک حد سے تجاوز کر گئی تو یہ ابھار اس جسم سے علیحدہ ہو کر ایک سیارچے کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ زمین کے بعد چاند دوسرا سیارہ ہے جس پر انسان نے اپنے قدم رکھے اور مشاہدات کئے جس میں چاند کی مٹی کا تجزیہ بھی شامل ہے جس کے مطابق زمین اور چاند کی بالائی سطح کی مٹی میں لوہے کی مقدار اور کثافتوں میں نمایاں فرق کی وجہ سے یہ نظریہ رد کر

Marfat.com

دیا گیا ہے کہ زمین کے بطن سے چاند پیدا ہوا۔ اس نظریے کو انشقاق کا نظریہ (The Fission Hypothesis) کہتے ہیں۔ مندرجہ بالا دونوں نظریے درحقیقت نظریہ انشقاق ہی کی مختلف توجیحات ہیں۔

تیسرا نظریہ' نظریہ تکثیف (The Condensation Hypothesis) کہلاتا ہے کہ زمین اور چاند ایک ہی وقت میں اسی بادل کے مادے سے تکثیف ہوئے جو شمسی سحابیہ (Solar Nebula) میں موجود تھا مگر یہ نظریہ بھی زیادہ دیر زندہ نہ رہا چونکہ زمین اور چاند کی کثافتیں اور تراکیب بھی مختلف ہیں۔

تیسرا نظریہ بڑا دلچسپ ہے کہ چاند کہیں شمسی سحابیہ میں پیدا ہوا ہو گا اور بعد میں اسے زمین نے پکڑ لیا۔ یہ نظریہ بھی رد کر دیا گیا ہے کہ چاند اگر کسی اور جگہ سے زمین کی طرف آ رہا تھا تو زمین میں اتنی کشش ثقل نہ تھی کہ وہ اس قدر رفتار پر چاند کو پکڑ لیتی لیکن اب ایک چوتھا نظریہ معرض وجود میں آیا ہے جسے آپ جدید نظریہ کہہ سکتے ہیں۔

چاند کی تخلیق کا جدید نظریہ

اس نظریے کو بڑے تصادم کا نظریہ (The Large Impact Hypothesis) کہہ سکتے ہیں۔ اس کے مطابق زمین اور چاند' دو سیاروں کے باہمی تصادم کے نتیجہ میں معرض وجود میں آئے جو بڑا ٹکڑا تھا وہ زمین بن گیا اور چاند اس قرص نما ملبے (Debris) اور گرد و غبار سے بن گیا جو زمین کے ٹکڑے کے اوپر کی طرف تھا۔ اس نظریے نے ماہر فلکیات کے بہت سارے تکنیکی سوالوں کے جواب دے دیئے ہیں۔ اگر اس کتاب میں چاند کی تخلیق کے اس نظریہ کو وضاحت سے بیان کیا جائے تو ہم اپنے مقصد سے ہٹ جائیں گے لہذا قارئین کو چاہیے کہ وہ کسی علم فلکیات کی کتاب میں چاند کی تخلیق کے بارے میں مزید تفصیل سے پڑھ لیں۔

سورۃ یٰسین کی ان آیات پر دوبارہ غور فرمائیے۔ قرآن مجید نہ صرف ہمیں یہ بتاتا ہے کہ چاند مختلف مقامات کی طرف حرکت کرتا ہے لیکن یہ بھی بتاتا ہے کہ یہ سورج اور زمین کے ساتھ ایک خاص مدار میں گھومتا ہے اور ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے پر سبقت یا آگے نکلنے کی کوشش نہیں کرتا۔ قرآن حکیم نے ان حقائق کو اس وقت بتایا جب دنیا جہالت میں تھی اور نہ صرف وہ نظام شمسی کے بارے میں نابلد تھے بلکہ اپنی زمین کے بارے میں بھی کچھ نہ جانتے تھے جس پر وہ رہتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب لوگ چاند کی

Marfat.com

پرستش کرتے تھے اور اسے ایک دیوی خیال کرتے تھے۔ اب ذرا غور فرمایئے کیا جدید علم فلکیات نے مزید اس میں کوئی اضافہ کیا ہے جو کچھ قرآن حکیم نے آج سے صدیوں پہلے بتادیا تھا۔ چاند زمین کے گرد گھومتا ہے اور زمین اپنے اس ذیلی سیارچے چاند کے ساتھ سورج کے گرد گھومتی ہے اور سورج اپنے تمام بچوں اور پوتوں کے ساتھ بے پناہ رفتار کے ساتھ خلاء میں دوڑ رہا ہے لیکن کیا وہ ایک دوسرے کو پکڑ لیتے ہیں؟ یقیناً اس کا جواب نفی میں ہے جیسا کہ قرآن حکیم نے سورۃ یٰس کی آیت 40 میں اس سوال کا جواب دے دیا ہے۔

نظام شمسی کا انجام (اختتام)

نظام شمسی کا انجام کیا ہو گا؟ اس کے بارے میں قرآن مجید میں بے شمار آیات ہیں۔ زمین پر نباتات' حیوانات اور انسانی زندگی کی حیات کا دارومدار سورج کی تب و تاب سے وابستہ ہے۔ آفتاب کے بارے میں علامہ اقبال کے چند اشعار کے مطابق ہماری ساری توانائیوں کا منبع سورج ہی تو ہے۔ نظام شمسی میں نو سیارے تو بہت مشہور ہیں جن میں عطارد' زہرہ' زمین' مریخ' مشتری' زحل' یورے نس' نیپچون اور پلوٹو شامل ہیں انکے علاوہ سیارچے' دم دار ستارے اور شہاب ثاقب بھی ہیں۔ سورج ان سب کا میر کارواں ہے چنانچہ سورج کی موت ان تمام اجرام فلکی کی موت کا باعث ہو گی اور زمین پر تمام نباتاتی اور حیوانی زندگی نیست و نابود ہو جائے گی اور آخر کار زمین سورج سے جا ٹکرائے گی۔ سب سے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ سورج کی توانائی سے ہم کیسے توانائی حاصل کرتے ہیں اور زندہ رہتے ہیں۔

سورج کی توانائی کا کچھ حصہ ہمیں روشنی اور حرارت کی صورت میں ملتا ہے۔ ہماری غذا یا تو زمین میں پیدا ہونے والی اشیاء مثلاً اناج' پھل وغیرہ سے آتی ہے یا پھر گوشت سے۔ یہ جاندار بھی اپنی غذا زمین میں اگنے والی نباتات سے حاصل کرتے ہیں مثلاً اناج' گھاس' سبز فصلوں' درختوں وغیرہ کے پتوں کو کھاتے ہیں۔ زمین میں جب بیج (Seed) بویا جاتا ہے تو وہ زمین میں نمی اور سورج کی حرارت سے پھوٹتا ہے۔ جو پانی اسے دیا جاتا ہے خواہ وہ نہر کا ہو یا ٹیوب ویل کا وہ بھی سورج ہی کی بدولت میسر ہوتا ہے وہ کیسے؟۔ سورج کی گرمی سے سمندروں کا پانی بخارات بن کر اڑ جاتا ہے اور بادلوں کی صورت اختیار کر کے پھر بارش کی صورت میں دوبارہ زمین یا پہاڑوں پر برستا ہے جس سے

Marfat.com

ہمارے دریاؤں، ندی نالوں، چشموں اور کنوؤں اور تالابوں میں پانی آتا ہے۔ اس پانی سے آب پاشی ہوتی ہے اور پودے یا درخت بڑھتے ہیں۔ ان پودوں یا درختوں کے پھل اور غلے کے دانے بھی سورج کی گرمی سے پکتے ہیں تو ہمارے کھانے کے کام آتے ہیں۔ اناج کے علاوہ ہم چوپایوں کا گوشت کھاتے ہیں۔ یہ چوپائے درختوں کے پتوں یا گھاس پر پلتے ہیں۔ جن پرندوں کا ہم گوشت کھاتے ہیں وہ غلے کے دانے کھاتے ہیں یا کیڑے مکوڑے، جن مچھلیوں کو ہم کھاتے ہیں وہ یا تو دوسری مچھلیوں کو کھا کر پلتی ہیں یا پانی میں پیدا ہونے والی نباتات جو کائی وغیرہ کی صورت میں ہوتی ہیں، کھا کر زندہ رہتی ہیں۔ یہ بجلی کہاں سے آتی ہے؟ یہ گرتے ہوئے پانی کی قوت سے پیدا ہوتی ہے۔ جس پانی کی قوت سے بجلی پیدا ہوتی ہے وہ کسی دریا کا یا قدرتی آبشار کا پانی ہو سکتا ہے (اس مقصد کے لئے مصنوعی آبشار بھی پیدا کر لی جاتی ہے)۔ دریا کا پانی کہاں سے آتا ہے؟ یہ پہاڑوں پر قدرتی چشموں سے یا پہاڑوں پر سورج کی گرمی سے برف پگھلنے سے آتا ہے۔ پہاڑوں پر برف بھی ان بخارات کے جمنے سے پیدا ہوتی ہے جو سورج کی گرمی سے سمندروں سے اٹھتے ہیں۔

ہماری تمام موٹریں، ہوائی جہاز، ریلیں اور مشینیں پٹرول کی قوت سے چلتی ہیں۔ چند سال پہلے ریلوے انجنوں اور مشینوں کو چلانے کے لئے کوئلہ بھی استعمال ہوتا تھا۔ پٹرول اور کوئلہ زمین سے نکالے جاتے ہیں۔ قدرتی گیس بھی توانائی کا ذریعہ ہے۔ یہ بھی زمین سے نکلتی ہے۔ یہ سب چیزیں اس نباتات کی کیمیائی تبدیلیوں سے بنی ہیں جو کروڑوں سال سے پہلے زمینی زلزلوں یا طوفانوں کی وجہ سے زمین میں دب گئی تھیں۔ زمین کی گرمی اور دباؤ سے ان نباتات میں کیمیائی تبدیلیاں ہوتی رہیں اور نباتات جو درحقیقت ہائیڈروجن اور کاربن کے مرکبات ہیں، پٹرول، کوئلے اور گیس میں تبدیل ہو گئے اور یہ چیزیں بھی ہائیڈروجن اور کاربن ہی کے مرکبات ہیں۔ ان کو جلا کر ہم وہی توانائی حاصل کرتے ہیں جو انہوں نے زمین میں دفن ہونے سے پہلے سورج سے حاصل کی تھی۔ چونکہ تمام نباتات (پودے، درخت وغیرہ) اپنی نشوونما کے لیے سورج کے مرہون منت ہیں چنانچہ پٹرول، کوئلے اور گیس کی توانائی بھی سورج ہی کی طفیل ہے۔ لہذا ہر قسم کی توانائی جس سے ہم کام لے رہے ہیں وہ سورج ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ انسان بھی کام کرنے کے لیے جو توانائی حاصل کرتا ہے وہ بھی سورج ہی کی بدولت ہے اس لئے کہ وہ اناج اور سبزیاں اور پھل جو استعمال کرتا ہے انہوں نے سورج سے توانائی حاصل کی ہوئی ہوتی ہے

اور یہ چیزیں ہمارے جسموں میں غذا کی صورت میں داخل ہو کر معدے میں کیمیائی تعامل کے ذریعے توانائی یا قوت پیدا کرتی ہیں جس سے ہم چلتے پھرتے ہیں اور اپنا کام کرتے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ سورج ہی زمین پر ہر قسم کی زندگی کا سرچشمہ ہے۔ مگر ایک روز یہ بھی اپنے انجام کو پہنچے گا۔ قرآن نے بڑی وضاحت کی ہے کہ نظام شمسی کیسے اپنے انجام کو پہنچے گا۔ دوسرے باب میں چند آیات دی تھیں جو دنیا کے انجام کے بارے میں ہیں۔ قرآنی آیات ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ یہ نظام کیسے ختم ہو گا مگر اس کے اختتام کا وقت نہیں بتاتیں۔ چند آیات ملاحظہ فرمائیے مگر سب سے پہلے سورج ہی کے متعلق آیت پر غور فرمائیے۔ارشاد ربانی ہے۔

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝

ترجمہ: "جب سورج لپیٹ دیا جائے گا" (جب سورج بے نور ہو جائے گا) "جب سورج کی بساط نور لپیٹ دی جائے گی"

(سورۃ التکویر81: آیت1)

کورت (لپیٹ دیا جائے)' کور کے معنی پھیلی ہوئی چیز کو لپیٹ کر تہ کر دینا۔ تکویر کے بھی یہی معنی ہیں اور یہی اس سورت کا نام بھی ہے۔ مراد یہ ہے کہ سورج کی پھیلی ہوئی شعاعیں لپیٹ کر تہ کردی جائیں گی اور اس کی روشنی جاتی رہے گی۔ اسی لئے بعض مفسرین نے اس آیت کا ترجمہ جب "سورج بے نور ہو جائے گا" کیا ہے۔ یہ آیت قیامت کی تصویر پیش کرتی ہے۔ جب سورج بے نور ہو جائے گا تو دنیا کا یہ سارا کارخانہ درہم برہم ہو جائے گا۔ ساری چیزیں یہاں کی فنا ہو جائیں گی۔سورج کی پھیلی ہوئی شعاعیں جن سے روشنی اور گرمی پیدا ہوتی ہے' ہر جگہ اجالا ہو جاتا ہے اور دھوپ نکل آتی ہے یہ لپیٹ کر تہ کر دی جائیں گی اور اس کی روشنی' گرمی اور دھوپ بالکل جاتی رہے گی۔ اسی طرح ستاروں کے بارے میں بھی'جو دور سے چمکتے نظر آتے ہیں ان کی روشنی غائب ہو جائے گی۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ ۝

ترجمہ: اور جب تارے ماند پڑ جائیں گے۔ دوسرا ترجمہ (اور جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑیں گے)

(سورۃ التکویر81: آیت 2)

Marfat.com

مندرجہ بالا کے علاوہ دوسری جو متوقع تبدیلیاں ہو سکتی ہیں ان کے بارے میں قرآن حکیم میں بھی بتا دیا گیا ہے مثلاً چاند پھٹ جائے گا' چاند کو گہن لگے گا' سورج اور چاند اکھٹے کئے جائیں گے' جب آنکھیں پتھرا جائیں گی آسمان پھٹ جائے گا' آسمان پھٹ کر سرخ ہو جائے گا' آسمان پگھلا ہوا تانبا ہو گا' آسمان لپیٹا جائے گا۔ (ایک بات یاد رکھیں کہ تارے اور سورج میں کوئی فرق نہیں ہے سورج بھی ایک تارا ہے)۔ سورج پھٹ جائے گا اور شعلے چھوڑے گا جس سے سمندروں کو آگ لگ جائے گی اور زمین پر زندگی ختم ہو جائے گی۔ کائنات میں اور اجرام ساوی میں انقلاب سے متعلق چند آیات کے مفہوم لکھ رہے ہیں جن کا تعلق بعض اجرام ساوی کی تبدیلیوں سے ہے۔ ان کے علاوہ زمین' سمندر اور پہاڑوں سے متعلق بھی آیات ہیں۔ ان کا ذکر بعد میں آئے گا۔

سائنس کا نقطہ نظر۔ سورج کیسے بے نور ہو جائے گا؟

یہ کائنات اور اس میں موجود تمام اجرام فلکی اور ہر انواع کی زندگی ارتقاء کی طرف رواں دواں ہے اور ارتقاء کی تکمیل کے بعد ہر چیز اپنے اختتام کو پہنچے گی۔ یہ قانون قدرت ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہر چیز اپنے اصل کی طرف لوٹتی ہے۔ ہم نے مشاہدہ کیا ہے کہ لوہے کا بالکل صاف ٹکڑا بارش میں رکھ دیا جائے تو اسے زنگ لگ جاتا ہے۔ وہ درحقیقت آئرن آکسائڈ کی ایک قسم ہوتا ہے۔ لوہے کو جس پتھر سے حاصل کیا جاتا ہے وہ بھی آئرن آکسائڈ کی ایک قسم ہوتی ہے یعنی آئرن آکسائڈ سے لوہا (آئرن) حاصل ہوتا ہے اور پھر وہی لوہا وقت کے ساتھ ساتھ زنگ آلود ہو کر اپنے اصل کی طرف یعنی آئرن آکسائڈ کی طرف لوٹنا چاہتا ہے۔ یہی حالت انسان کی ہے انسان کی تخلیق پانی اور مٹی سے ہوئی وہ اپنا بچپن' جوانی اور بڑھاپا گزار کر دوبارہ قبر (یعنی مٹی) میں اپنے اصل کی طرف چلا جاتا ہے۔ جہاں تک انسان کے ارتقاء کا تعلق ہے وہ ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے' اندازہ ہے' تقریباً 80,000,000، یعنی 8 کروڑ عیسوی میں انسان کا قد (ارتقائی منازل طے کرتا ہوا) دس پندرہ فٹ سے بھی بلند ہو گا اور پھر ایک زمانہ آئے گا کہ انسان اپنی مکمل جسامت حاصل کرنے کے بعد اپنے نسلوں کے زوال پذیر ہونے یا شرح پیدائش میں کمی ہو جانے کی وجہ سے مٹ جائے گا۔ اسی طرح نظام شمسی بھی اپنے ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے فنا ہو جائے گا۔ چونکہ سورج ہی اس نظام شمسی کا میر کارواں ہے اس کی فنا سے تمام نظام شمسی تباہ ہو جائے گا۔ سائنس دانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ سورج ابھی متقابلتاً نوجوان

Marfat.com

ستارہ ہے اور اس کا رنگ زرد ہے جب یہ موت کے قریب ہو گا تو اس کا رنگ سرخ ہو جائے گا اور اس کے لئے سرخ ضخیم ستارہ (Red Giant Star) کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ یہ اس وقت ہو گا جب یہ اپنا تمام جلنے والا ایندھن ختم کر چکا ہو گا۔ اس کے بعد یہ قریب المرگ مراحل میں سے گزرتا ہوا اور طویل مدت کے بعد سفید صغیر ستارہ (White Dwarf) بن جائے گا۔ اس کے بعد جو اس کی صورت ہو گی اسے نیوٹران ستارہ (Neutron Star) کہا گیا ہے۔ نیوٹران ستارہ ایک نہایت ہی جامد اور چھوٹا ستارہ ہوتا ہے اور یہ کلی طور پر نیوٹران پر مشتمل ہوتا ہے اور اس کا نصف قطر 10 کلومیٹر تک ہو سکتا ہے۔ سفید صغیر ستارہ ایک قریب المرگ ستارہ ہوتا ہے جس کا قطریا جسامت زمین کے برابر ہوتی ہے اور یہ آہستہ آہستہ ٹھنڈا ہوتا ہے۔ نیوٹران سٹار کے بعد کچھ مدت بعد یا سیاہ صغیر ستارہ (Black Dwarf Star) میں تبدیل ہو جائے گا۔ یہ مرحلہ در حقیقت سفید صغیر ستارے کا اختتام ہوتا ہے اور اس وقت سورج کی روشنی بالکل ختم ہو جائے گی یعنی یہ قرآن حکیم کے ارشاد کے مطابق ''بے نور ہو جائے گا''۔ اور بلیک ہول بن جائے گا۔ ایک بار پھر سورج کی موت کے مراحل بیان کر دیتے ہیں اور وہ ہیں۔

موجودہ سورج (زرد رنگ) = سرخ رنگ = سفید صغیر ستارہ = سیاہ صغیر ستارہ۔ آخری مرحلہ بلیک ہول یا سیاہ شگاف میں تبدیل ہونے کا ہے جو کہ ستارے کا مقبرہ ہوتا ہے اور کائنات میں نہ دکھائی دینے والا جسم ہوتا ہے۔ قارئین کی دلچسپی کے لئے مزید معلومات دی جاتی ہیں۔

سورج گذشتہ 5 ارب سال سے روشن ہے اور توقع ہے کہ آئندہ پانچ ارب سال تک روشن رہے گا یعنی اپنی پیدائش سے 10 ارب سال بعد یہ فنا ہو جائے گا۔ سورج یا دوسرے ستاروں میں ہائیڈروجن گیس بطور ایندھن موجود ہے جو نیوکلیری ایکشن کے ذریعے ہیلیم گیس میں تبدیل ہو رہی ہے اور اس عمل میں ہائیڈروجن کے ایٹم فیوژن کے ذریعے ہیلیم گیس میں تبدیل ہوتے ہیں جس کے نتیجہ میں بے پناہ حرارت اور روشنی پیدا ہوتی ہے۔ کائنات کے تمام ستاروں کے مرکز میں یہی نیوکلیری ایکشن جاری ہے۔ چنانچہ جب یہ ایندھن ختم ہو جائے گا تو پھر سورج سرخ رنگت اختیار کرے گا مگر اس کی درخشندگی اور تمازت میں بے پناہ اضافہ ہو گا اور اختصار کی خاطر ہم بتا دیتے ہیں کہ یہ سرخ ضخیم سورج چٹانوں کو پگھلا دے گا' سمندر ابل پڑیں گے اور بخارات میں تبدیل ہو

Marfat.com

جائیں گے اور زمین پر تمام حیوانی اور نباتاتی زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ البرٹ آئن سٹائن کی مساوات $E=mC^2$ کے مطابق ہائیڈروجن گیس کے پانچ ٹن ہر سیکنڈ ہیلیم میں تبدیل ہو رہے ہیں اور سورج کے مادے کا 0.01 فی صد ایک ارب سال میں روشنی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب تمام ہائیڈروجن ختم ہو جائے گی تو ہیلیم دوسرے بھاری عناصر مثلاً آئرن (لوہے) وغیرہ میں تبدیل ہو جائے گی اور سورج کا جسم پھول جائے گا یعنی اس کی جسامت اتنی بڑی ہو جائے گی کہ وہ اپنے قریبی سیاروں کو بھسم کرنے کے علاوہ ان کو اپنی کشش ثقل کے ذریعے پاش پاش کر دے گا۔ یا اسکے شعلے ان کے اتنے قریب ہو جائیں گے کہ ہر چیز نیست و نابود ہو جائے گی۔ ایک تاویل یہ بھی ہے کہ قریبی سیارے عطارد، زہرہ اور زمین کو ہڑپ کر جائے گا۔ ظاہر ہے ایسا کرنے سے اس کا مادہ اتنا زیادہ ہو جائے گا کہ یہ کچھ مادہ خلا میں پھینک دے گا یعنی سورج اپنا بالائی ہائیڈروجن گیس کا غلاف خلا میں پھینک دے گا اور پھر برق یافتہ (Electrically Charged) ذرات کی لہریں برآمد ہوں گی جنہیں ستارہ آندھی (Stellar Wind) کہتے ہیں اور سورج کا قطر محض کاربن کا ہو گا جس کے گرد ایک جاتا ہوا ہیلیم کا خول ہو گا۔ اس حالت میں یہ کشش ثقل کو برداشت نہیں کر سکے گا اور اندر کی طرف سکڑنا شروع کر دے گا اور اس کا اندرونی درجہ حرارت اور دباؤ بڑھ جائے گا۔ ایک بات یاد رکھیے کہ اس وقت سورج کے مرکز کا درجہ حرارت ڈیڑھ کروڑ ڈگری سنٹی گریڈ ہے اور سرخ ستارہ بننے کی صورت میں اس کا درجہ حرارت 10 کروڑ ڈگری سنٹی گریڈ ہو گا۔ چنانچہ جب یہ سکڑے گا تو اس کا درجہ حرارت مزید بڑھے گا اور اس میں موجود ایٹموں کے الیکٹران علیحدہ ہو جائیں گے اور یہی سورج پھر چھوٹا اور گرم ترین ستارہ بن جائے گا جسے سفید صغیر ستارے کا نام دیا گیا ہے جو آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس ستارے کی کشش ثقل زمین کی کشش ثقل کا 350,000 گنا زیادہ ہو گی یعنی اگر آپ کا وزن جو زمین پر ہے آپ سفید صغیر ستارے پر ہوں (اگرچہ یہ ممکن نہیں) تو آپ کا وزن 350,000 گنا ہو گا۔ اس مرحلے کے بعد ہمارا ستارہ یعنی سورج ایک (Brilliant Flaring Star) بن جائے گا اور پھر اس کا جسم آہستہ آہستہ ٹھنڈا ہونا شروع ہو گا اور رنگ کی سرخی کم ہو جائے گی یا اس کا سرخ رنگ مدہم پڑ جائے گا اور یہ آخری بار خلا میں اپنی روشنی کی توانائی دے گا۔ یہ ایسے ہی ہو گا جیسے کوئی روشن موم بتی یا چراغ

Marfat.com

بجھنے سے پہلے زیادہ روشنی دیتا ہے اور پھر یہ ایک مردہ سیاہ صغیر ستارہ (Dead Black Dwarf) ہو گا جو خلا کے قبرستان میں اپنے ان بے نور اور مردہ سیاروں کے ساتھ گھومتا رہے گا جن سیاروں کو اس نے شروع میں ہڑپ نہیں کیا ہو گا اور آخر میں سیاہ شگاف بن جائے گا جو سورج کی قبر (Grave) ہو گی۔ سیاہ شگاف (Black Holes) کائنات میں مردہ ستارہ کی باقیات ہوتی ہیں لیکن اس کے بہت کم جسامت اور مادے کی بے پناہ کثافت کی وجہ سے روشنی کی لہریں بھی اس سے خارج نہیں ہو سکتیں جس کی وجہ سے یہ انسان کو نظر نہیں آتا اور سیاہ شگاف کہلاتا ہے۔ ☆

سورج کے فنا ہونے کے بارے میں اس وقت سائنس کے جو نظریات ہیں وہ وہی ہیں جن کا ذکر قرآن حکیم میں موجود ہے۔ قرآن حکیم کے مطابق سورج بے نور ہو جائے گا اور سائنس بھی کہتی ہے کہ سورج بے نور ہو جائے گا۔ لہٰذا سورج کی موت کے بارے میں سائنسی نظریات قرآن کے ارشادات سے بالکل مطابقت رکھتے ہیں لہٰذا سچ ہوں گے۔ ایک بات واضح ہو گئی کہ سورج کے فنا ہونے سے نظام شمسی تباہ ہو جائے گا اور عین ممکن ہے کہ نظام شمسی کے انہدام سے کائنات کے باقی حصوں میں بھی انہدام کا پروسیس شروع ہو جائے جو قیامت کا پیش خیمہ ہو۔ نظام شمسی کے انجام کے بارے میں جو مراحل لکھے ہیں ہو سکتا ہے اس میں کچھ اور بھی تبدیلیاں رونما ہوں لیکن یہ حتمی بات ہے کہ سورج آخر میں بے نور ہو جائے گا تاہم مستقبل کا علم سوائے ذات باری تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں بہرحال سورج کے آغاز کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے انجام کے متعلق بھی کچھ نہ کچھ پیش گوئی تو کی ہی جا سکتی ہے۔ سائنس دانوں نے نظام شمسی کے مستقبل کے بارے میں اندازے لگائے ہیں جن کا ذکر آپ پڑھ چکے ہیں۔ تاہم اختتام کا کیا نظارہ ہو گا؟ اگر اس وقت کسی اور نظام شمسی کے سیارے میں کچھ زندہ مخلوق ہوئی تو وہ ہی اس نظارے کو دیکھ کر حیران رہ جائے گی۔ سورج کے فنا ہونے کے عمل کو چند ارب سال لگیں گے اور ممکن ہے کہ تب تک سائنس اتنی ترقی کر لے کہ انسانوں کے رہنے کے لئے محفوظ اور موزوں درجہ حرارت پر زمین دوز رہائش گاہیں بنائی جا سکیں یا زمین کی تمام آبادی کسی ایسے بعید سیارے پر منتقل کی جا سکے جہاں حرارت اور روشنی ایسی ہو جیسی کہ اب ہے۔ تاہم اگر نظام شمسی کی تباہی قیامت کا پیش خیمہ ثابت ہوئی تو پھر کوئی انسان سورج کی موت یا نظام

☆ سیاہ شگاف کی مزید تفصیل کے لئے مصنف کی کتاب "کائنات اور اس کا انجام" کا مطالعہ فرمائیے۔

Marfat.com

شمسی کی موت کے "آتش بازی" جیسے نظارے کو قطعاً نہیں دیکھ سکے گا۔

سائنس کا ایک دوسرا نظریہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب سورج "سرخ ضخیم ستارہ" (Red Giant Star) بن جائے گا تو دھماکے سے پھٹ جائے گا اور کشش ثقل کا نظام درہم برہم ہونے سے نظام شمسی کے دوسرے سیارے بھی اسی قسم کے انجام سے دوچار ہوں گے۔ اس لحاظ سے یہ آنا "فانا" ہو گا۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔

وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝

ترجمہ: "اور قیامت کا ہونا تو آنکھ جھپکنے کی طرح ہے یا اس سے بھی زیادہ قریب بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے"

(سورۃ النحل 16: آیت 77)

اس سے مراد تو یہ ہے کہ یہ اچانک ہی آ جائے گی تو اس لحاظ سے سائنس کا دوسرا نظریہ کہ نظام شمسی سورج کے دھماکے کے ساتھ ہی فنا ہو جائے گا قرآن حکیم کے ارشاد کے بہت ہی قریب ہے۔ جب یہ پھٹے گا تو اس کے شعلے (یعنی اس کی آگ کے شعلے) سمندروں کے پانیوں کو شعلوں میں تبدیل کر دیں گے۔ سمندر آگ کے شعلوں میں تبدیل ہو جائیں گے۔ اس کے بارے میں بھی ارشاد ربانی ہے جس کا مفہوم یہی ہے کہ سمندروں کو آگ لگ جائے گی! اور زمین پر زندگی کا خاتمہ بالخیر کریں گے۔ سورج کی کشش ثقل اتنی کمزور پڑ جائے گی کہ وہ سیاروں پر اپنا کنٹرول چھوڑ دے گا اور نتیجتاً سیارے بکھر جائیں گے۔ ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائیے۔

وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝

پہلا ترجمہ: "اور جب سمندر جھونکیں جائیں (گے)"

دوسرا ترجمہ: "اور جب سمندر بھڑکائے جاویں گے"

(سورۃ التکویر 81: آیت 6)

قرآن حکیم کی آیات نہ صرف سورج یا نظام شمسی کے بارے میں بلکہ سورج (جو ایک ستارہ ہے) باقی ستاروں کی بابت بھی ذکر کرتی ہیں۔ ہمارے نظام شمسی میں تو صرف ایک ہی ستارہ ہے اور وہ ہے سورج جو آیات تاروں (ستاروں) کے بارے میں ہیں وہ دوسرے نظاموں کے تاروں کے ماند پڑ جانے یا گر پڑنے کے بارے میں ہیں جن سے نظام

Marfat.com

ہوتا ہے کہ سب کچھ قیامت کو ہو گا- تاہم ایک بات واضح ہے کہ قرآن حکیم اور سائنس دونوں یہ بات واضح کرتے ہیں کہ ایک روز سورج کی طاقت ختم ہو جائے گی- کیا معلوم کہ یہ وہی دن ہو جب حشر برپا ہو گا! اور زمین پر ہر چیز فنا ہو جائے گی-

بقول اقبال ؎

اول و آخر فنا' باطن و ظاہر فنا
نقش کہن ہو کہ نو منزل آخر فنا

(نظم از مسجد قرطبہ)

تخلیق کے چھ ادوار یا زمانے

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا- اس حقیقت کو قرآن مجید کی کئی آیات بیان کرتی ہیں- مندرجہ ذیل آیات کے تراجم ملاحظہ فرمائیے

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ

ترجمہ: "بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا' پھر عرش پر قائم ہوا"-

(سورۃ الاعراف 7: آیت 54)

مزید فرمایا

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ

ترجمہ: "اور ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اس سب کو چھ دن میں پیدا کیا"-

(سورۃ ق 50: آیت 38)

وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا

"اور وہی ہے قادر مطلق جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا اور

Marfat.com

اس کاعرش پانی پر تھا' تاکہ تم کو (آزمائے) کہ (دیکھیں) تم میں اچھا عمل کرنے والا کون ہے۔

(سورۃ ھود 11: آیت 7)

قرآن مجید اور قدیم بائبل (Old Testament) زمین کی تخلیق کے بارے میں دونوں کہتے ہیں کہ زمین چھ روز میں مکمل ہوئی۔ لفظ "یوم" کی تشریح تیسرے باب میں بھی کر دی گئی ہے اب کچھ باتیں مزید بیان کی جارہی ہیں۔ لفظ یوم کی تشریح تیسرے باب میں بھی کر دی گئی ہے اب کچھ باتیں مزید بیان کی جا رہی ہیں۔ لفظ یوم کے عبرانی زبان (Hebrew) میں معنی اور عربی زبان میں 24 گھنٹوں کے ہی نہیں بلکہ وقت (Time) کا ایک غیر معینہ عرصہ بھی ہے۔ دونوں قرآن اور قدیم بائبل اس بات کااعلان کرتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک ایک یوم ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ قرآن حکیم ایک دن (قیامت کے دن) کے بارے میں ضرور بیان کرتا ہے جس کی لمبائی 50 ہزار سال کے برابر ہو گی۔ ارشاد ربانی ہے۔

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ

ترجمہ: "فرشتے اور (اہل ایمان کی روحیں) اس کے پاس چڑھ کر جاتی ہیں اور (وہ عذاب) ایسے دن میں ہو گا جس کی مقدار (دنیا) کے پچاس ہزار سال کے برابر ہے"

(سورۃ المعارج 70: آیت 4)

بعض مفسرین "الروح" کے معنی جبریل علیہ السلام کرتے ہیں۔ بہرحال یہاں "یوم" کی مقدار 50 ہزار سال بتائی گئی ہے۔ مندرجہ بالا آیت سے لفظ "یوم" کی صحیح ترجمانی ہوتی ہے۔انگریزی میں اس لفظ "Day" کے معنی وقت کا عرصہ ہوتا ہے۔ علم ارضیات کسی بھی لحاظ سے ان آسمانی کتابوں کی مخالفت نہیں کرتا۔ اس کی رائے میں تخلیق کے وہ کل چھ دور ہیں جن کے دوران آخر میں انسان ظاہر ہوا۔ ان میں سے زیادہ تر زمانوں کو مزید کئی ادوار میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ بائبل میں ان زمانوں کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے اور قرآن حکیم میں دیئے گئے حقائق سے یہ اتفاق کرتی ہے۔

Marfat.com

قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ
أَنْدَادًا ۚ ذَٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبَارَكَ
فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِلسَّائِلِينَ ۝

ترجمہ: ”آپ (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرمایئے کہ کیا تم لوگ ایسے خدا (کی توحید) کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو (باوجود اتنی وسعت کے) دو روز میں پیدا کر دیا اور تم اس کے شریک ٹھہراتے ہو یہی سارے جہاں کا رب ہے اور اس نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنا دیے، اور اس زمین میں فائدہ کی چیزیں رکھ دیں اور اس میں اس (کے رہنے والوں) کی غذائیں تجویز کر دیں چار دن میں (ہوا جو شمار میں) پورے ہیں پوچھنے والوں کے لئے“

(سورۃ حم السجدہ 41: آیت 10,9)

یہ آیت کریمہ جس کا ترجمہ آپ نے ملاحظہ فرمایا ہے پہلے بھی گذشتہ باب ملاحظہ فرما چکے ہیں لیکن یہاں تخلیقی ادوار کے سلسلہ میں اس کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔ قرآن حکیم کے مطابق اللہ جل شانہ، نے زمین کو بنی نوع انسان کی رہائش یا بود و باش کے لیے نہایت موزوں بنایا۔ بہت ساری تبدیلیاں میانی حیات کے دور (Mesozoic) اور نسل حیوانیہ کے دور (Genozoic) کے عرصہ کے دوران ہوئیں۔ زمین کے آخری دور میں زمین پر انسان ظاہر ہوا۔ تبدیلی سے پہلے زمین کا زیادہ تر حصہ دلدلی تھا اور زمین پر رینگنے والے جانوروں کا قبضہ تھا۔ ان حالات میں زمین رہائش کے لیے موزوں نہ تھی۔ زمین پر کچھ ایسی ارضیاتی تبدیلیاں رونما ہوئیں جن سے پانی کم ہو گیا اور زمین کے بڑے بڑے حصے پیدا ہو گئے جس پر انسان کا رہنا آسان ہو گیا۔ دلدلی زمین میں ایسا سبزہ پیدا ہو گیا جس میں پھول دار پودے تھے جو اس وقت کی زمین کی مٹی کی خاصیت کے مطابق تھے۔ ان تبدیلیوں سے دوڑنے والے حیوانات کو دیو قامت رینگنے والے جانوروں پر فوقیت حاصل ہو گئی اور یہ درحقیقت آہستہ آہستہ ناپید ہو گئے اور یہ زندگی ہماری موجودہ زمانے کی زندگی کے بہت قریب آ گئی۔ اور برفانی دور کے بعد ایسی آب و ہوا قائم ہو گئی جو اس وقت سے لے کر آج تک وہی ہے اور جو زندگی اس وقت تھی وہی آج ہے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ، نے اس زمین کو اپنی نعمتیں عطا کیں اور ان نعمتوں سے پہلے

Marfat.com

اونچائیاں اور سطح مرتفع قائم کیں۔ یہ بات ماہر ارضیات کہتے ہیں کہ کسی وقت ہماری زمین پگھلے ہوئے مادے پر مشتمل تھی اور اس کی حرکت محوری نے اسے گول شکل دے دی اور اس پر لاوے اور پگھلے ہوئے چٹانوں کی تہ پیدا ہو گئی اور غالباً" زمین کے اس مائع مادے میں کسی جگہ پر شدید ابال اور ہیجان یا اضطراب (Seathings) پیدا ہوئے ہوں گے۔ اور زمین میں ہلاوٹ اور جھٹکے پیدا ہونے لگے جوں ہی یہ بالائی تہ (Crust) بھاری ہوئی اور پھٹ گئی تو آتش فشاں پہاڑوں سے بھاپ' گیس اور آگ نکلی جس کے نتیجہ میں میدان مرتفع (Plateaux) پیدا ہو گئے۔ آیئے دیکھتے ہیں قرآن حکیم ان اونچائیوں اور سمندروں کے بارے میں کیا کہتا ہے۔ سورۃ ھود کی آیت 7 سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی قدیم وقت ہماری زمین پر کلی طور پر پانی ہی پانی تھا اور یہ زمانہ بہت ہی دور بعید کا ہے۔

اس وقت ہماری زمین کا 5/7 حصہ سمندر اور بحر سے گھرا ہوا ہے۔ جب ہماری زمین تخلیق ہوئی (جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے) مختلف عناصر کے بخارات پر مشتمل تھی اور جوں جوں یہ ٹھنڈی ہوتی گئی پانی کے بخارات بارشوں کی صورت میں مائع پانی میں تبدیل ہو گئے۔ ان بخارات نے بہت عرصہ تک سورج کی روشنی کو زمین تک نہ آنے دیا ہو گا۔ انہیں آبی بخارات نے ساری زمین کو پانی سے ڈھانپ دیا ہو گا۔ پھر زمین میں ٹھنڈا ہونے اور سکڑاؤ کا عمل شروع ہو گیا۔ جونہی اس میں عمل سکڑاؤ نے اندرونی زمینی مادے کو دبایا اور اس سے لاوا اور پگھلی ہوئی چٹانیں پیدا ہوئیں تو اس کے نتیجہ میں قدیم ترین سطحات مرتفع اور پہاڑ بن گئے۔

لیکن جدید نظریہ کے مطابق تمام براعظم پلیٹوں پر موجود ہیں اور جب ان پلیٹوں میں حرکت پیدا ہوئی تو ان کے ٹکرانے سے پہاڑ بن گئے ہوں گے۔ اور انجیل بھی اس سے اتفاق کرتی ہے جو کچھ قرآن حکیم بیان کرتا ہے۔ انجیل کی آیات ملاحظہ فرمایئے۔

"اور زمین بغیر کسی شکل اور خلا کے تھی اور اس کے چہرے پر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی اور خدا کی روح پانیوں کے اوپر تھی" جینیس Genesis باب اول آیت 2

"اور خدا نے کہا۔ پانی آسمان کے نیچے ایک جگہ اکٹھا ہو جائیں اور خشک زمین ظاہر ہو اور ایسا ہی ہوا" جینیس باب اول آیت 9

مندرجہ بالا بیانات سے ظاہر ہے کہ الہامی کتابیں سائنس کی مخالفت نہیں کرتیں بلکہ وہ اس کی پہلی پیش رو (Pioneers) تھیں۔ قرآن حکیم مندرجہ ذیل آیت میں

Marfat.com

پہاڑوں اور عظیم اونچائیوں سے متعلق بیان کرتا ہے۔

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ۝ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا ۝ وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا ۝

ترجمہ: "اور اس کے بعد زمین کو انڈے کی طرح شکل و صورت دی۔ (اور زمین بنا کر) اس سے اس کا پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو (اس پر) قائم کر دیا"

(سورۃ نازعات 79: آیت 30 تا 32)

قرآن حکیم سب سے پہلے زمین کی بناوٹ کا ذکر کرتا ہے اور پھر اس سے پانی اور چارہ نکالنے کا اور آخر میں پہاڑوں کا ذکر کرتا ہے۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ چونکہ حالیہ پہاڑوں کے سلسلے چوتھے ارضیاتی عہد کے تیسرے دور میں بنے یعنی جسے میانی حیاتیہ دور (Mesozoic) کہتے ہیں جہاں کہ قدیم ترین چٹانوں کی بناوٹیں تاریخ کے اولین دور سے تعلق رکھتی ہیں۔ آخر بلند سطحات (Plateaux) اور پہاڑوں کا کیا کام ہے؟ پہاڑوں کے کام کی وضاحت بعض آیات میں ہے جو سائنس سے اتفاق کرتی ہیں۔ ارشاد ربانی ہے

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۭ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بلا ستون بنایا تم ان کو دیکھ رہے ہو اور زمین پر پہاڑ ڈال رکھے ہیں کہ وہ تم کو لے کر ڈانواں ڈول نہ ہونے لگے اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا رکھے ہیں اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس زمین میں ہر طرح کی عمدہ اقسام اگائے"

(سورۃ لقمٰن 31: آیت 10)

چنانچہ یہ پہاڑ زمین کی ساخت کی قیام پذیری کی ضمانت دیتے ہیں۔ خاص طور پر قشر ارض (Earth's Crust) کی کمزور جگہوں (مقامات) پر یعنی براعظموں کے حدود

Marfat.com

(Borders) کے قریب جہاں یہ پہاڑ اور بلندیاں اپنا توازن آسانی سے رکھ سکتی ہیں۔ اب سائنس بھی قرآن حکیم سے اتفاق کرتی ہے کہ زمین کو توازن برقرار رکھنے کے لئے یہ پہاڑ ضروری ہیں۔

زمین کا سکڑنا

زمین کا اندرونی حصہ بے پناہ گرم ہے اور یہ اپنی حرارت آہستہ آہستہ ضائع کر رہی ہے۔ اس سکڑاؤ کے نتیجے میں آتش فشاں پہاڑ پھٹتے ہیں اور زلزلے آتے ہیں۔ (جدید نظریہ ہے کہ زمینی پلیٹوں کی حرکت سے زلزلے آتے ہیں)۔ قرآن حکیم زمین کے اس بتدریج سکڑاؤ کی طرف ہماری توجہ مبذول کرواتا ہے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا ۚ وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ ۚ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ○

ترجمہ ”کیا وہ دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آرہے ہیں اور اللہ حکم کرتا ہے کوئی نہیں کہ پیچھے ڈالے اس کا حکم اور جلد لیتا ہے حساب کو“

(سورۃ الرعد 13: آیت 41)

یہ ایک سائنسی حقیقت ہے کہ زمین سکڑ رہی ہے مگر بعض علماء حضرات نے اس کے معنی یہ لکھے ہیں کہ ”یہی نشانی کافی ہے کہ ہم ان کافروں پر زمین تنگ کرتے آرہے ہیں“ یعنی اسلام چاروں طرف پھیل رہا ہے اور کفر گھٹتا چلا جارہا ہے۔ یہ تفسیر بھی درست ہے کیونکہ اس وقت ان کی سمجھ میں یہی مطلب آتا تھا اور اب زمین کے گھٹنے کا ایک نیا پہلو سامنے آیا ہے مقصد کہنے کا یہ ہے کہ دونوں تفسیریں درست ہیں۔

لہذا مندرجہ بالا آیت کریمہ کا مطلب ہے کہ زمین کی ضخامت وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ گھٹتی جاتی ہے جو درحقیقت سکڑاؤ (Contcation) کا نتیجہ ہے۔ زمین کے سکڑاؤ کا عمل جاری ہے جو آخری برفانی دور سے شروع ہوا جو کہ 1800 سال پہلے تھا اور تقریباً 30 جزیرے ختم ہو چکے ہیں اور سطح سمندر کے بڑھنے سے زمین زیر آب آرہی ہے۔ اور گذشتہ 300 سال سے درجہ حرارت 1 تا 2 سنٹی گریڈ بڑھا ہے جس سے گلیشیئرز پگھل کر سمندر کے پانی میں اضافہ کر رہے ہیں۔ اسی حقیقت کی تصدیق آج ماہر ارضیات (Geologists) کرتے ہیں جب کہ قرآن حکیم نے بہت پہلے انسان کو اس حقیقت سے

Marfat.com

آگاہ کر دیا گیا تھا۔ ☆

زمین کے کٹاؤ کے سکڑاؤ کے علاوہ اور بھی عوامل ہیں جن میں قطبین پر گلیشئرز کا پگھلنا ہے اور اس سے سطح سمندر کی سطح بلند ہو گی۔اگلی صدی میں سمندر کی سطح ایک میٹر تک بلند ہو جائے گی جس سے تقریباً 10 کروڑ انسان مبتلا ہوں گے۔ درجہ حرارت بلند ہونے کی ایک وجہ گذشتہ 100 سالوں میں گرین ہاؤس گیسوں میں اضافہ ہے جس سے درجہ حرارت بڑھا ہے۔ (ایک رپورٹ کے مطابق زمین 4 ایکڑ فی گھنٹہ کے حساب سے ضائع ہو رہی ہے)

زمین کا انجام

یہ سوال ہر اہل ایمان کے ذہن میں آتا ہے کہ روز حساب کب ہو گا؟ کیا یہ ہماری زمین پر ہو گا؟ اگر یہاں نہیں تو پھر کہاں ہو گا؟ آپ دوسرے باب کے آخر میں سورۃ ابراہیم کی آیت کریمہ 48 پر دوبارہ غور فرمائیے گا اس کے مطابق تو قرآن حکیم نے اعلان کر دیا ہے کہ یہ کسی دوسری زمین اور دوسرے آسمان میں ہو گا' اس کا مطلب بہت واضح ہے کہ زمین کا خاتمہ ہونے والا ہے اور اس کا خاتمہ سورج کے دھماکہ سے پھٹنے کے ساتھ ہی ہو گا اور زمین اپنے قریبی سیاروں کے ساتھ سورج سے ٹکرائے گی اور پاش پاش ہو جائے گی۔ تاہم یہاں ایک بات واضح کر دیتا ہوں کہ سائنس زمین کے انجام کے بارے میں حتمی فیصلہ صادر نہیں کر سکتی کیونکہ یہ اس کے دائرہ کار سے باہر ہے۔ اس کے نظریات (جن کا ذکر اس باب میں سورج کے انجام کے متعلق ہو چکا ہے) ایسے عنوانات کے بارے میں محض احتمالات یا مفروضے ہیں جسے انگریزی میں (Conjecture) کہتے ہیں۔

سائنس اس بات سے متفق ہے کہ ایک دن یہ زمین یقیناً فنا ہو جائے گی اور ہر چیز اس پر بھی فنا ہو جائے گی مگر یہ نہیں بتا سکتی کہ زندگی دوبارہ لوٹائی جائے گی یا نہیں اگر روز محشر ہو گا تو یہ کیسے ہو گا اور کہاں ہو گا؟۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ سائنس ہمیشہ مذہب کی ضرورت مند رہے گی۔ کائنات کے بہت سارے بڑے مسائل اور تخلیق کے رازہائے

☆ مزید تفصیل کے لئے مصنف کی کتاب ''کائنات اور اس کا انجام'' کا مطالعہ فرمائیے جو جنگ پبلشرز 13 سر آغا خان روڈ اور فیروز سنز لاہور سے دستیاب ہے۔

Marfat.com

بستہ کی تشریح کے لئے سائنس یہ دعویٰ کر کے اپنے آپ کو دھوکا دے رہی ہے کہ یہ ہر چیز کو واشگاف کر دے گی یعنی پوشیدہ راز معلوم کر لے گی۔ قرآن حکیم نہ صرف ایک سورت میں بلکہ کئی سورتوں میں دنیا کے انجام کے بارے میں بعض نشانیوں کا ذکر کرتا ہے مثلاً ان آیات کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے مثلاً

1۔ ایک دن زمین اور پہاڑوں کو ہلا دیا جائے گا اور پہاڑ ریت کا ڈھیر ہو جائیں گے (اور روئی کے گالوں کی طرح اڑیں گے)

2۔ نہ صرف پہاڑ اڑا دیئے جائیں گے بلکہ آسمان پھٹ جائے گا

3۔ ستارے بے نور ہو جائیں گے (بجھ جائیں گے) اور آسمان دو ٹکڑے ہو جائے گا اور پہاڑوں کو اڑا دیا جائے گا۔

4۔ زمین کو گرد کی صورت میں پیس دیا جائے گا

5۔ سورج بے نور ہو جائے گا

ملاحظہ فرمائیے سورۃ یونس 10 کی آیت 24 ☆

إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قَادِرُونَ عَلَيْهَا أَتَاهَا أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا حَصِيدًا كَأَن لَّمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ ۚ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ○

(سورۃ یونس 10: آیت 24)

"دنیا کی زندگی کی وہی مثل ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس سے زمین کا سبزہ (رلا ملا) نکلا جو کہ آدمی اور جانور کھاتے ہیں یہاں تک کہ جب زمین نے رونق پکڑی اور مزین ہو گئی اور زمین والوں نے خیال کیا کہ وہ ہمارے ہاتھ لگ گئی ناگاہ اس پر ہمارا حکم پہنچا رات کو یا دن کو پھر اس کو کاٹ کر ڈھیر کر ڈالا گویا وہ کل موجود ہی نہ تھی اس

☆ اس آیت مبارکہ کو گیارہویں باب میں بھی زیر بحث لایا گیا ہے صفحہ 244

طرح ہم نشانیوں کو کھول کر بیان کرتے ہیں اور ان لوگوں کے سامنے جو غور کرتے ہیں"۔
(سورۃ یونس 10 آیت 24)

"اس آیت کا مفہوم واضح ہے کہ سبزہ کھیتی میدان میں اگی، بڑھی، پھلی پھولی، پوری رونق پر آئی اور پک کر تیار ہو گئی۔ زمین والے یقین کئے بیٹھے ہیں کہ بس اب یہ ہماری ہے۔ناگاہ اللہ کا حکم ہوا، زور کی آندھی بگولا چلے، اولے پڑے یا ٹڈی دل آ جائے۔ چنانچہ رات کو یا دن کو کوئی ایسی آفت آئی کہ ساری کھیتی تباہ ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ ہیں ہمارے سمجھانے کے طریقے۔ ہم نشانیاں کھول کر بیان کرتے ہیں۔ سمجھنے والے سمجھ جاتے ہیں اور ان ہی کی خاطر تفصیل بھی کی جاتی ہے۔ مناسب یہی ہے کہ اللہ کو پہچانو اور اس کے حکم کے مطابق زندگی بسر کرو۔ پھر دنیا رہے یا اجڑ جائے تم پر کوئی آنچ نہ آئے گی"۔

مفسرین قرآن اس آیت کو زمین کے خاتمے اور قیامت کے حوالے سے پیش کرتے ہیں۔ درحقیقت یہ آیت دنیا میں تہذیب وتمدن کے طلوع اور آخر میں اس کے مٹ جانے کی طرف بڑی خوبصورتی سے اشارہ کرتی ہے۔ اور واضح کرتی ہے کہ یہ دنیاوی ترقی یا سائنسی ترقی۔ (نیوکلیر توانائی یا خلا کی تسخیر) اور زمین پر خوشحال زندگی انسان کو خدا کی یاد سے غافل نہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات مبارک ہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اور بقاء اللہ تعالیٰ کی ذات کو حاصل ہے باقی کائنات یا اس میں جو چیز ہے اسے فنا ہونا ہے۔ یاد رکھیے زمین کا انجام سورج کے انجام سے منسلک ہے۔ جب تک سورج قائم ہے زمین قائم ہے۔ اور زمین کا انجام آج سے دو ارب سال بعد متوقع ہے۔ ☆

کیا اجرام فلکی کی حرکات و سکنات انسانی رویے یا قسمت پر اثر انداز ہوتی ہیں؟

جوتش یا نجوم بینی ایک قدیم توہم پرستی ہے

ان باتوں کا تعلق ایک ایسے علم سے ہے جسے عام زبان میں جوش یا نجوم بینی کہہ سکتے ہیں۔ کائنات میں ستاروں، سیاروں اور کہکشاؤں وغیرہ کے بارے میں علم کو انگریزی میں اسٹرانومی (Astronomy) یا عام فہم زبان میں علم ہیئت، علم فلکیات یا علم النجوم کہتے ہیں جو اب ایک مسلمہ سائنس ہے اور اسی سے ملتا جلتا انگریزی کا لفظ

☆ مزید تفصیل کے لئے مصنف کی کتاب "کائنات اور اس کا انجام" کا مطالعہ فرمائیے۔

اسٹرالوجی (Astrology) ہے جسے عام فہم زبان میں جوتش یا نجوم بنی کہتے ہیں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسٹرانومی کا آغاز اسٹرالوجی میں دلچسپی کی وجہ سے ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے اسٹرانومی کی ابتداء اور اس کے فروغ کی ایک وجہ اسٹرالوجی ہو مگر جوتش یا نجوم بنی ایک قدیم توہم پرستی ہے جس کا بنیادی اصول یہ ہے کہ انسان کی شخصیت اور اس کی زندگی پیدائش کے وقت اجرام فلکی یعنی سورج' چاند' سیاروں اور ستاروں سے متاثر ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں جوتشی (Astrologist) یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ روز بروز ان اجرام فلکی کی پوزیشن یا مقامات کی تبدیلی سے ہماری زندگیاں متاثر ہوتی ہیں اور وہ ان تمام باتوں کو اختصار کے ساتھ ایک شکل کی صورت میں ظاہر کرتے ہیں جنہیں انگریزی میں زوڈیاک (Zodiac) یا منطقہ البروج یا آسمان جسے وہ جدول روز و شب' زائچہ یا جنم پتر (Horoscope) کہتے ہیں جس میں وہ کسی فلکی جرم کی آسمان میں ایک خاص وقت میں پوزیشن بناتے ہیں۔ وہ آسمان کو بارہ حصوں یا برجوں میں ظاہر کرتے ہیں اور ان برجوں کے نام' حمل' ثور' جوزا' سرطان' اسد' سنبلہ' میزان' عقرب' قوس' جدی' دلو اور حوت وغیرہ کے ہیں۔

اس عقیدہ کی ابتداء کوئی دو ہزار سال پہلے ملک بابل کے ایسے حصوں میں ہوئی جہاں لوگ آسمان کی پرستش کرتے تھے اور پھر اس عقیدہ میں یونانیوں' اور مصریوں نے ترامیم پیدا کیں وہ یہ کہ ان تمام تہذیبوں اور تقاضوں کا یہ عقیدہ تھا کہ ان متحرک اجرام فلکی میں ان کے دیوتاؤں کا ظہور ہوتا تھا لہٰذا یہ بات ان کے لئے بڑی دلیل کی حامل تھی کہ وہ یہ تصور کریں کہ زمین کے بعد انسانوں کی زندگیاں اجرام فلکی کے اثرات قبول کرتی ہیں۔

آج کا انسان آسمانی دیوتاؤں کی پرستش تو نہیں کرتا لیکن بہت سارے لوگ آج بھی ان دیوتاؤں کی قوت پہ یقین رکھتے ہیں وہ دیوتا جن کو جوتش میں نمائندگی دی جاتی ہے۔ بعض مورخین جوتش کو پرانا مذہب بھی کہتے ہیں اگرچہ پرانے مذاہب کو چھوڑ دیا گیا تھا لیکن دوسری صدی عیسوی سے آج تک یہ علم ابھی تک زندہ ہے اور اس میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی اور اس پر بہت سارے ٹیسٹ بھی ہوئے ہیں جن سے معلوم ہوا ہے کہ یہ بالکل ناکام علم ہے۔ آخر یہ علم کیوں زندہ ہے؟ شاید اس لیے زندہ ہے کہ یہ انسان کے اندر ایک خوف (Fear) اور ہماری ضرورتوں (Needs) کے لیے بہت پرکشش ہے (یا کشش رکھتا ہے)

Marfat.com

کیااسٹرالوجی ہماری تقدیر یا قسمت پر اثر انداز ہوتی ہے؟

اس ضمن میں ہمارے ذہنوں میں دو سوالات ہیں۔

پہلا سوال یہ ہے کہ وہ کون سی طبیعی وجوہات ہیں جن کی بنا پر ہم یہ توقع کرتے ہیں کہ یہ ستارے ہماری تقدیر یا قسمت بنائیں گے یا وہ اپنا کام دکھائیں گے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا کوئی ایسی شہادت موجود ہے کہ ستارے ہماری قسمت یا تقدیر کی خبر دیتے ہیں؟ جوتش یا نجوم بینی کے اپنے بنیادی اصول کے دعویٰ کے لحاظ سے کسی بچے کے چال چلن، رویے، شخصیت اوراس کی مستقل زندگی کس طریقے سے چاند، سورج یا سیاروں کے خاص مقام کی وجہ سے اثرانداز ہوتی ہے یعنی پیدائش کے لمحہ کے وقت ''زوڈیاک'' کے ساتھ یا ہوروسکوپ کی بدولت۔ حقیقت تو یہ ہے کہ کوئی ایسی وجوہ نظر نہیں آتی جس کی بنا پر یہ سماوی اجسام بچے کے جسم پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر کشش ثقل (Gravity) ایسی قوت ہے جو انسان پر اثر انداز ہو سکتی ہے یعنی یہی ممکنہ قوت ہو سکتی ہے اگر وہ بچے کی شخصیت پر عمل پیرا ہو لیکن ہسپتال کے لیبر روم میں ایک ڈاکٹر کا ثقلی فیلڈ (Gravitational Field)، سیاروں کے ثقلی فیلڈ سے کہیں زیادہ اثر انداز ہو رہا ہوتا ہے لہٰذا یہ بات بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے کہ ہسپتال میں جہاں ''نومولود بچے'' کی پیدائش ہو رہی ہوتی ہے وہاں ڈاکٹر اثر انداز ہو رہا ہوتا ہے سیارہ یا ستارہ نہیں یا پھر زوڈیاک جہاں مریخ موجود ہو۔ اگر تجاذبی قوت یا قوت ثقل اثر اندازی کا ایجنٹ نہیں ہے تو پھر ہمیں دوسرے ممکنہ اثرات کا مطالعہ بھی کر لینا چاہیے۔ سائنسی نقطہ نگاہ سے دوسرے محرکات میں ''روشنی'' اور ''برق مقناطیسی شعاعیں'' ہو سکتی ہیں جو کہ سورج، چاند اور سیاروں سے پیدا ہوتی ہیں وہ عموماً ہسپتال کے کمروں میں (جہاں بچے کی پیدائش ہو رہی ہوتی ہے) داخل نہیں ہوتیں۔ ان کے علاوہ جو دوسری قوتیں ہیں مثلاً برق سکونی کشش یا قوت (Elctrostatic Force)، مضبوط نیوکلیر قوت اور کمزور نیوکلیر قوت ہے مگر یہ سب قوتیں تو تجاذبی قوت سے بھی کمزور ہیں یعنی نہایت ہی کم اثرانداز ہوتی ہیں۔ ان کے علاوہ فطرت میں اور کوئی قوت دریافت نہیں ہوئی جو زمین پر رہنے والے انسانوں پر اثر انداز ہوتی ہو لہٰذا اسٹرالوجی کا دعویٰ سراسر غلط اور لغو ہے چونکہ ہمارے پاس کوئی سائنسی وجوہ ہے ہی نہیں جس کی بنیاد پر جوتش (اسٹرالوجی) یہ دعوی کرے کہ وہ انسانوں کی قسمت پراثر انداز ہوتی ہے۔

Marfat.com

نجوم بینی پر کئی اہم ٹیسٹ کیئے گئے اور کسی بھی ٹیسٹ نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ جوتش نے کوئی اثر ڈالا ہو اور یہ بری طرح فیل ہو گئی-ان ٹیسٹوں کا تعلق یا مقصد پیدائش کے نشان، شخصی خواص مثلاً خون کی قسم، عورت کے سینے کی جسامت، باطنی یا غیر باطنی پیشہ وغیرہ کے علاوہ طلاقوں کی شرح اور دیگر مسائل وغیرہ سے تھا۔ جوتش ایک نہایت ہی مفید آلہ ہوتا اگر یہ کام کرتا مگر مندرجہ بالا خواص کے ساتھ جوتش کا قطعاً" کوئی تعلق نہ پایا گیا-

کیا ہمیں اسٹرالوجی (جوتش) کا احترام کرنا چاہیے؟

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہمیں اسٹرالوجی کا احترام کرنا چاہئے بطور ایک متبادل سائنس کے نقطہ نظر کے یا ایک مذہب کے طور پر یعنی عقیدہ کے طور پر یا ایک بے ضرر توہم پرستی کے طور پر؟۔ کچھ جوتشی کہتے ہیں کہ جوتش ایک سائنس ہے اور سائنسی قوانین پر مبنی ہے- ہمارے خیال میں وہ بالکل غلط ہیں اور وہ اپنے حق میں دلیل کے طور پر سیاروں سے کسی نادیدہ شعاعوں کے خارج ہونے کا ذکر کرتے ہیں- اگر یہ سچ ہے تو پھر نجوم بینی کو ایک سائنس مان لینا چاہیے مگر اس میں کوئی سائنسی حقیقت نظر نہیں آتی کہ اسے ایک سائنس کہا جائے-اور تمام سائنسی دلائل اور شہادتیں اس علم کے خلاف ہیں- مزید برآں نجوم بینی کا دارومدار سائنسی طریقوں پر نہیں ہے- سائنس دان جب اپنے نظریے میں کوئی حقیقت نہیں دیکھتا تو وہ اسے رد کر دیتا ہے یا اسے تبدیل کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے- چونکہ سائنسی نظریات پر ہمیشہ تنقید ہوتی رہتی ہے بلکہ ان پر کھل کر تنقید ہوتی ہے اور یہ سائنسی اصول کل کلاں کو بدل بھی سکتے ہیں- لیکن یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ اسٹرالوجی (نجوم بینی) نے اپنے نظریات میں گذشتہ دو ہزار سال سے قطعاً" کوئی تبدیلی نہیں کی- مثال کے طور پر قدیم نجومی پانچ سیاروں پر اپنے حسابات کرتے تھے، چونکہ قدیم زمانے میں پانچ سیارے ہی دریافت ہوئے تھے حالانکہ آج نو سیارے ہیں (عطارد، زہرہ، زمین، مریخ، مشتری، زحل، یورے نس (سکینہ) نیپچون اور پلوٹو) اور پھر آسمان میں بھی گذشتہ دو ہزار سالوں میں تبدیلیاں آئی ہیں۔ تقدیم (Precession) نے کہکشاؤں میں اعتدال ربیعی یا بہاری (Vernal Equinox) کے مقام کو بھی اپنی جگہ سے تبدیل کر دیا ہے- اگر ہم کسی سائنسی چیز کو "باقاعدگی یا ترتیب وار" سے منسوب کریں تو اس لحاظ سے بھی جوتش سائنس نہیں ہے- لوگوں کا جوتش سے زیادہ تر واسطہ اخبارات یا رسالوں میں پڑتا ہے اور دیکھا گیا ہے کہ اس میں دی گئی پیش گوئیاں (Predictions) باقاعدہ اصولوں

Marfat.com

کے مطابق نہیں ہوتیں۔ آپ کی قسمت کا حال بتانے کے لئے ایک نجومی کو آپ کی پیدائش کا وقت تاریخ، طول بلد اور عرض بلد معلوم ہونا چاہئے۔ اگر اخبار یا رسالے میں دیا ہوا زائچہ قسمت جو عموماً "یہ ہفتہ کیسا رہے گا؟ یا کل کا دن کیسا رہے گا؟ کے عنوان کے تحت اخبارات کی زینت بنا ہوتا ہے، کسی ایک کے لیے یا آپ کے لیے درست بھی ہو تو یہ کسی دوسرے شخص کے لئے اسی دنیا میں درست نہ ہو گا۔ ان پیش گوئیوں میں اچھی نصائح ہوتی ہیں اور یہ ہمیں زندگی کے روز مرہ کے معمولات کی طرف رجوع کرواتی ہیں، زندگی کے روشن پہلو کو مد نظر رکھتی ہیں مگر تمام باتیں فضول ہوتی ہیں اور یہ ہماری روز مرہ زندگی کے عام معمولات یا خدوخال (Features) بیان کرتی ہیں مثلاً ہمارے دوست و احباب، ہمارے محبوب، معاشی معاملات، نوکریاں وغیرہ وغیرہ۔ مگر ان میں بہت تضاد ہوتا ہے یعنی مختلف ذرائع میں مثلاً برج میزان (Libra) ہی کو لیجئے اس کے بارے میں مختلف اخبارات یا جرائد میں پیش گوئیاں مختلف ہوتی ہیں۔ اس سے ظاہر ہے نجوم بینی باقاعدہ علم نہیں ہے۔

اسلام نے قسمت کا حال معلوم کرنے یا نجوم بینی کو بالکل رد کر دیا ہے اگرچہ دنیا میں کافی لوگ اس پر اعتقاد رکھتے ہیں اور سب سے پہلے صبح کو اس کا مطالعہ بڑے شوق سے کرتے ہیں لیکن یہ ایک جھوٹا عقیدہ ہے کیونکہ یہ ہمیں اخلاقیات کا درس نہیں دیتا اور نہ ہی کسی اخلاقی رویے کا معیار قائم کرتا ہے۔ جو نجوم بینی پر پختہ یقین رکھتے ہیں ہو سکتا ہے کہ وہ کسی بے گناہ کو قتل کر دیں یا چوری کر لیں اور اپنے ان افعال کو اپنے ستاروں کو ذمہ دار ٹھہرائیں اور اپنے جرائم کی وجہ ستاروں کو قرار دیں جس کا کوئی بھی اخلاقی یا قانونی جواز نہیں ہے لہٰذا نجوم بینی میں پختہ یقین سے انسان کی معاشرے میں جو ذمہ داری ہے وہ کمزور پڑ جاتی ہے۔ پھر یہ ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہماری قسمت یا تقدیر پیدائش ہی کے وقت لکھی جا چکی ہے گویا ہماری قسمت یا ہماری شخصیت کو ایک ڈبے میں بند کر دیا گیا ہے مثلاً اگر ہم شرمیلے ہیں تو کوئی دوست نہیں بنا سکیں گے، اگر کمزور ہیں تو طاقتور نہیں بن سکیں گے۔ اگر غمگین ہیں تو خوش نہیں رہ سکیں گے۔ وغیرہ وغیرہ

علم نجوم بینی یا جوتش ہمیں یہ بتاتا ہے کہ ہماری زندگی کے روز مرہ میں رونما ہونے والے واقعات ہمارے کنٹرول سے باہر ہیں۔ اور پھر اگر ہماری خوش و خرم شادی شدہ زندگی ایک دن ختم ہو جاتی ہے تو پھر اسے بچانے کی کوشش فضول ہے۔ اگر ہم

امتحانات میں اچھی کامیابی حاصل نہیں کرتے تو یہ صرف ہمارے ستاروں کی وجہ سے ہے گویا کہ ستاروں نے ہمیں زمین پر یرغمال (Hostage) بنا رکھا ہے۔ یہ ہماری شخصیت کو بکھیر دیتی ہے اور ہماری ذات کی نفی کر دیتی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ سب باتیں جانتے ہوئے بھی جوتش پر اعتقاد رکھتا ہے تو وہ ہم سے عزت و تکریم کی بجائے محض ہمدردی کا مستحق ہے چنانچہ اسٹرالوجی ایک قدیم عقیدہ ہے جو اپنی افادیت کھو بیٹھا ہے نہ ہی یہ کوئی مذہب ہے نہ ہی سائنس بلکہ ایک خطرناک توہم پرستی ہے اور اس پر اعتماد کرنے سے ہمارا خدا پر ایمان کمزور پڑ جاتا ہے۔ روم میں پوپ کی حکومت نے جنوری 1984ء میں یہ اعلان کیا تھا کہ وہ اسٹرالوجی پر یقین نہ رکھیں۔ جو خبر اخبار میں چھپی اس کا انگریزی متن مندرجہ ذیل ہے۔

"As recently as January 1984, the Vatican daily newspaper urged Roman Catholics not to believe in Astrology lest they subject the faith to a risk of defilement"

"جنوری 1984ء کو حکومت پوپ کے روزانہ اخبار نے رومن کیتھولک کو ترغیب دی کہ وہ اسٹرالوجی پر یقین نہ کریں ایسا نہ ہو کہ ان کا مذہب بے حرمتی کا خطرہ مول لے یعنی اپنے مذہب کو آلودہ نہ کریں"۔

قرآن حکیم کے مطابق

ستاروں میں اللہ کریم نے تین فائدے رکھے ہیں۔

1۔ آسمان کی زینت ہیں۔

2۔ مسافروں کے لئے نشان راہ ہیں۔

3۔ شیاطین کے لیے شعلوں کا کام دیتے ہیں۔ علم نجوم کے بارے میں بہت ساری احادیث ہیں چند ایک ملاحظہ فرمایئے۔

1۔ صحیح مسلم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض ازواج مطہرات سے مروی ہے کہ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جس شخص نے کسی نجومی کے پاس جا کر کچھ پوچھا اور اس کی تصدیق بھی کی تو اس کی چالیس روز تک نماز قبول نہ ہو گی"

2۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص کسی کاہن اور نجومی کے پاس کوئی سوال پوچھنے کے لئے آیا اور

Marfat.com

پھراس کے جواب کی تصدیق بھی کی تو اس نے شریعت اسلامیہ کاانکار کیا"۔

3- حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لوگوں کے بارے میں جو حروف ابجد وغیرہ لکھ کر حساب کرتے اور نجوم سیکھتے تھے' فرماتے ہیں کہ جو شخص ایسا عمل کرے اس کا آخرت میں کوئی حصہ اور اجر نہیں چنانچہ وہ علم نجوم جس میں بروج کا استعمال ہو اس کی کتاب و سنت میں ممانعت کی گئی ہے کیونکہ غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ جل شانہ' کی ذات کو ہے۔ سورۃ الانعام میں ارشاد ربانی ہے

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ

ترجمہ: "اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا"

(سورۃ الانعام 6: آیت 59)

آخر میں اقبال کے شعر پر اس موضوع کو ختم کرتا ہوں

ستارہ کیا مری تقدیر کی خبر دے گا
وہ خود فراخئی افلاک میں ہے خوار و زبوں

انسان پر چاند کے اثرات

چاند ہماری تاریک راتوں کو منور کرتا ہے اور سمندروں میں مدوجزر (اتار چڑھاؤ) پیدا کرتا ہے۔ 24 گھنٹوں میں یہ سمندر میں دو دفعہ مد اور دو دفعہ جزر پیدا کرتا ہے اور یہ مدو جزر (Tides) ایک ایسا مظہر ہے جسے سائنس تسلیم کرتی ہے کہ زمین پر چاند کے اثرات اس کی تجاذبی قوت کی بدولت ہیں۔ چنانچہ انسانوں پر زمین کے علاوہ چاند بھی اثرات ڈالتا ہے لیکن ان اثرات کا تعلق ہمارے مستقبل یا ہماری قسمت سے وابستہ نہیں ہے۔ علم نجوم میں یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ انسان کی قسمت پر چاند کا بہت اثر پڑتا ہے جو کہ اب ثابت ہو چکا ہے کہ یہ غلط ہے۔ جدید علم فلکیات کی کتابوں میں اس بات کا قطعاً ذکر نہیں ملتا البتہ وہ مدو جزر کو بڑی تفصیل سے لکھتے ہیں جس کا ہماری قسمتوں سے کوئی تعلق نہیں۔ انگلستان کے ایک ماہر طب ڈاکٹر رابرٹ بریڈ فورڈ نے ثابت کر دیا ہے کہ چودھویں رات کو بعض افراد کی طبیعتوں میں خطرناک تغیر کا وقوع پذیر ہونا کوئی افسانہ نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے۔ اس کے خیال کے مطابق انگریزی زبان میں مجنوں کو "لیوٹیک" کہتے ہیں۔ یہ لفظ لاطینی (Latin) زبان کے لفظ "لیونا" سے نکلا ہے جس کے معنی چاند ہیں۔ چاند

Marfat.com

اور دیوانگی کا آپس میں گہرا تعلق بتایا جاتا ہے۔ امریکہ کے بعض دماغی شفاخانوں میں چاند کے طلوع اور ان کی راتوں میں سٹاف کو گھر جانے کی ممانعت کر دی گئی ہے کیونکہ یہ بات ان کے مشاہدہ میں آئی ہے کہ جو مریض قمری مہینے کے چوبیس دن پر سکون رہتے ہیں وہ چاند کے نمودار ہونے اور مکمل چاند کو پہنچنے کے چھ دنوں میں بے چین ہو کر بے قابو ہو جاتے ہیں۔ بعض امریکی سائنس دانوں کے مطابق چاند زمینی خلا کو برقا دیتا ہے جس سے زمینی خلا میں مثبت اور منفی برق پارے (Ions) داخل ہو جاتے ہیں۔ ایک اور امریکی سائنس دان ڈاکٹر ایف سی میک گرگ کے مطابق انسانوں میں خوشی اور غم کے جذبات کا بیرونی برق پاروں سے گہرا تعلق قائم ہے۔ خلا کے برقی اثرات سورج کی بالائے بنفشی شعاؤں کے باعث ہیں۔ بعض اوقات چاند سورج کی ان شعاعوں کو زمین کی طرف منعکس کرنے لگتا ہے جس سے خلا برقا جاتی ہے۔ ڈیوک یونیورسٹی کے ڈاکٹر لیونارڈ ریویز نے بھی ثابت کیا ہے کہ انسانی اعمال وافعال اور چاند کی بدلتی ہوئی حالتوں میں ایک برقی یا مقناطیسی ربط موجود ہے۔ بعض افراد کی جسمانی برقی قوت ہلال اور چودھویں رات کے چاند یعنی بدر کے دنوں میں بڑھ جاتی ہے۔ لہٰذا ان دنوں میں جذبات کا تلاطم بے چین کر دیتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک پرندہ جس کا نام چکور ہے وہ بھی چاند کا عاشق ہے اور چودھویں رات کے چاند کی طرف بار بار پرواز کرتا ہے۔ کل تک ہمارے شاعر حضرات بھی محبوب کی خوبصورتی اور حسن و جمال کو چاند کی خوبصورتی سے تشبیہہ دیا کرتے تھے مگر آج سائنس نے انسان کی چاند کی طرف پرواز اور اس پر چہل قدمی اوراس کے بارے دیگر سائنسی معلومات نے چاند کا سارا رومانس ختم کر دیا ہے۔ یہ سب باتیں نفسیات کے مضمون کے متعلق معلوم ہوتی ہیں اور علم نجوم و جوتش سے ان کا دور سے بھی واسطہ معلوم نہیں ہوتا۔ چاند کے یہ اثرات ماسوائے مدوجزر کے نفسیاتی ہیں۔

☆ ○ ☆

Marfat.com

سائنس کے عظیم معجزات

(قرآن کے حوالے سے)

ہماری موجودہ تہذیب میں سائنس نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ سائنس کے ان گنت استعمالات ہیں اور ان سب کا ذکر کرنا نہ صرف محال ہے بلکہ بے مقصد بھی ہو گا۔ صرف اتنا کہنے کی اجازت دیجئے کہ سائنس نے آج کے انسان کا معیار زندگی بہت بلند کر دیا ہے۔ سائنس نے ایسے اسرار افشا کئے ہیں جو قدیم انسان کے لئے ناقابل فہم اور ناقابل تسلیم تھے۔ آج کا انسان تو اس طلسماتی اور محیرالقول دور میں رچابسا ہے۔ وہ مظاہر قدرت جو ہمارے تصورات اور قیاس آرائیوں پر مبنی تھے آج جسم حقیقی کی طرح ہماری آنکھوں کے سامنے جلوہ گر ہو رہے ہیں۔ طیور کی مانند محو پرواز ہونا اور چاند پر پہنچنا کبھی فوق الفطرت عقائد پر مبنی تھا جسے آواز سے زائد رفتار پر پرواز کرنے والے طیاروں اور خلائی جہازوں نے ایک روشن حقیقت میں تبدیل کر دیا ہے۔ کوسوں میل دور سے آواز اور جسم کا ایک ساتھ ٹیلی ویژن سکرین پر آنا معجزہ نہیں تو اور کیا ہے؟ کمپیوٹر کی ایجاد نے سائنسی اور صنعتی دنیا میں اور پاکستان میں خاص طور پر کمپوزنگ اور پرنٹنگ میں ایک انقلاب پیدا کر دیا ہوا ہے۔ کوئی وقت آئے گا جب انسان کم و بیش روشنی کی رفتار سے پرواز کر سکے گا جو کہ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے اور اس لحاظ سے نظریہ زمان و مکان مسخ ہوتا نظر آتا ہے۔ خلائی تحقیق میں سائنس نے بڑی پیش رفت کی ہے مثلاً جولائی 1997ء میں خلائی گاڑی پاتھ فائینڈر (Path Finder) کا پراسرار سیارے مریخ کی سطح پر پہنچ جانا' مریخ کی مٹی یا چٹانوں پر خود ہی تجربات کرنا اور پھر ان تجربات کے نتائج اور تصاویر دونوں کو کروڑوں میل (مریخ کا زمین سے فاصلہ 35,000000 میل ہے) کے فاصلے پر زمین پر بسنے والے انسان کو آگاہ کرنا معجزے سے کم نہیں مگر یہی سائنس کی معراج نہیں ہے۔ سائنس کا ارتقائی سفر ابھی جاری ہے اور جاری رہے گا اور پھر شاید ایسا وقت آجائے کہ سائنس

Marfat.com

بہت ساری غیر مرئی قوتوں کو مسخر کر کے انسان کو خدا کی عظیم ہستی کے قریب لے جائے اور پھر انسان جو اپنی ناقص عقل اور فطرتاً" سرکش ہونے کی وجہ سے آج خدا کی عظیم ہستی کا منکر ہوتا جا رہا ہے' خدا کی عظمت کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قائل ہو جائے۔ اس بات سے انکار نہیں کہ انسانی تجربات کے بہت سے میدان ابھی تشنئہ تحقیق ہیں اور مزید مظاہر اور سربستہ رازوں کی پردہ کشائی کرنا ہے۔ اس کے باوجود سائنس کے ایسے کرشمے اور کمالات ہیں کہ ان کو عظیم معجزات کے نام سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم کے حوالے سے ہی میں چند واقعات کا ذکر کروں گا جن کا ظہور سائنس ہی کے مسلمہ اصولوں پر تھا اور آج تک ہم ان کو کسی عظیم مافوق الفطرت قوت کا مظہر قرار دیتے آئے ہیں۔

الف۔ ٹیلی مواصلات (TELE - TRANSFERENCE)

سائنس اب امن اور جنگ دونوں حالتوں میں دنیا پر حکمرانی کر رہی ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اس نے ہر چیز میں انقلاب برپا کیا ہوا ہے اور حیران کن چیزوں اور عجائب کو جنم دیا ہے۔ پرانے زمانے میں سات عجائبات شمار ہوتے تھے اب سائنس کے بے شمار عجائبات ہیں۔ یہ آواز کی لہروں کو آنکھ جھپکنے میں ہزاروں میل تک اور دنیا کے ارد گرد لے جاتی ہے۔ یہ ہماری تصاویر کو چھوٹے چھوٹے نقاط (Dots) کی شکل میں توڑ دیتی ہے جو خلا میں لے جائے جاتے ہیں اور پھر طویل فاصلوں کو عبور کرنے کے بعد ان نقاط کو دوبارہ مجتمع کر لیا جاتا ہے مثلاً سمندروں' بیابانوں' جنگلوں حتیٰ کہ براعظموں کو عبور کر کے دوبارہ اپنی اصلی تصاویر میں منتقل کر لیا جاتا ہے جو ہم روزانہ ٹیلی ویژن پر دیکھتے ہیں۔ آواز کی لہریں لاکھوں کروڑوں میل کے فاصلوں پر بھی پہنچ جاتی ہیں۔ اس کی ایک مثال امریکہ کے انجہانی صدر رچرڈ نکسن کی 16 جولائی 1969ء کو چاند پر قدم رکھنے والے خلانوردوں سے ٹیلی فون پر بات چیت تھی۔ مصنف بھی 1969ء میں انگلستان میں زیر تعلیم تھا اور بی بی سی ٹیلی ویژن نے رچرڈ نکسن کو چاند پر ٹیلی فون کرتے ہوئے دکھایا تھا اور اس نے کہا تھا کہ دنیا میں وہ پہلا شخص ہے جس نے ان سے چاند پر ٹیلی فون کیا ہے۔ اب غور فرمایئے چاند کا زمین سے فاصلہ تقریباً 2 لاکھ 40 ہزار میل (384,40,377 کلو میٹر) ہے۔ جولائی 1997ء میں امریکہ نے سیارے مریخ کی سطح پر جو مشین بھیجی تھی وہ بغیر کسی انسان کے تھی اسے پاتھ فائینڈر کا نام دیا جاتا ہے۔ مریخ کا زمین سے فاصلہ تقریباً 3.5 کروڑ میل (35 ملین میل) ہے اور اس خلائی یا مریخ کی گاڑی کا مکمل کنٹرول زمین پر تھا جہاں سے اسے مختلف نوعیت

Marfat.com

کے ٹیسٹ کرنے کے لیے احکامات جاری ہوتے تھے۔ چنانچہ سائنس نے فطرت کے کئی سربستہ رازوں کی پردہ کشائی کی ہے۔ ایٹم کو مسخر کیا ہے۔اس نے ہمیں دکھایا ہے کہ مادے کو توانائی میں تبدیل کیا جا سکتا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ توانائی بھی مادے میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ انسان نے سمندر اور ہوا دونوں کو مسخر کر لیا ہے۔ اس نے آب دوز کشتی بنا کر مچھلی کے اوپر سبقت حاصل کر لی ہے اور اس کی ہواؤں میں بہت اونچی پرواز ہے جہاں پرندے بھی پر نہیں مار سکتے۔ اب تو جہاز بھی بغیر پائلٹ کے وائرلیس کے ذریعے پرواز کر سکتے ہیں۔ راکٹ بھاری سامان کے ساتھ سمندر پار بھیجی جا سکتی ہے اور یہ ایک ناقابل یقین رفتار پر براعظموں کو پار کر سکتی ہے۔ میری ان باتوں سے کہیں آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ یہ سائنس یا ایٹمی دور کی انتہا ہے نہیں! ایسا نہیں ہے بلکہ اب ایٹمی دور اپنے عروج کی طرف بڑھ رہا ہے۔

انسان کی یہ سوچ فروغ پا رہی ہے کہ مستقبل میں یہ ممکنات میں سے ہے کہ اشیاء اور اجسام' الیکٹرانوں اور پروٹونوں میں تبدیل کر کے آنکھ جھپکنے میں بعید فاصلوں تک منتقل کئے جا سکیں گے۔ یہ بھی خلا میں بھیجے جائیں گے اور اسی طرح ان کو دوبارہ اپنی اصلی حالت میں لایا جا سکے گا بالکل اسی طریقہ سے جس طریقہ سے ریڈیو الیکٹران بھیجے جاتے ہیں اور وصول کئے جاتے ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے؟ قرآن اس سوال کا جواب تین واقعات بیان کر کے دیتا ہے۔ جن کے بارے میں اب تک انسان غیر یقینی کیفیت میں ہی رہا کہ ان واقعات کی کیسے وضاحت کی جائے۔ سائنس کی روشنی میں انسان نے یہ یقین کرنا شروع کر دیا ہے کہ ان واقعات کا دوبارہ رونما ہونا ممکن ہے۔ میری رائے میں سائنس اسی اصول کی سچائی بیان کرے گی جس پر ان تینوں واقعات کا انحصار ہے یا ان واقعات کا واقع ہونا مبنی ہے۔ سائنس ان واقعات کو ثابت کرنے کے لئے اپنے راستے پر چل نکلی ہے کہ یہ کوئی معجزات نہ تھے بلکہ یہ ایک سائنس کے مسلمہ قانون کے تحت ہوئے جسے انسان نے اب تک نظرانداز کئے رکھا۔ ایسے واقعات اب سمجھ میں آ رہے ہیں جب سائنس نے ان قوانین کی تشریح کی ہے۔

یعنی یہ تمام معجزات جو ماضی میں رونما ہوئے ان کی بنیاد سائنسی تھی جن کو اس وقت کے مفسرین قرآن سمجھ نہ سکے۔اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ اس وقت سائنس نے اتنی ترقی نہ کی تھی جتنی کہ آج ہے۔

Marfat.com

پہلا واقعہ:

حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سباء کا واقعہ

جب ملکہ سباء (Queen of Sheba) حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملاقات کے لئے سفر میں تھی، حضرت سلیمان علیہ السلام اس کو اپنی عظیم طاقت دکھانا چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کے درباریوں میں سے کوئی ملکہ کا تخت اس کے پاس لے آئے پیشتر اس کے کہ وہ 1500 میل کا فاصلہ طے کرے۔ اس واقعہ کو قرآن حکیم کی سورۃ النمل 27 کی آیات 38 تا 40 میں بیان کر دیا گیا ہے۔

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ○ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ○ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ط

ترجمہ: ”دربار والوں سے کہا (سلیمانؑ) نے اے دربار والو تم میں کون ہے کہ اس سے پہلے میرے حکم بردار (مطیع) ہو کر آئیں اس کا تخت میرے پاس لے آئے جنوں میں سے ایک دیو بولا میں تجھے وہ لائے دیتا ہوں اس سے پہلے کہ تو اپنی جگہ سے اٹھے اور میں اس پر قوت رکھنے والا ہوں امانت دار، پھر وہ شخص بولا جس کے پاس کتاب کا علم تھا۔ اس کو تیرے پاس لائے دیتا ہوں اس سے پہلے کہ تیری طرف تیری آنکھ پھر آئے (پلک جھپکنے میں)“

(سورۃ النمل 27: آیت 38، 39)

آگے مزید آیت 40 کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمائیے

فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۖ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ط وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ○

Marfat.com

ترجمہ: ''پھر جب اس کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا کہ یہ میرے رب کا فضل ہے۔ میرے جانچنے کو کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اور جو شکر کرے گا سو اپنے واسطے کرے گا اور جو ناشکری کرے گا تو میرا رب بے پرواہ ہے کرم والا''

(سورۃ النمل 27: آیت 40)

پھر کیا ہوا جب ملک سبا کی ملکہ (مفسرین اس کا نام بلقیس بتاتے ہیں) حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں پہنچی۔

قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنظُرْ أَتَهْتَدِي أَمْ تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ ○ فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهَٰكَذَا عَرْشُكِ ۖ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ ۚ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِن قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ○ وَصَدَّهَا مَا كَانَت تَّعْبُدُ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ إِنَّهَا كَانَتْ مِن قَوْمٍ كَافِرِينَ ○

ترجمہ: ''کہا (حضرت سلیمان علیہ السلام نے) شکل بدل دو اس کے لیے اس کے تخت کی ہم دیکھیں وہ سمجھتی ہے یا ان لوگوں میں ہوتی ہے جنہیں سمجھ نہیں۔ پھر جب وہ پہنچی کسی نے کہا کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے؟ گویا یہ وہی ہے اور ہم کو پہلے سے معلوم ہو چکا ہے اور ہم مسلمان ہو چکے ہیں اور روکا اس کو اس نے جو وہ پوجتی تھی اللہ کے سوا البتہ وہ منکر لوگوں میں سے تھی''

(سورۃ النمل 27: آیت 43,42,41)

ہمارے علماء کرام نے لکھا ہے ''جب دیو اپنی خدمت پیش کر چکا تو حاضرین میں سے ایک شخص بولا۔ میں بلقیس کا تخت آپ کے پاس چشم زدن میں لے آؤں گا۔ اس شخص کو ظاہری اور مادی طاقت کا دعویٰ نہ تھا یہ آسمانی کتابوں کا مطالعہ کئے ہوئے تھا اور اللہ عزوجل کی قدرت لا محدود پر یقین محکم رکھتا تھا۔ جانتا تھا کہ خلائق عالم کی لازوال اور بے انتہا قوت زمان اور مکان کے اندر محدود نہیں ہے۔ مفسرین نے اس شخص کو حضرت سلیمان علیہ السلام کا وزیر بتایا ہے اور کہا ہے کہ اس کا نام آصف بن برخیا تھا۔''

حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سبا کے اس قصے میں سب سے دلچسپ بلکہ حیران کن اور قابل غور بات یہ ہے کہ جب دیو کی خدمت قبول نہ کی گئی تو پھر ایک انسان

بولا جس کے پاس کتاب کا علم تھا- ذہن میں جو سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس شخص کو کون سا علم تھا جس کی قوت کے ذریعے وہ تخت کو آنکھ جھپکنے سے پہلے ہی لے آیا- بظاہر یہ معجزہ معلوم ہوتا ہے لیکن قرآن حکیم نے فرمایا ہے کہ "اسے کتاب کا علم تھا" علم کا انحصار بھی قواعد و ضوابط اور قوانین پر ہوتا ہے اور اس علم سے مراد ہے کہ وہ ایسے علم کو جانتا تھا جو جدید سائنس کہلاتی ہے- چونکہ یہ اسلام سے قبل کا واقعہ ہے جب قرآن حکیم کا نزول نہ ہوا تھا لہٰذا اس وقت کوئی اور آسمانی کتاب یا کتابیں ہوں گی جن سے اس کو اس علم سے آگاہی ہوئی اور عین ممکن ہے وہ اپنے اس علم کی بدولت ہی حضرت سلیمان علیہ السلام کے اتنا قریب ہو گیا کہ وزیر بن گیا- میں نے اس "کتاب کے علم" پر بہت غور و خوض کیا ہے' علماء حضرات سے بھی اور سائنس دانوں سے بھی تبادلہ خیالات ہوا- علماء حضرات اس کتاب کے علم کو "روحانی قوت" سے منسوب کرتے ہیں کہ آصف کی روحانی قوت اس حد تک ترقی پا چکی تھی کہ اس سے یہ کرامت ظاہر ہوئی- اللہ عزوجل کا فیض بے روک ٹوک جاری ہے لیکن اس سے مستفید ہونا آدمی کی اپنی استعداد اور قابلیت پر موقوف ہے جتنی جس کی قابلیت ہوگی اتنی ہی وہ دولت سمیٹے گا- مزید علماء کرام فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے شاید اپنے لوگوں پر بھی ظاہر کرنا مقصود ہو گا کہ نبی یا رسول سے معجزہ ظاہر ہونا مسلم ہے ہی اس کے فیض یافتہ بھی کرامت سے مالا مال ہوتے ہیں- سائنس دان کوئی معقول جواب نہیں دیتے- میری حقیر دانست کے مطابق یہ معجزہ نہ تھا بلکہ سائنسی اصولوں پر مبنی ایک واقعہ تھا- اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ اس شخص کو روحانی قوت حاصل تھی یا خدا پر ایمان کی قوت حاصل تھی تو پھر اس کی قوت سے تخت اور اس سے وابستہ افراد الیکٹران اور پروٹان کی لہروں میں تبدیل ہو گئے- یہ لہریں بھی روشنی کی رفتار پر سفر کرتی ہیں جو کہ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے اور پھر اس نے ان سب کو دوبارہ (لہروں کو) مجتمع کر کے اپنی اصلی صورت میں پیش کر دیا- ملکہ سبا کا ملک تقریباً ملک شام سے جہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت تھی 1500 میل کے فاصلے پر تھا اور یہ یمن کا ایک حصہ تھا- اگر روشنی کی رفتار کو مدنظر رکھا جائے تو یہ فاصلہ اس رفتار پر ایک سیکنڈ کے ایک سو چوبیس ویں حصے میں طے ہو جانا چاہئے- انسانی آنکھ کم سے کم ایک سیکنڈ کے پندرھویں حصے یا زیادہ سے زیادہ بیسویں حصے میں جھپکتی ہے- یہ تخمینہ شدہ وقت آنکھ کے جھپکنے سے بھی بہت ہی کم ہے- یہی وجہ ہے کہ آصف نے آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت

لانے کی پیش کش کر دی جسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے فوراً قبول کر لیا- پھر وہ دربار سے باہر بھی نہیں گیا اور دربار میں ہی بیٹھا نظر آیا- اگر اس نے خود بھی جسمانی طور پر پرواز کی ہو تو تب بھی وہ اتنے مختصر وقت میں کسی کی آنکھوں کے سامنے غائب نہیں ہو سکتا بلکہ وہیں اپنی جگہ پر ہی بیٹھا ہوا نظر آئے گا-)

ملکہ سبا کے تخت کی 1500 میل کے فاصلے سے منتقلی پرانے لوگوں کے خیال میں اور جیسا کہ اب بھی ہم اسی نظر سے دیکھتے ہیں ایک معجزہ تھا جو قادر مطلق یا کسی عظیم قوت سے ہی رونما ہو سکتا تھا- لیکن آج کے تناظر میں دیکھا جائے تو گائیڈڈ راکٹوں (میزائل) کے بارے میں کیا خیال ہے؟ جس کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ وہ کسی خوفناک رفتار پر پرواز کرتے ہیں کہ ان کی حرکت کو برہنہ آنکھ دیکھنے سے قاصر ہے- ان کی رفتار آواز کی رفتار سے 3 یا 4 گنا زیادہ ہو گی- کیا اسے ایک معجزہ نہیں کہا جا سکتا؟ یقیناً نہیں! کیوں؟ چونکہ انسان اس مظہر کی وضاحت کر سکتا ہے-

بہت سارے ایسے واقعات جسے انسان معجزاتی خیال کرتا ہے وہ اس کی جہالت اور بنی نوع انسان کی لاعلمی کا نتیجہ ہیں اور یہی وہ بات ہے جس کی طرف قرآن حکیم نے سورۃ النمل 27 کی آیت 40 میں اشارہ کیا ہے کہ وہ شخص جس کے ہاتھ سے یہ معجزہ رونما ہوا یا معجزاتی کام سرانجام پایا ایک انسان تھا جسے علم تھا اور اس علم نے اسے قوت دی تھی جو جن کی قوت پر سبقت لے گئی- (ایک وضاحت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اللہ عزوجل نے اپنے پیغمبروں اور رسولوں کو جو معجزات عطا کئے تھے یہاں ان سے بحث نہیں ہے بلکہ اس شخص کے حوالے سے بات ہو رہی ہے جسے ایسا علم حاصل تھا جس کی قوت سے اس نے جو کام سرانجام دیا اس پر معجزے کا گمان ہوتا ہے)-

قرآن حکیم نے ہمیشہ علم کو بہت زیادہ عزت و توقیر دی ہے- جب پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یہودیوں نے پوچھا روح کیا ہے؟ انہوں نے اس کے جواب کو ملتوی کر دیا حتی کہ ان پر وحی نازل ہوئی- جواب کیا تھا؟ "انہوں نے روح کے بارے میں پوچھا ہے- کہہ دیجئے روح میرے اللہ کا حکم ہے اور جو علم تمہیں دیا گیا ہے وہ بہت ہی کم ہے" سورۃ بنی اسرائیل 17 آیت 85- صفحہ 112 پر ملاحظہ فرمایئے- اس آیت کا مطلب کیا ہے؟ اس کا مطلب ہے کہ جب ان کو کافی علم ہو جائے گا تو پھر "روح" کو سمجھنے لگیں گے- سائنس اب کہتی ہے کہ روح جو کہ انسان کا ایک لافانی حصہ ہے مادی ہے اور

Marfat.com

وزن رکھتی ہے اور ایک جسم سے کم نہیں جس کی مختلف ارتعاش (Vibration) ہے بالفاظ دیگر مختلف ارتعاش والی مجسم چیز ہے۔

دوسرا واقعہ:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آسمان کی طرف اٹھان

سورۃ النساء کی آیت 157، 158 کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۗ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

ترجمہ: "وہ ان کے اس سمجھنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم کو جو کہ رسول ہیں اللہ تعالیٰ کے، قتل کر دیا حالانکہ انہوں نے نہ ان کو قتل کیا اور نہ ان کو سولی پر چڑھایا لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ غلط خیال میں ہیں۔ ان کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے اور انہوں نے ان کو یقینی بات ہے کہ قتل نہیں کیا بلکہ ان کو خداوند تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ تعالیٰ بڑے زبردست حکمت والے ہیں"

(سورۃ النساء 4: آیت 157، 158)

قرآن اور بائبل (جدید عہد نامہ) دونوں اس پہلو پر اتفاق کرتے ہیں۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت سے واضح ہے۔

"غرض خداوند یسوع (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) ان سے کلام کرنے کے بعد آسمان پر اٹھا لیا گیا اور خدا کی داہنی طرف بیٹھ گیا"۔

(مرقس کی انجیل باب 16 آیت 20)

تیسرا واقعہ:

معراج نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تیسرا واقعہ بہت حد تک دوسرے واقعہ کے قریب ہے (مانا جاتا ہے) یہ مشہور

Marfat.com

اکرم ﷺ کے معراج کا واقعہ ہے، جسے عموماً "رات کا سفر" کہتے ہیں جو کہ یوروشلم (بیت المقدس) کی طرف تھا جہاں سے وہ سات آسمانوں میں سے گزر کر خدا عزوجل کے حضور پیش ہوئے اور اسی رات مکہ واپس آگئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ۝

ترجمہ: "وہ پاک (ذات) ہے جو اپنے بندے (حضرت محمد ﷺ) کو رات کے وقت مسجد حرام (یعنی مسجد کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گرداگرد (یعنی اس وقت ملک شام میں) ہم نے برکتیں کر رکھی ہیں لے گیا تاکہ ہم ان کو اپنے کچھ عجائبات (قدرت) دکھلا دیں بے شک اللہ تعالیٰ بڑا سننے والا اور بڑا دیکھنے والا ہے"

(سورۃ بنی اسرائیل 17: آیت 1)

یہ دونوں واقعات ایک ہی اصول پر مبنی ہیں جو ان میں سے ایک پر یقین رکھتا ہے کوئی وجہ نہیں کہ وہ دوسرے پر یقین نہ کرے۔ ان دونوں واقعات میں اہم حقائق یہ ہیں۔

1۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بغیر موت کے آسمان کی طرف اٹھان جیسا کہ وہ خدا کے دائیں طرف بیٹھ گیا جس کا بائبل کی آیت میں ذکر ہے۔

2۔ حضرت محمد ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ صرف فرق یہ ہے کہ وہ واپس مکہ تشریف لے آئے۔ کیا یہ معجزات تھے؟ یا یہ قادر مطلق کی ناقابل بیان قوت کے ذریعے ہوئے۔ میرا خیال ہے کہ سائنس اپنی سرعت کے ساتھ پیش رفتوں اور معجزانہ دریافتوں کے بعد آخر کار ہمیں بتائے گی کہ کائنات کے تمام مظاہر وہ خواہ ہمیں کتنے ہی غیر طبیعی معلوم ہوتے ہوں، وہ بھی مسلمہ قائم شدہ اصولوں کے مطابق ہیں اور اس وقت ہماری لاعلمی اور جہالت کسی بھی ایسے عجیب واقعے کو معجزہ تسلیم کرنے کی ذمہ دار ہے۔ بالفاظ دیگر مندرجہ بالا واقعات بھی سائنسی اصولوں پر رونما ہوئے اگرچہ ابھی ہم ان اصولوں کے ادراک کا علم نہیں رکھتے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ سائنسی اصول خدا کا دستور ہیں اور ازل سے ابد تک ان میں کوئی ردوبدل نہیں ہو سکتا۔ ارشاد ربانی ہے

Marfat.com

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ○

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے یہی دستور کر رکھا ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے اور آپ خدا کے دستور میں ردو بدل نہ پائیں گے"۔

(سورۃ الفتح 48: آیت 23)

بعض کا خیال ہے کہ دونوں پیغمبر آسمان کی طرف "روح" کی صورت میں لے جائے گئے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ معراج جسمانی تھا لیکن روح کے بارے میں جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے مادی چیز بتائی جاتی ہے اور اس کی ارتعاش (Vibrations) جسم سے مختلف ہے۔ اس لحاظ سے جسم اور روح میں اگر فرق ہے تو یہی ہے۔ یعنی دونوں کا وجود مادی ہے صرف دونوں کی ارتعاش میں فرق ہے۔

ہمارے جسم بھی الیکٹرانوں اور پروٹونوں پر مشتمل ہیں اور آج کے سائنس دان کہتے ہیں کہ اگر کوئی "جسم" روشنی کی رفتار سے سفر کرے (یا بجلی کی رفتار سے) تو وہ جسم اپنی اصلی حالت میں نہ رہے گا بلکہ ان ذرات میں منتقل ہو جائے گا۔ زمین پر ابھی کوئی بھی جہاز، راکٹ یا خلائی جہاز روشنی کی رفتار پر سفر نہیں کر سکا شاید آئندہ سائنس دان کوئی ایسا خلائی جہاز بنالیں لیکن مشکل ہے بلکہ ایسی کوشش بھی نہیں کرنی چاہئے چونکہ وہ خلائی جہاز بھی الیکٹرانوں اور پروٹونوں میں تبدیل ہو جائے گا۔ اور ہم اسے دوبارہ اصلی حالت میں واپس لانے کی یا دوسرے لفظوں میں خلائی جہاز کی ذرات میں تبدیل شدہ حالت کو اصلی حالت (مکمل خلائی جہاز) کی صورت میں لانے کی اہلیت نہیں رکھتے لیکن شاید مستقبل میں سائنس اتنی ترقی کر جائے کہ یہ مظاہر جو اس وقت ہمیں معجزات معلوم ہوتے ہیں سائنس کے اصولوں کے مطابق ہوں۔ ایک بات اور ذہن میں رکھیے کہ ہم بے جان چیزوں کو "مردہ" کہتے ہیں حالانکہ وہ حقیقت میں مردہ نہیں ہوتیں ان میں بے پناہ جمع شدہ توانائی ہوتی ہے اور وہ مسلسل حرکت میں ہیں اور ہماری کائنات تو ان عجائبات سے کہیں زیادہ بھری پڑی ہے جو کبھی کبھار رونما ہوتے رہتے ہیں چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان کی طرف جانا اور حضور اکرم ﷺ کا واقعہ معراج، قرآن اور سائنس دونوں کی روشنی میں برحق اور صداقت کلی ہیں۔ اور دونوں سفر ممکن ہیں۔

ب- ریڈیو اور ٹیلی ویژن- اسلام کی پیش گوئی تھی

اسلام پہلا مذہب ہے جس نے ٹیلی ویژن کی پیش گوئی کی تھی- یہ برہنہ آنکھ کا ٹیلی ویژن تھا اور کسی مکینیکل آلے کے ذریعے نہ تھا- نہ تو کوئی نشری اسٹیشن تھا اور نہ کوئی وصول کرنے والا اسٹیشن تھا- جیسا کہ آپ مطالعہ فرما چکے ہیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبوت کے بارھویں سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رات کے وقت یوروشلم (بیت المقدس) کی مسجد اقصیٰ تک پہنچایا گیا جہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آسمان (یا جنت) میں لے جایا گیا اور پھر واپس مکہ میں- جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ واقعہ معراج بیان کیا تو آپؐ کے مخالفین نے 'قدرتی بات ہے' آپؐ کے اس معراج کو قبول نہ کیا بلکہ انہوں نے چیلنج کیا کہ وہ اس عبادت گاہ (مسجد اقصیٰ) کو بیان کریں جس لمحے انہوں نے آپؐ کو ایسا کرنے کو کہا تو مسجد اقصیٰ کی تمام تصویر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کے مطابق' آپؐ کو دکھا دی گئی یعنی اس کی تصویر ٹیلی ویژن کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھا دی گئی- اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بیان کرنا شروع کر دیا اور اس کے مختلف حصے بھی چیلنج کرنے والوں کو دکھا دیے گئے گویا کہ وہ اسے کسی آئینہ میں دیکھ رہے ہیں اور وہ حیران و ششدر رہ گئے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان کو ماننے پر مجبور ہو گئے کہ یہ سب سچ تھا- پھر مخالفین نے کہا کہ اپنے رات کے سفر کا کوئی ثبوت پیش کریں- آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک کارواں کا ذکر کیا جو کہ مکہ کی طرف آ رہا تھا- آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کارواں میں نہ صرف موجود آدمیوں اور اونٹوں کا بتا دیا بلکہ وقت بھی بتایا کہ یہ کارواں طلوع سورج کے وقت ایک چتکبرے (Pie Bald) اونٹ کے ساتھ داخل ہو گا جو اس کارواں کے آگے چل رہا ہے- وہ سب کچھ جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بتایا وہ سب سچ ثابت ہو گیا مگر خوئے بدرا بہانہ بسیار کے مصداق انہوں (کافروں) نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک جادوگر ہونے کا الزام لگا دیا-

روشنی کی چمک

دوسرا واقعہ مدینہ میں رونما ہوا جب قریش اور یہودی اپنے اتحادیوں کے ساتھ اپنے دس ہزار جنگ جوؤں کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے' مقصد یہ تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے مشن پر ایک فیصلہ کن ضرب لگائی جائے- چنانچہ انہوں نے اس چھوٹے شہر کا محاصرہ کر لیا- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایرانی نو مسلم کے مشورے پر عمل

Marfat.com

کیا جس کا نام سلمان تھا اور ایک گہری خندق کھودی تا کہ کافرین شہر میں داخل نہ ہو سکیں اور شہر پر حملہ نہ کر سکیں۔ جب خندق کھود رہے تھے تو ان کا ایک سخت چٹان سے واسطہ پڑا۔ وہ چٹان ان کے کلہاڑوں سے نہ ٹوٹی۔ پیغمبر اسلام ﷺ جو اس خندق کی کھودائی میں خود بھی شریک تھے آگے بڑھے۔ آپ ﷺ کی پہلی ضرب سے آپ ﷺ کے کلہاڑے کے نیچے روشنی کی ایک چمک ظاہر ہوئی اور اسی طرح بعد کی دو ضربوں کے نیچے بھی روشنی کی چمک پیدا ہوئی۔ ان ضربوں نے چٹان کا کام کر دیا۔ جب سلمان نے حضور ﷺ سے ان چمکوں (Flashes) کے بارے میں پوچھا تو پیغمبر اسلام ﷺ نے بتایا کہ پہلی روشنی کی چمک جو ظاہر ہوئی تو اس نے شام کے سرخ محلات کو آشکارا کیا جنہیں وہ تسخیر (فتح) کر لیں گے۔ دوسری چمک نے ایران کے قدیم دارالخلافہ تسی فون (Tisiphone) کو آشکارا کیا جس کی فتح کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا (مسلمانوں سے) اور تیسری چمک نے یمن کے دارالخلافہ کو آشکارا کیا اور اس کی چابیاں بھی آپ کو دیں۔

کیا مندرجہ بالا مشاہدات اس اصول سے کسی بھی طرح سے مختلف ہیں جن پر ٹیلی ویژن کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ متذکرہ بالا تینوں پیشین گوئیاں حضور اکرم ﷺ کی احادیث میں موجود ہیں۔ جب وہ مشکل میں تھے اور جب بظاہر تمام حالات نے ظاہر کر دیا تھا کہ وہ اپنے چھوٹے سے شہر کو بھی دشمنوں سے بچانے کے بھی قابل نہ تھے۔ بعد میں یہ تینوں پیشین گوئیاں درست ثابت ہوئیں۔ ہم اس کو کریڈٹ کیوں نہیں دیتے؟ یہ تو اس بات سے بالکل اتفاق کرتی ہے جو سائنس نے آج پیش کی ہے (یا جو سائنس نے آج ہمیں دکھا دیا ہے)۔ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ ٹیلی ویژن پر ہماری تصویر بہت چھوٹے چھوٹے نقاط میں تبدیل ہو کر خلا یا فضا میں ایک فاصلے پر دوبارہ اپنی اصلی حالت میں موصول ہو جاتی ہے اور ہم اسے دیکھ سکتے ہیں۔ یہ کس نے ممکن بنایا ہے؟ یہ عجوبہ دکھانے والی "بجلی" ہے۔ بجلی کیا ہے؟ یہ بھی مادہ رکھتی ہے اور اس میں حیران کن قوت موجود ہے تو اگر ہم بجلی کی قوت پر یقین رکھتے ہیں تو پھر ہم عقیدے (Faith) کی قوت کو کیوں اہمیت نہیں دیتے؟ کیا (خدا کی ذات میں) عقیدہ یا ایمان عجوبے نہیں دکھا سکتا جس طرح کہ بجلی دکھاتی ہے؟۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو بتایا "اگر آپ میں سرسوں کے بیج کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے تو تم پہاڑ سے کہو کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو وہ اپنی

Marfat.com

جگہ سے ہٹ جائے گا اور تمہارے لئے کوئی بھی چیز ناممکن نہ ہو گی"۔

(متی کی انجیل باب 21 آیت 21)

دوسرا ترجمہ: یسوع (حضرت عیسیٰ) نے اپنے حواریوں سے کہا "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر ایمان رکھو اور شک نہ کرو تو نہ صرف وہی کرو گے جو انجیر کے درخت کے ساتھ ہوا بلکہ اگر اس پہاڑ سے بھی کہو گے کہ تو اکھڑ جا اور سمندر میں جا پڑ تو یوں ہی ہو جائے گا اور جو کچھ دعا میں ایمان کے ساتھ مانگو گے وہ سب تم کو ملے گا"۔

(متی کی انجیل آیت 21,22)

یہ ایمان ہی تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے اس کا پیغام آگے بڑھایا اور وہ بھی معجزات رکھتے تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس تھے۔ ایمان انسان میں ایک ایسی قوت پیدا کرتا ہے جو روح پر بھی اثر انداز ہوتی ہے اسی طرح جس طرح یہ معجزات دکھاتا ہے اور ہر ناممکن چیز کو ممکن بنا دیتا ہے۔ اس قوت کی وجہ کیا ہے؟ کوئی بھی اس کی توضیح نہیں کر سکتا جس طرح بجلی کی پوشیدہ ہیئت (فطرت) کو بیان کرنا مشکل ہے۔ اگر کوئی قوت ایمانی سے سرشار ہو یا یقین محکم ہو یا عقیدہ راسخ ہو اور کافی ہو تو آج بھی ننگی آنکھ کا ٹیلی ویژن دیکھا جا سکتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برگزیدہ صحابیوں میں سے تھے۔ مدینہ کی مسجد نبوی میں خطبہ دے رہے تھے آپ نے اپنا رخ بدلا اور کہا "اے ساریہ بن حسن" "پہاڑ کی طرف رخ کرو" یہ ساریہ بن حسن کی طرف اشارہ تھا جو فوج کا لیڈر تھا اور وہ ایران میں لڑ رہی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جو کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد بھی تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے اپنی نماز ختم کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا جو انہوں نے خطبہ میں کہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کیا انہوں نے یہ سنا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ تمام حاضرین جو مسجد میں تھے ان سب نے آپ کی اس بات کو سنا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ بات میرے ذہن میں آئی کہ ایرانی ہمارے بھائیوں کو مار رہے تھے جب وہ پہاڑ سے گزر رہے تھے۔ اگر ہماری فوج اس پہاڑی پر ہوتی تو وہ کامیاب ہو جاتے' اس وجہ سے وہ کلمات میری زبان سے نکلے۔ پھر کیا ہوا؟ ایک ماہ کے بعد یہ خوشخبری آئی کہ انہوں نے ایک آواز سنی تھی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی معلوم ہوتی تھی

Marfat.com

جو حکم دے رہے تھے کہ پہاڑ کی طرف دیکھو (رخ کرو) اور اس وجہ سے انہوں نے دشمن پر فتح پائی اور وہ وقت بھی وہی تھا جس وقت وہ خطبہ دے رہے تھے۔ کیا یہ فضائی ترسیلی یا منتقلی ریڈیو کا ایک واضح تصور پیش نہیں کرتی وہی ریڈیو جس کا آج ہم بڑے فخر سے بیان کرتے ہیں۔ ایسی باتوں کو اب کون رد کر سکتا ہے یا کہ وہ یقین نہیں کرے گا فی زمانہ جب کہ ہم سب وائرلیس پیغام رسانی کے قائل ہو چکے ہیں۔ انسان کچھ نہیں بلکہ ایک بچے کی مانند ہے جو ساحل سمندر پر ان گھونگھوں سے کھیل رہا ہے جو وقتاً فوقتاً وسیع و عریض سمندر سے باہر پھینکے جاتے ہیں جو عجائب سے بھرا پڑا ہے۔

مسلمان صوفیاء اکرام ہمیں بتاتے ہیں کہ ٹیلی مواصلات اور دور کی چیزوں کو دیکھنا (یعنی ٹیلی ویژن) ان کے درمیان عام پریکٹس ہے اور ان میں سے بہت سارے کسی بھی جگہ پر پہنچ جاتے ہیں جو وہ پسند کرتے ہیں اسی لمحہ جب ان کے ذہنوں میں ایسا خیال رونما ہوتا ہے۔ شاید ان کا یقین کامل (پختہ ایمان) ان کے اجسام کو دوسرے اونچے ارتعاش کے جسموں میں بدل دیتا ہے اور وہ ایسے کام کرتے ہیں جو عام انسانوں کے لئے ناممکن ہیں۔

ایک مورخ لین (Lane) نے موجودہ مصریوں میں ان کے جو بے دیکھے' اس نے اپنی کتاب جدید اہل مصر (Modern Egyptians) میں ایسے عقیدت مندوں کے حلقہ میں سے ایک مصری کو بیان کیا ہے کہ وہ اپنے رقص سے بھاگا اور دہکتے ہوئے سرخ کوئلے کے ٹکڑوں کو ایک ایک کر کے اپنے منہ میں ڈال لئے' انہیں چبایا اور آخر میں ان کو نگل گیا (یعنی اسے کوئلے کی حرارت بالکل محسوس نہیں ہوئی) جب کہ دوسرے نے ایک جلتا ہوا کوئلہ ہی اپنے منہ میں رکھ لیا اور اس وقت تک سانس لیتا رہا جب تک وہ کوئلہ تقریباً سفید سرخ تھا۔ جب وہ سانس لیتا تھا تو اس کے منہ سے چنگاریاں نکلتی تھیں۔ ایسے لوگ ایسے کرتب کیسے دکھا لیتے ہیں؟ جب کہ عام آدمی نہیں کر سکتا (اس کا تو ہاتھ ہی جل جائے)۔ یہ ایک ایسا راز ہے جس کا ہمیں ابھی علم نہیں ہے اور اب تک ہم اس کا کوئی حل نہیں نکال سکے۔ صرف یہی ایک پوشیدہ راز نہیں ہے ایسے ہزاروں لاکھوں سربستہ راز ہیں۔ مثال کے طور پر ہپناٹزم (Hypnatism) ہے۔ اس کی پریکٹس روزانہ کی جاتی ہے مگر اس کے راز کو کلی طور پر نظر انداز کر دیتے ہیں سائنس کا قد ابھی بہت چھوٹا ہے اور جب یہ اپنے جوبن کو پہنچے گی تو بہت سارے سربستہ رازوں سے پردہ اٹھ جائے گا

☆ ○ ☆

Marfat.com

قرآن کے چار بڑے سائنسی انکشافات

1- آسمان کی طرف پرواز

کیا کسی نے دو سو سال پہلے کہا تھا کہ انسان ہوا میں پرواز کرے گا- اگر کسی نے ایسی بات کی تو لوگوں نے اس کو خوابوں کی دنیا میں رہنے والا شخص کہا ہو گا لیکن قرآن حکیم نے اس حقیقت کی طرف چودہ سو سال پہلے توجہ دلائی جب انسان کسی صورت بھی اس بات پر یقین نہیں کرتا تھا کہ وہ آسمان کی طرف پرواز کرے گا اور خلا کی تسخیر کرے گا- الف لیلیٰ کی کہانیوں میں کسی دیو کو چٹائی کے اوپر بیٹھا خلا میں اڑتا دکھایا جاتا تھا اور اس خیال کو فلموں کی کہانیوں میں بھی پیش کیا گیا تاہم یہ بہت ہی قریبی زمانے کی باتیں ہیں لیکن ماضی بعید میں ایسے مفروضے کا نہ صرف مذاق اڑایا جاتا بلکہ اس کو کسی پاگل کا خواب تصور کیا جاتا تھا لیکن قرآن حکیم نے آسمان کی طرف پرواز کی نشان دہی فرما دی تھی- ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ

ترجمہ: ”سو اللہ جس کو چاہتا ہے کہ ہدایت کرے اس کے سینے کو اسلام کے واسطے کھول دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کرے تو اس کے سینہ کو تنگ سے تنگ کر دیتا ہے گویا وہ زور سے آسمان پر چڑھتا ہو“

(سورۃ الانعام 6: آیت 25)

اس آیت میں آسمان کی طرف چڑھنے کی طرف اشارہ ہے اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ انسان کیا محسوس کرتا ہے جب وہ بہت اونچائی پر ہوا میں جاتا ہے کیا یہ حقیقت اس سے اتفاق نہیں کرتی جو سائنس نے آج بیسویں صدی میں ہمیں بتایا ہے- قرآن حکیم اور سائنس دان اس پر اتفاق کرتے ہیں یا ایک دوسرے سے اتفاق کرتے ہیں- قرآن حکیم نے یہ حقیقت بیان کر دی تھی جسے آج سائنس نے بہت سارے تجربات اور قربانیوں سے

Marfat.com

ثابت کیا ہے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ ساری زمین کے اردگرد کرہ ہوائی ہے یعنی ہوا ساری زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔ ہوا بھی دوسری مادی اشیاء کی طرح وزن رکھتی ہے اور ہوا کے اس غلاف کا وزن تقریباً 6 ملین بلین ٹن ($6 \times 10^9 \times 10^9$) ہے اور زمین کے ہر انچ پر ہوا کا وزن 14.7 یا تقریباً 15 پونڈ ہے۔ اس کا مطلب کہ ایک درمیانے جسامت کے آدمی پر ہوا کا کل مستقبل دباؤ 30,000 پونڈ ہے۔ آپ کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ آخر آدمی یا دوسرے جاندار اتنے وزن کے نیچے کچلے (Crush) کیوں نہیں جاتے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے اندر بھی خون کا دباؤ ہوتا ہے جو اسے توازن میں رکھتا ہے اور انسان جتنا اونچائی پر جاتا ہے اتنا ہی اس پر دباؤ کم ہو جاتا ہے اور 16000 فٹ کی بلندی پر یہ ہوائی دباؤ آدھا ہو جاتا ہے۔ اور یہ تخمینہ لگایا گیا ہے کہ 40 تا 50 میل کی بلندی تک ہوا ہے اور اس کے بعد اس کی نہایت ہی لطیف (Rarefied) صورت ہوتی ہے اور یہ لطیف ہوا انسانی ضرورت کے لئے ناکافی ہوتی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان سردرد، جی متلانا، نیم بیہوشی اور سانس لینے میں دشواری محسوس کرتا ہے۔ جب غبارہ اڑانے والے یعنی غبارہ میں اڑنے والے اور ہواباز بہت اونچائی پر پہنچ جاتے ہیں تو بیرونی دباؤ اتنا کم ہو جاتا ہے کہ ان کے کانوں سے خون باہر نکلنے لگ جاتا ہے اور بعض اوقات تو وہ بے ہوش ہو جاتے ہیں جو خون کے دماغ کی طرف تیزی سے جانے کی وجہ سے ہو جاتا ہے اور اگر مناسب اقدام نہ اٹھائے جائیں تو زندگی سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ مزید بر آں اتنی اونچائی پر ہوا میں آکسیجن اتنی مقدار میں نہیں ہوتی کہ وہ زندگی کی سانس کو برقرار رکھنے میں معاون ثابت ہو چنانچہ جو لوگ جہازوں میں یا غباروں میں بہت اونچائی پر جاتے ہیں (بہت اونچے پہاڑوں پر بھی) سانس لینے کے لئے اپنے ساتھ آکسیجن کے ٹینک یا سلنڈر لے جاتے ہیں۔ یہ بات قرآن حکیم نے واضح کر دی تھی جس کو ہمارے بہت سارے قدیم مفسرین نے نظر انداز کیا حتیٰ کہ سائنس نے ہمیں یہ واضح کیا ہے۔ اور جو اس آیت میں بتایا گیا ہے یا جس بات کی طرف حوالہ دیا ہے ہمارے مفسرین نے آسمان کی طرف چڑھائی کو حقیقت نہ سمجھا بلکہ اس بات کو ایک تمثیل کے طور پر سمجھا۔ آج کیا ہو رہا ہے؟ ہوا میں بہت اونچائی تک جانا اور بادلوں سے بھی اوپر پرواز کرنا تو روز مرہ کا کام ہے۔ جہازوں کی آمدورفت عام ہے۔ یہ سمندروں کو براعظموں کو عبور کرتے ہیں، زمین کے گرد چکر

Marfat.com

لگاتے ہیں اور اتنی اونچائی تک ہوا میں چلے جاتے ہیں جہاں پر ہوا اتنی پتلی ہو جاتی ہے کہ ایک پرندے کو سہار نہیں سکتی۔

قرآن حکیم نے خلا کی تسخیر کے لئے بھی انسان میں تحریک پیدا کی۔ امریکہ اور روس یہ دعویٰ کرسکتے ہیں کہ انہوں نے خلائی ٹیکنالوجی کو فروغ دیا اور چاند کی تسخیر کی اور امریکہ تو روس سے بھی آگے نکل گیا اس نے چاند پر تین انسان بھیج دیئے اور چاند کے متعلق بہت ساری نئی معلومات حاصل ہوئیں۔ حال ہی میں جولائی 1997ء کو امریکہ نے مریخ کی سطح پر اپنا ایک روبوٹ (پاتھ فائینڈر) بھیجا جس نے مریخ کی مٹی اور چٹانوں پر تقریباً ایک ماہ تک تجربات کیے اور اس کی حرکات و سکنات کو زمینی اسٹیشن سے کنٹرول کیا گیا اور خلائی سائنس اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔ روس اور امریکہ کے باہمی تعاون سے اس وقت خلا میں ایک خلائی سٹیشن قائم کیا گیا ہے جسے "میر خلائی اسٹیشن" کہتے ہیں۔ خلا کی تسخیر کے سلسلہ میں چھوڑے گئے مصنوعی خلائی سیارچوں کی ایک طویل تاریخ ہے۔ خلائی سائنس اور ٹیکنالوجی میں اس وقت جو ناقابل یقین کی حد تک پیش رفت ہوئی ہے اس کی طرف بھی قرآن حکیم نے نہایت خوبصورتی سے واضح کر دیا تھا۔

2- خلا کی تسخیر

قرآن حکیم کی وہ آیت جس نے انسان میں خلا کو تسخیر کرنے کی ترغیب دی یا اس کے اندر تحریک پیدا کی وہ مندرجہ ذیل ہے۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۚ

ترجمہ: "اے گروہ جن و انس اگر تم کو یہ قدرت ہے کہ آسمان اور زمین کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ تو نکل جاؤ مگر بغیر زور (قوت) کے نہیں نکل سکتے"

(سورۃ الرحمٰن 55 آیت: 33)

اس آیت کریمہ میں دو لفظ "اقطار" اور "سلطان" کی پہلے وضاحت ضروری ہے لفظ "اقطار" ہے جمع قطر کی۔ قطر کو انگریزی زبان میں ڈایا میٹر (Diameter) کہتے ہیں۔ یہ وہ خط مستقیم ہے جو کسی دائرے کے مرکز سے ہوتا ہوا اس کی دونوں اطراف محیط کو چھوتا

Marfat.com

ہے اور جیومیٹری کے مسائل میں دائرے کا رقبہ معلوم کرنے کے لئے اس کے قطر کا جاننا ضروری ہوتا ہے۔ لیکن قرآن حکیم کے موجودہ تراجم میں اقطار کے معنی "حدود" یا "کناروں" کے دیئے گئے ہیں۔ "حدود" کا لفظ تو بہت حد تک درست ہے مگر "کناروں" کا استعمال غالباً اس لیے کیا گیا کہ جب ہم زمین اور آسمان کو افق پر ملتے ہوئے دیکھتے ہیں' یا اس حد نگاہ کو جہاں پر زمین اور آسمان ملتے ہوئے نظر آتے ہیں' کے لئے "کناروں" ترجمہ کیا ہے اور ان کناروں سے باہر نکلنا ناممکن معلوم ہوتا تھا کیونکہ یہاں تو زمین اور آسمان باہم مل جاتے ہیں جب کہ ایسا نہیں ہے۔ زمین اور آسمان آپس میں قطعاً نہیں ملتے۔

لفظ "سلطان" کے معنی پرانے تراجم میں زور' پروانہ راہ داری یا سند دیے گئے ہیں۔ عربی کی لغت میں سلطان کے معنی دلیل' محبت' اقتدار' غلبہ دیا گیا ہے۔ اردو لغات میں سلطان کے معنی بادشاہ کے ہیں۔ تاہم سلطان کے اصل معنی غلبہ اور اقتدار کے ہیں۔ سلطان کا لفظ بادشاہ کے لئے اس لئے استعمال ہوتا ہے کہ وہ مظہر غلبہ و اقتدار ہوتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں زمین و آسمان کی حدود سے باہر نکل جانے سے انکار بھی ہے اور "سلطان" کے ذریعے باہر چلے جانے کا امکان بھی ہے یعنی اللہ جل شانہ' نے فرمایا کہ تم دونوں (گروہ جن اور انسان) زمین و آسمان کی حدود سے نہیں نکل سکتے پھر یہ بھی فرمادیا کہ تم نکل سکتے ہو "سلطان" کے ذریعے۔ راقم الحروف کی حقیر دانست کے مطابق یہاں سلطان سے مراد خلائی ٹیکنالوجی ہے اور خلائی ٹیکنالوجی میں خلا کی طرف سفر کرنے کے لئے کسی سیارے کے مدار میں مصنوعی سیارے یا سیارچے کو بھیجنے کے لئے "راکٹ" کی ضرورت ہے اور آج کے دور میں راکٹ ہی کے ذریعے خلا پر غلبہ حاصل ہوتا ہے مثلاً اگر کسی خلائی جہاز کو زمین کے مدار سے نکلنا ہو تو اس کی رفتار فرار (Escape Velocity) 11 کلو میٹر فی سیکنڈ (25000 میل فی گھنٹہ) ہونی چاہیے اور خلائی جہاز کو زمین کے اوپر خلا میں چھوڑنے کے لئے اور زمین کی سطح سے مثلاً چاند کی طرف سفر کے لئے طاقتور راکٹ کا استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ راکٹ کے ذریعے مصنوعی سیارچے کو زمین کے مدار میں پھینکا جاتا ہے اور پھر وہاں سے بھی راکٹ ہی کے ذریعے وہ چاند پر جانے کی غرض سے (رفتار فرار) حاصل کرتا ہے۔ درحقیقت ایک ہی راکٹ کے مختلف مراحل ہوتے ہیں جو یہ تمام کام سرانجام دیتے ہیں۔ راکٹ کے آخری سرے پر سیارچہ یا خلائی جہاز ہوتا ہے جو چاند پر پہنچ جاتا ہے۔ چنانچہ سلطان سے مراد یہاں موجودہ دور میں "راکٹ" ہی ہو سکتا ہے جس کی

Marfat.com

مدد سے انسان زمین کی حدود سے نکل کر چاند کی حدود میں داخل ہوا اور اب وہ مریخ پر جانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ نظام شمسی کے باقی سیارے فی الحال توجہ کا مرکز نہیں ہیں ویسے بھی مریخ کے علاوہ باقی سیارے زمینی انسان کے لئے قابل رہائش نہیں ہو سکتے چونکہ وہ کیسی حالت میں ہیں اور عطارد اور زہرہ کی سطح کے درجۂ حرارت 350 درجہ سینٹی گریڈ اور 500 درجہ سینٹی گریڈ ہیں اور زمین کے علاوہ کوئی بھی سیارہ انسان کے لئے قابل رہائش نہیں ہو سکتا ہے ماسوائے چاند یا مریخ کے۔ ممکن ہے آیندہ زمانوں میں سائنس اتنی ترقی کر جائے کہ ان کو قابل رہائش بنا لیا جائے۔

چنانچہ "سلطان" کے ذریعے انسان دوسرے آسمانوں یا نظام شمسی میں داخل ہو سکے گا لہٰذا قرآن حکیم نے انسان کو خلا کی تسخیر کی بھی نوید سنا دی تھی۔ افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں نے اس طرف کوئی توجہ نہ دی اور مغربی اقوام نے خلا کو تسخیر کر کے مسلمانوں کو ورطہ حیرت میں ڈالا ہوا ہے۔ کائنات بہت وسیع و عریض ہے اور انسان نے ابھی نظام شمسی کے کچھ حصے کو ہی تسخیر کیا ہے۔ شاید وہ وقت آجائے جب وہ دوسرے آسمانوں کی زمینوں کو بھی تسخیر کر لے گا۔ کائنات کی تسخیر بھی اللہ تعالیٰ جل شانہ' کے انعامات میں سے ایک ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت سے واضح ہو جاتا ہے۔ ارشاد ہوا۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ

ترجمہ: "کیا تم لوگ نہیں دیکھتے کہ آسمانوں (کی بلندیوں) اور زمین کی (وسعتوں) میں جو کچھ بھی ہے اللہ نے تمہارے لئے مسخر کر رکھا ہے اور اس نے تم پر اپنی ظاہری اور باطنی تمام نعمتیں پوری کر دی ہیں"

(سورة لقمٰن 31: آیت 20)

مفہوم اس آیت کا یہ ہے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ہم نے سب کو تمہارے (انسانوں) کے اختیار میں دے دیا ہے اور اپنی ظاہر اور باطنی نعمتیں سب تمہارے لئے وقف کر دی ہیں۔ مزید ارشاد ہوتا ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ○

ترجمہ: "ہمارے پاس تو ہر چیز کے ذخائر اور خزائن موجود ہیں اور ہم انہیں

Marfat.com

ضرورت کے مطابق معینہ اندازے سے انسانوں کے لئے نازل کرتے رہتے ہیں"

(سورۃ الحجر 15: آیت 21)

انسان کو چاہیئے کہ اللہ کے خزانوں کو حاصل کرنے کے لئے کوشش اور بہت کوشش کرے اور یہ آیت کریمہ سائنس دانوں کو بھی دعوت فکر دیتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذخائر اور خزانے دریافت کریں کہ وہ کیا ہیں؟

سورۃ الرحمٰن کی آیت 33 کا آپ مطالعہ فرما چکے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے خلائی دور کی نوید سنائی ہے یعنی وہ دور جس کی صبح اب طلوع ہو رہی ہے۔ اگرچہ بہت سارے مفسرین قرآن کا خیال تھا کہ اس آیت کے معنی روز قیامت کی طرف اشارہ کرتے ہیں لیکن مصنف کی رائے میں یہ آیت لوگوں میں خلائی علم اور اس سے استفادہ کرنے کی تحریک پیدا کرتی ہے، جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ بھی بتا دیا کہ وہ سلطان یعنی قوت کے ذریعے آسمانوں کی گہرائیوں میں داخل ہو سکتے ہیں۔ یہاں آسمانوں کی گہرائیوں سے مراد فضا کے بالائی طبقات یا تہیں ہیں اور پھر نزدیک تر خلا جہاں نظام شمسی کے سیارے محو گردش ہیں اور ان پر جانے کے لئے سائنس دان زمین کی کشش ثقل پر قابو پا لیں گے، انسان کو خلا کی تسخیر کی خوش خبری دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت سے ظاہر ہے:

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ○

"ترجمہ پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے"

(سورۃ الرحمٰن 55: آیت 13)

جب اللہ تعالیٰ نے جنوں اور انسانوں کو بتا دیا کہ وہ سلطان (قوت) کے ذریعے زمین اور آسمانوں کی حدود پار کر سکتے ہیں تو ساتھ ہی تنبیہ (Warning) بھی دے دی کہ اگر تم نے حفاظتی اقدامات نہ کئے تو پھر کیا ہوگا مندرجہ ذیل آیت سے ظاہر ہے

یُرْسَلُ عَلَیْکُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ڏ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ○

ترجمہ: "تم پر آگ کے صاف اور دھواں ملے ہوئے شعلے چھوڑے جائیں گے پھر تم اپنا دفاع نہ کر سکو گے۔ بعض مفسرین "تم اپنا دفاع نہ کر سکو گے" کی بجائے "پھر تم بدلہ نہیں لے سکو گے" کرتے ہیں یا پھر تم (اس کو) ہٹا نہ سکو گے لیکن انگریزی میں اس آیت

Marfat.com

کا جو ترجمہ کیا گیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہے۔

(سورۃ الرحمٰن 55: آیت 35)

"A flash of fire shall be hurled at you both, and also fire without smoke. No defence shall you afford"

Surat Al-Rahman-Verse 35.

"اگر اس انگریزی کا اردو میں ترجمہ کیا جائے تو یوں ہو گا "تم دونوں پر آگ کے شعلے پھینکے جائیں گے اور آگ بغیر دھواں کے۔ پھر تم اپنا دفاع نہ کر سکو گے"۔

عربی میں شواظ کے معنی شعلہ ہیں ایسا شعلہ جس میں دھواں نہ ہو یعنی دھویں سے صاف شعلہ۔ نحاس کے معنی تانبا کے ہیں اور خالص تانبے کا رنگ اینٹ کی طرح سرخ ہوتا ہے جب کہ آگ کے شعلے کا رنگ بھی سرخ ہوتا ہے۔ نحاس کا لفظ یہاں تمثیلی ہے۔ اگر اس کو ترجمہ میں استعمال کیا جائے تو یوں ہو گا "تم پر تانبے (دھات) کے شعلے پھینکے جائیں گے۔ لیکن "آگ کا شعلہ یا شعلے کے بغیر دھواں" کے یہاں مراد سورج کی شدید آندھیاں (Solar Winds) ہو سکتا ہے اور اس سے نکلنے والی کائناتی شعاعیں (Cosmic Radiations) ہو سکتی ہیں جو کہ سورج کی سمت میں اس کے نزدیک خلا میں ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے ایسی جگہ کوئی زندگی نہیں ہو سکتی جہاں پر کائناتی شعاعیں ہوں اور یہ شعاعیں بغیر دھویں کے ہوتی ہیں۔ اب سائنس دان کائناتی خلا پر تجربات کر رہے ہیں اور بہت سارے حقائق منکشف ہو رہے ہیں۔ ان میں سے ایک مثال تباہ کن شعاعوں کی ایک پٹی (Belt) ہے جو زمین کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے اور سائنسی طور پر اسے انگریزی میں (Van Allen Radiation Belts) کہتے ہیں۔

چنانچہ مندرجہ بالا آیات سائنسی معجزیت سے بھری پڑی ہیں جیسا کہ ان کے معنوں سے ظاہر ہے کہ ان میں کس قدر سائنسی حقائق پوشیدہ ہیں۔ یہ قرآن حکیم کا کمال اور اعجاز ہے کہ بات محض اشاروں میں کر دی لیکن ان اشاروں کے راز اب بیسویں صدی میں روز روشن کی طرح لوگوں کے سامنے آ رہے ہیں اور یہی باتیں قرآن حکیم کو وحی الٰہی ثابت کرتی ہیں۔

قارئین کرام کی خدمت میں عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ بعض حقائق تو روز روشن کی طرح ہمارے سامنے واشگاف ہو رہے ہیں لیکن سورۃ رحمٰن کی آیت 33 میں لفظ اقطار

Marfat.com

کی توضیح ضرور کر دی ہے مگر جہاں تک زمین کے "اقطار" کا تعلق ہے تو بات سمجھ میں آتی ہے لیکن آسمانوں کے اقطار کے معنی سائنسی نقطہ نگاہ سے فی الحال انسانی ادراک سے باہر ہیں۔ ہو سکتا ہے آنے والے دنوں میں آسمانوں کے "اقطار" بھی واضح ہو جائیں۔ اگر ان کے تراجم "حدود" یا منطقے کر لیا جائے تو بات واضح ہو جاتی ہے۔ اسی طرح میرے مطالعہ میں یہ بات بھی آئی ہے کہ لفظ "سلطان" جو میرے نزدیک جدید خلائی ٹیکنالوجی کو ظاہر کرتا ہے اس سے ایک لفظ "سلطتہ" بھی مشتق ہے جس کے معنی ہیں وہ خاص طور سے پتلا اور لمبا تیر جو بہت ہی تیزی کے ساتھ اپنی کمان سے نکل کر عین نشانے پر جا لگتا ہے۔ دوسرے معنی میں ایک ایسا تیر جس کی دم کی طرف دو پر ہوں۔ اگر سلطان یا سلطتہ کے ان معنوں کو لیا جائے تو پھر یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ زمین کی حدود سے نکلنے والی شے یعنی راکٹ کی شکل جو خلائی تسخیر کے لئے ایک اہم ذریعہ ہے اور جدید سائنس کی ایجاد ہے' ہو بہو اس قسم کے تیر سے ملتی ہے۔ اور جس طرح تیر کمان سے نکلتا ہے اسی طرح راکٹ اپنے اسٹیشن سے خلا کی طرف پرواز کرتی ہے۔

3- پودوں اور درختوں کی بار آوری (POLLINATION)

انگریزی کا لفظ پولی نیشن (Pollination) پودوں اور درختوں کی پھولوں کے بور کے ذریعے عمل زیرگی یا بار آوری ظاہر کرتا ہے۔ یہ ایک بہت بڑی سائنسی حقیقت ہے جس کا قرآن حکیم نے انکشاف کیا ہے اور علم نباتات میں اس مظہر کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیت کریمہ کا مطالعہ فرمائیے

وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَیْنٰکُمُوْهُ
وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِیْنَ○

ترجمہ: "اور ہم نے بار آور ہوائیں (Bearing Pollin) چلائیں پھر ہم نے آسمان سے پانی اتارا پھر وہ تم کو پلایا اور تمہارے پاس اس کا خزانہ نہیں"

(سورۃ الحجر 15 آیت: 22)

اس آیت کریمہ میں عربی کا لفظ "لواقح" سائنسی اہمیت کا حامل ہے اس لفظ کے معنی "بوجھل" کے ہیں یہ لاقحہ کی جمع ہے جس کے معنی "حاملہ" کے ہیں اس کا مادہ ل۔ق۔ح ہے جس کے معنی حاملہ ہونا ہے۔ ہمارے مفسرین نے "اور ہم نے بار آور

Marfat.com

ہوائیں چلائیں" کی بجائے اور ہم نے "بادلوں سے پر، پانی سے پر" رس بھری ہوائیں چلائیں ترجمہ کیا ہے۔ اگرچہ بادل بھی پانی ہی کے بخارات ہوتے ہیں اور بالائی طبقات میں پہنچ کر تکثیف کے عمل کے ذریعہ بارش کی صورت میں زمین پر برستے ہیں۔ لیکن علامہ عبداللہ یوسف علی نے اپنے انگریزی ترجمہ میں بور (Pollen) یعنی مادہ کھجور کے درخت کا نر کھجور کے بور سے بار آوری (زیرگی) کا ذکر کیا ہے جو کہ راقم الحروف کے نزدیک درست ہے۔ ☆

اس آیت میں ایک بہت بڑی سائنسی حقیقت کا یہ انکشاف ہوا ہے کہ پھولوں میں نر اور مادہ ہوتے ہیں اور یہ بات آج جدید سائنس نے دریافت کر لی ہے۔ اس دریافت کے مطابق پودوں کے پھول تین اقسام کے ہوتے ہیں۔1۔ نر پھول 2۔ مادہ پھول 3۔ خود کو بار آور کرنے والے پھول (یعنی ایسے پھولوں میں نر اور مادہ دونوں کے خواص ہوتے ہیں)۔ پام (کھجور کی قسم کا درخت ہے) میں دو طرح کے ہوتے ہیں ایک نر ہوتا ہے جو نر پھول پیدا کرتا ہے اور دوسرا مادہ پھول لاتا ہے۔ بعض پودے دونوں قسم کے پھول لاتے ہیں نر اور مادہ مثلاً پھلیوں (Beans) کے پودے کے پھول نر اور مادہ دونوں کے خواص رکھتے ہیں۔

اور دوسری حقیقت جو قرآن حکیم میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ہوا بھی پودوں کو بار آور کرنے کا ایک عامل ہے۔ بار آوری یعنی (Pollination) کا عمل یہ ہے کہ ایک جگہ سے نر پھولوں کا بور مادہ پھولوں کے بور پر لے جانا اور یہ دو طریقوں سے ہوتا ہے۔

1۔ بہت سارے پودے تو خود بخود بارآور ہو جاتے ہیں جسے خود بارآوری (Selfpollination) کہتے ہیں۔

2۔ جب ایک پھول کا بور دوسرے پھول کے (Stigma) کو بار آور کرتا ہے تو ہم اسے دوغلی بار آوری (Cross Pollination) کہتے ہیں۔

بار آوری کا عمل سرانجام دینے والے عامل شامل ہوائیں، کیڑے مکوڑے، پانی (جو کہ کم عامل ہے) پرندے، حیوان اور انسان بھی ہیں مگر ہوائیں (Winds) نہایت ہی اہم عامل ہیں جو طویل فاصلوں تک پھولوں کی بار آوری کے لئے بور کو اٹھائے پھرتی ہیں

☆ لغات میں بار آوری کو "زیرگی" اور (Pollen) کو زیرہ بھی لکھا گیا ہے۔

اور حیوانوں اور کیڑے مکوڑوں سے بہت پہلے سے زمین پر بار آوری کے عمل کے لئے موجود ہیں۔ کپاس، غلہ، شاہ بلوط، بہت ساری گھاس کی اقسام، (Ragweed) ناگر موتھا (Cat's Tail) یا نم گیاہ ہوا کے ذریعے بار آور ہوتے ہیں۔ بہت زیادہ اقسام کے درختوں اور پودوں کے بیج پردار ہوتے ہیں مثلاً میپل (Maple) اور ٹیولپ (Tulip - tree) یا پھر ان کے ساتھ لمبی پردار انسلاک (Attachments) ہوتی ہیں مثلاً کپاس گلقاصدی اور ککرونداا (Dandelion) جو پیرا شوٹ کی طرح کام کرتے ہیں تاکہ ہوا میں برقرار رہیں جب وہ دوسرے علاقوں کی طرف جائیں لہٰذا ہوا صرف بار آوری کا عمل ہی سرانجام نہیں دیتی بلکہ زمین پر پودوں کے بیج بکھیرنے کا بھی اہم ذریعہ ہے۔ سائنس نے یہ حقائق اٹھارویں صدی کے آخر میں بتائے تاہم قدیم زمانے میں انسان مصنوعی بار آوری کے بارے میں جانتا تھا۔ وہ نر کھجور کے درخت سے مادہ کھجور کے درخت تک بور لے جاتا تھا لیکن بار آوری کرنے والے عوامل اور پھولوں کی جنسی افزائش (Sexual Reproduction) کے بارے میں۔ اسے علم نہ تھا حتیٰ کہ جدید دور میں وہ آگاہ ہوا۔ مندرجہ ذیل آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ۭ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝

ترجمہ: ''وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس کے جوڑے بنائے اور (اسی طرح) مواشی جوڑے بنائے (اور) اس (جوڑے ملانے) کے ذریعہ سے تمہاری نسل چلاتا رہتا ہے۔ کوئی چیز اس کے مثل نہیں اور وہی ہر بات کا سننے والا دیکھنے والا ہے''

(سورۃ الشوریٰ 42، آیت 11)

اس عمل کا اطلاق یعنی بار آوری کا اطلاق نہ صرف پودوں اور حیوانوں پر ہوتا ہے بلکہ بے جان چیزوں پر بھی ہوتا ہے کیونکہ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے ''اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کئے یعنی نر اور مادہ مثلاً ایٹم ہی کی مثال لیجئے اس میں جتنے الیکٹران ہوتے ہیں اتنی ہی تعداد میں پروٹان ہوتے ہیں۔ ہائیڈروجن ایٹم کی مثال لیجئے اس کے

Marfat.com

مرکزے میں ایک پروٹان جو مثبت ہے اور ایک الیکٹران' جو اس کے مرکز کے گرد گردش کرتا ہے' منفی ہے۔ جو ایک جوڑے کی صورت میں ہیں۔

4- سطح سمندر

اللہ تعالیٰ کا کلام روشنی کا ایک ایسا مینار ہے جس کی روشنی کبھی ماند نہیں پڑتی اور یہ روشنی تمام زمانوں اور تمام ارواح کے لئے ہے۔ کلام الٰہی ایک ایسی بلند چوٹی کی مانند ہے جس کی جلالی صورت کی بنیاد تو زمین پر ہے مگر اس کی چوٹی آسمان تک پہنچی ہوئی ہے جسے ایک لافانی سورج کی روشنی نے اپنے اندر بند کر لیا ہوا ہے۔ یہ شاندار' پرجمال اور بڑی عظیم ہے۔ یہ بنی نوع انسان کے دلوں اور دماغوں کو روشن کرتی ہے اور اس کی گہری جہالت کی تاریکی میں داخل ہوتی ہے یہ اپنے مخالفین کی آنکھوں کو چندھیا دیتی ہے اور یہ سائنس سے لبریز ہے اور یہ ایسی روشنی ہے جسے کبھی گہن نہیں لگتا۔ اگر کلام الٰہی کی صحیح طریقہ سے ترجمانی کی جائے تو یہ ایسی روشنی ہے جسے کبھی گہن نہیں لگتا)

مثلاً دو سمندروں کے ملاپ کی کہانی جو کہ بحیرہ روم اور بحیرہ احمر سے متعلق ہے کلام الٰہی کی ابدی سچائی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ کوئی بھی واحد دریافت یا سائنس کی تسلیم شدہ حقیقت کسی طور بھی قرآن حکیم میں دی گئی حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتی اور نہ ہی اس کی ابدی حقیقت پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔ اس ضمن میں ایک تاریخی واقعہ بیان کرتا ہوں۔ جب نپولین بوناپارٹ نے اٹھارویں صدی عیسوی کے آخر میں مصر کا محاصرہ کیا تو اس نے ان دونوں سمندروں کو ملانے کی کوشش کی لیکن اس کے سائنس دانوں اور ماہر ارضیات کی ایک بڑی تعداد نے اسے بتایا کہ دونوں سمندروں کو ملانے سے بحیرہ احمر کا پانی بحیرہ روم پر تجاوز کر جائے گا جس کے نتیجہ میں دہانہ تباہ ہو جائے گا۔ نپولین کے مشیروں نے سوچا کہ بحیرہ احمر کا پانی بحیرہ روم کے پانیوں سے اونچائی پر ہے چونکہ بحیرہ احمر میں اونچے پہاڑ ہیں۔ اس کے مشیروں کے غلط مشورے کی وجہ سے اس بین الاقوامی واٹر وے (آبنائے: کشتی رانی یا جہاز رانی کے لئے قابل گزر گاہ) نہر سویز کی کھدائی کو 60 سال سے زائد عرصہ تک موخر کر دیا۔ ابھی تک یہ نظریہ دریافت نہیں ہو چکا تھا کہ ایک مائع (پانی) اپنے مقامات کے لحاظ سے توازن میں ہوتا ہے تو اس کی آزاد سطحات اسی افقی سطح یا پلین میں ہوتی ہیں اور یہ اسی اصول پر ہے کہ پانی کی سطح عمل کرتی ہے انگریزی میں یوں کہیں گے:

Marfat.com

"According to the communicating vessels theory, when a liquid is in equilibrium in communicatng vessels or places, the free sarfaces are in the same horizonal plane and that it is on this principle that the water level acts."

نپولین نے سائنس کا مشورہ لیا جس نے اس کی غلط رہنمائی کی لہذا ان دونوں سمندروں کو ملانے کی خواہش پوری نہ ہوئی بلکہ مایوسی ہوئی۔ لیکن قرآن حکیم میں اس وقت یہ پوشیدہ حقیقت تھی۔ اگر اس کے کلمات کی صحیح تشریح ہو جاتی تو یہ بین الاقوامی منصوبہ وجود میں آ جاتا اور یہ غلط تصورات کہ بحیرہ روم اور بحیرہ اسود کے پانیوں کی سطحات میں فرق ہے دور ہو جاتے اور بحری جہاز جو خاکنائے ایشیا اور افریقہ کے درمیان گذرتے تو ان کا بحری راستہ 60 سال پہلے مختصر ہو جاتا۔ اگر نپولین کے مشیر اور وزیر قرآن حکیم کا مطالعہ کر لیتے تو یہ مسئلہ حل ہو جاتا۔ قرآن حکیم کی سورۃ الرحمٰن میں اس بات کی تصدیق کی گئی ہے کہ جب دو سمندر آپس میں ملتے ہیں تو وہ ایک دوسرے پر تجاوز نہیں کرتے۔ ارشاد ربانی ہے:

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۝

ترجمہ: "اسی نے دو دریاؤں کو (صورۃ ") ملایا کہ (ظاہر میں) باہم ملے ہوئے ہیں اور حقیقتاً ان دونوں کے درمیان ایک حجاب (قدرتی) ہے کہ دونوں بڑھ نہیں سکتے (ایک دوسرے پر تجاوز نہیں کرتے)

(سورۃ الرحمٰن 55: آیت 18' 19)

چنانچہ دونوں دریاؤں کے ملانے کا مسئلہ اس آیت میں حل کر دیا گیا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ جب سائنس اللہ تعالیٰ کے بیان کی مخالفت یا تردید کرتی ہے تو اس کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔ اس وقت نہر سویز اور نہر پانامہ موجود ہیں اور وہ تمام پرانے خدشات اور خوف جو قدیم سائنس دانوں کے ذہن میں تھے بے بنیاد ثابت ہوئے ہیں۔ سمندر ایک دوسرے پر تجاوز نہیں کرتے یا ایک دوسرے پر نہیں چڑھ جاتے یہ اللہ تعالیٰ کا مقررہ قانون ہے۔ ان کی کثافت یا نمکیات کی مقدار میں کمی بیشی ہو سکتی ہے لیکن اس معاملہ میں سطحی رو ئیں (Surface Currents) اور زیر آب رو ئیں (Under Currents) نظریہ متقلب ٹیوب (Communicating Tubes) کے مطابق توازن برقرار رکھتی ہیں

Marfat.com

مثال کے طور پر بحیرہ احمر کا بہت ہی بھاری اور کثیف پانی بحیرہ روم کے پانی کو بھی بہت نمکین بنا دیتا ہے مگر وہ کسی صورت اس پر تجاوز کرتا ہے اور نہ ہی اس کے اوپر بہتا ہے۔ اس ضمن میں قرآن حکیم نے ایک اور سائنسی حقیقت کا انکشاف کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَّحْجُورًا ○

ترجمہ: ”اور وہ ایسا ہے جس نے دو دریاؤں کو صورۃ" ملایا جس میں ایک (کا پانی) تو شیریں تسکین بخش ہے اور ایک (کا پانی) شور تلخ ہے۔ اور ان کے درمیان میں (اپنی قدرت سے) ایک حجاب اور ایک مانع قوی رکھ دیا۔

(سورۃ الفرقان 25: آیت 53)

(سورۃ الفاطر 35 کی آیت 12 اور سورۃ النمل 27 کی آیت 61 کا بھی یہی مفہوم ہے)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں بھی ایک سائنسی حقیقت کا انکشاف کیا ہے کہ دریا جب سمندر میں بہتے ہیں تو میلوں دور تک ان کے پانی کا مٹی جیسا رنگ نظر آتا ہے اور دریا کا پانی سمندر کے پانی کی نسبت میٹھا ہوتا ہے اور سمندر کا پانی نہایت تلخ یا کڑوا ہوتا ہے آج کل پانی کا تجزیہ لیبارٹری میں کیا جاتا ہے۔ اس تجزیے سے معلوم ہوا کہ سمندر کے پانی میں بہت نمکیات ہوتے ہیں یا ان کی مقدار اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ پانی کڑوا ہو جاتا ہے مگر دریا کے پانی میں نمکیات کی مقدار بہت ہی کم ہوتی ہے اس لئے وہ شیریں ہوتا ہے۔ چنانچہ سمندر کا پانی جو کہ نمکیات کی وافر مقدار کی وجہ سے کثیف اور بھاری ہوتا ہے اس میں پڑنے والے دریا کی سطح سے نیچے رہتا ہے اور بظاہر دونوں کی سطحات ملی ہوئی معلوم ہوتی ہیں مگر حقیقتاً ان دونوں کے درمیان کوئی ملاپ نہیں ہوتا اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ان دونوں کے درمیان کوئی روک موجود ہے جو دونوں پانیوں کو آپس میں ملنے نہیں دیتی۔ یہی صورت حال دو دریاؤں کی ہے اگر ایک کا پانی کڑوا ہے اور دوسرے کا میٹھا تو وہ بھی اپنی کثافتوں میں تفریق کی وجہ سے آپس میں نہیں ملتے مگر صورۃ " ملے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح سمندر کے نیچے بھی پانی کے دریا بہتے ہیں۔ سمندر کی بالائی سطح تو ہیجان انگیز ہوتی ہے اور بعض اوقات تو سمندر کی موجیں پانی کی سطح سے ڈیڑھ سو

Marfat.com

فٹ بلندی تک پہنچ جاتی ہیں- جس قدر سمندر کی سطح تیز و تند ہواؤں کی بدولت بے سکون ہوتی ہے اسی قدر سمندر کا پانی گہرائی میں نہایت پرسکون ہوتا ہے- چنانچہ بعض اوقات میٹھے پانی کی روئیں اور ساتھ ہی تلخ پانی کی روئیں دریا کی صورت میں بہتی ہیں- مگر وہ آپس میں نہیں ملتیں- اسی طرح ایک دریا کا پانی گرم ہو سکتا ہے دوسرے کا ٹھنڈا اور یہ ان کے منبع پر منحصر ہے- چنانچہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ شیریں اور تلخ پانی کے دریا آپس میں نہیں ملتے اور حیران کن بات یہ ہے کہ ان دونوں دریاؤں کے پانیوں کے درمیان بھی پانی ہی کی تہہ ہوتی ہے جو دونوں کو الگ کئے ہوتی ہے اور یہ بحری انجینئرنگ (Marine Engineering) کا ایک اہم موضوع ہے- راقم الحروف نے پاکستان ٹیلی ویژن پر ایک امریکی پروفیسر کو جو کہ بحری انجینئرنگ کا ماہر تھا' یہ بات کہتے ہوئے سنا تھا کہ جو کچھ اس آیت میں کہا گیا ہے وہ سو فیصدی درست ہے-

☆ ○ ☆

Marfat.com

قرآن اور فلزات

فلزات جمع فلز کی ہے جس کے معنی اردو میں دھات کے ہیں۔ دھات کو عربی اور فارسی میں فلز کہتے ہیں انگریزی میں میٹل (Metal) اور اس سے متعلقہ علم کو میٹالرجی (Metallurgy) کہتے ہیں۔ جس کو اردو میں علم فلزات یا محض فلزیات کہہ سکتے ہیں۔ اس باب میں قرآن حکیم کا وہ پہلو بیان کرتا ہوں جو دھاتوں کے بارے میں ہے۔ قرآن حکیم میں صرف پانچ قدیم دھاتوں کے نام آئے ہیں اور ان کے یہ نام تمثیلی یا ضمنی ہیں اگرچہ واقعات کے سیاق و سباق اور ہیں لیکن ان دھاتوں کا خصوصی ذکر سائنسی نقطہ نگاہ سے اور تکنیکی لحاظ سے ان کی فطرت و جبلت، خواص و استعمالات کی نشان دہی کرتا ہے اور دلچسپ پہلو یہ ہے کہ ازمنہ قدیم سے آج تک بلکہ مستقبل میں بھی نہ تو ان دھاتوں کے خواص میں کوئی غیر معمولی تبدیلی دیکھی گئی ہے اور نہ ہی ان کا استعمال متروک ہوا ہے بلکہ ان کا استعمال اس جدید دنیامیں بڑھتا ہی جا رہا ہے اور اس قدر وسیع استعمال کے باوجود ان کے ذرائع میں قطعاً" کمی نہیں ہو رہی۔

ان پانچ قدیم دھاتوں میں سونا، چاندی، لوہا، تانبا اور سیسہ شامل ہیں۔ اگر میرا اندازہ درست ہے تو سونے کا ذکر قرآن حکیم میں دس بار، چاندی کا پانچ بار، سونے اور چاندی دونوں کا دو بار، لوہے کا چار بار، تانبے کا تین بار (بعض مفسرین کے مطابق چار بار ہے) اور سیسے کا محض ایک بار۔ ان دھاتوں کے بارے میں تمام آیات کو موضوع بحث نہیں لایا جائے گا بلکہ ہر دھات کے بارے میں ایک آیت پیش کی جائے گی۔ دھاتوں کے بارے میں ارشادات ربانی بیان کرنے سے پہلے دھاتوں کے مفہوم و مطالب کو سمجھنا ضروری ہے خاص کر ایسے قارئین کرام کے لئے جو دھاتوں کے علم سے واقفیت نہیں رکھتے۔

دھات کیا شے ہے؟

دھات سے ہماری مراد کیمیائی عنصر (Chemical Element) سے ہے جو فطرت میں ہر جگہ موجود ہے۔ اب تک سائنس دانوں نے ایک سو تین کے قریب عناصر دریافت کر لئے ہیں اور ان میں سے تقریباً 65 کے قریب دھاتی ہیں اور باقی غیر دھاتی ہیں یا پھر

Marfat.com

چند ایسے عناصر ہیں جن کو دھات نما (Metalloid) کہا جا سکتا ہے۔ یعنی وہ خواص کے اعتبار سے دھاتی بھی ہیں اور غیر دھاتی بھی۔ چنانچہ تمام کیمیائی عناصر کو دھاتوں، غیر دھاتوں اور دھات نما میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔

ایسا عنصر جو چمکدار، قلمی، بجلی اور حرارت کا موصل، نرم، تار پذیر اور ورق پذیر ہو دھات کہلاتا ہے اور جن عناصر کے خواص اس کے برعکس ہوں غیر دھاتی کہلاتے ہیں۔ تمام دھاتیں روم ٹمپریچر پر ٹھوس قلمی حالت میں موجود ہوتی ہیں صرف پارہ ایک ایسی دھات ہے جو اس درجہ حرارت پر مائع حالت میں پایا جاتا ہے مگر صفر درجہ سنٹی گریڈ سے نیچے (39°C-) اسے عارضی طور پر ٹھوس حالت میں منتقل کیا جا سکتا ہے۔

ساری کائنات دھاتوں، غیر دھاتوں اور دھات نما کے باہمی امتزاج سے معرض وجود میں آئی ہے۔ دھاتیں تمام جمادات، نباتات، حیوانات کی لازمی جزو ہیں۔ اس کائنات کا چھوٹے سے چھوٹا ذرہ یا تو دھات پر مشتمل ہوتا ہے یا پھر غیر دھات پر یا ان کے باہمی امتزاج پر مثلاً کوئلہ غیر دھات ہے، لوہا (حدید) دھات ہے اور چٹان کا کوئی ٹکڑا دھاتوں اور غیر دھاتوں پر مشتمل ہو سکتا ہے۔ دھاتوں کا علم ایک وسیع مضمون ہے اور اس مختصر باب میں اس کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔

دھاتیں اتنی ہی قدیم ہیں جتنی کہ انسانی تہذیب و تمدن۔ دھاتوں نے انسانی تہذیب پر گہرے اثرات مرتب کئے ہیں اور ہماری قدیم و جدید تہذیب دھاتوں کی مرہون منت ہے۔ آج سے کوئی آٹھ ہزار سال قبل از مسیح انسان نے دھات کا استعمال شروع کیا اور یہ وہ زمانہ تھا جب کہ پتھروں کے زمانے (حجری دور) کا آخری دور تھا۔ چنانچہ کم و بیش گذشتہ دس ہزار سال سے انسان اس حسین و جمیل کرہ ارض پر دھاتوں کا استعمال کرتا چلا آرہا ہے اور انہی دھاتوں کی بدولت انسان نے چاند کو تسخیر کیا۔ اور اب مریخ پر اپنی کمندیں ڈال رہا ہے۔ ہم اپنی روز مرہ زندگی میں صبح سے شام تک کتنی ہی دھاتیں استعمال کرتے ہیں اگر ان کا شمار کیا جائے تو طویل فہرست مرتب ہو جائے گی۔ الغرض دھاتوں کے بغیر ہماری تہذیب کا رخ ہی کچھ اور ہوتا یا پھر شاید ہم پتھروں کے زمانے میں ہی مقید ہو کر رہ جاتے۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ قرآن حکیم میں صرف پانچ دھاتوں کا ذکر ہے قارئین کے ذہن میں یہ سوال ضرور پیدا ہو سکتا ہے کہ آخر پانچ دھاتوں کا ذکر ہی کیوں

Marfat.com

ضروری تھا باقی دھاتوں کا ذکر کیوں نہیں؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ تقریباً 476ء تک انسان صرف انہی دھاتوں کا زیادہ استعمال کرتا تھا جن کا ذکر قرآن حکیم میں ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے قدیم دھاتوں کی فہرست میں سونا، چاندی، تانبا، جست، سیسہ لوہا، پارہ اور قلعی شامل ہیں۔ چنانچہ جن دھاتوں کا استعمال عام تھا مصلحتاً انہی کا ذکر ہے اور باقی کا نہیں ہے۔ مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں پلاٹینم (جدید قیمتی دھات ہے جو سونے سے مہنگی ہے) دریافت نہ ہوئی تھی اس لئے اگر اس دھات کا ذکر قرآن حکیم میں ہوتا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منکرین قرآن اس دھات کے بارے میں ضرور سوال کرتے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں انہی دھاتوں کا ذکر کیا ہے جن کے نام سے عرب کے باشندے بخوبی واقف تھے اور ان کو اپنی روز مرہ زندگی میں استعمال بھی کرتے تھے۔ اب ان پانچ دھاتوں کے بارے میں قرآن حکیم کے حوالے سے ذکر ہو گا۔

سونا (GOLD)

عربی میں سونے (Gold) کو "زخرف" کہتے ہیں۔ مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ فرمائیے

وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِىْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِىْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِىْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِىْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ۝ فَلَوْلَآ اُلْقِىَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ۝

ترجمہ: "اور فرعون نے اپنی قوم میں منادی کرا دی یہ کہا کہ اے میری قوم والو کیا مصر کی سلطنت میری نہیں ہے اور یہ نہریں میرے (محل کے) پائیں میں بہ رہی ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ تو (بھلا بتلاؤ) کہ کیا میں (ہی) افضل (نہیں) ہوں اس شخص سے جو درحقیقت بے وقعت ہے اور بولنا تک اسے نہیں آتا! سو اس کے (ہاتھوں میں) سونے کے کنگن کیوں نہیں پڑے ہوئے ہیں یا (یہ ہوتا کہ) فرشتے جمع ہو کر اس کے ساتھ آئے ہوتے (یا فرشتے اس کے جلو میں پرا باندھ کر آئے ہوتے)"

(سورۃ زخرف 43: آیات 51،52،53)

Marfat.com

مذکورہ آیات میں فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مشہور قصہ بیان کیا گیا ہے مگر یہاں سونے کے کنگنوں کا ضمنی ذکر ہے جو ہمارے لئے دلچسپی کا باعث ہے۔ قدیم شاہان مصر (3100 ق۔ م تا 332 ق ۔ م) سونے کے خوبصورت کنگن اور زنجیریاں (ہار) پہنا کرتے تھے جو بادشاہ وقت کا امتیازی نشان ہوتا تھا اور سونے کے کنگن اور کڑے ان کے نزدیک بڑی قدرو منزلت کے حامل تھے۔ بعض فرعون مصر (1400 ق ۔ م) سونے کے منقش نقاب (Masik) پہنا کرتے تھے جس میں قیمتی پتھر مثلاً سنگ لاجورد اور رنگ دار شیشے کمال صنعاعی سے جڑے ہوتے تھے۔ اس قسم کا ایک سونے کا نقاب قاہرہ کے عجائب گھر میں ناظرین کی بازدید کے لئے رکھا ہوا ہے جو توتنخامن (Tutankhamen) نامی فرعون مصر کا تھا۔

قدیم مصر میں سونے کی قیمتی دھات کا بڑی مقدار میں حاصل کرنا اور پھر اس کے کنگن و دیگر زیبائشی اشیاء اور زیورات کا پہننا تو فرعون مصر یا خانوادہ فرعون یا پھر اس کے امراء اور مقربین ہی استطاعت رکھتے تھے اور عام آدمی کی دسترس سے باہر ہوں گے چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام (1571 تا 1451 ق ۔م) اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی رفاقت میں اپنے وقت کے فرعون منفتاح دوئم کے سامنے اپنے رب کی نشانیاں اور دعوت حق لے کر گئے تو فرعون اور اس کے درباریوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی باتوں کا مذاق اڑایا چونکہ آپ کی زبان میں لکنت تھی اور اپنی بات کھل کر بیان نہ کر سکتے تھے اسی لیے وہ اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو ساتھ لے گئے تھے۔ یہ فرعون خود خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور مصر میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا۔ جب معاملہ سنجیدہ ہو گیا تو فرعون نے منادی کرا دی اور اپنی بات کا وزن بڑھانے کے لئے اپنی قوم سے یہ کہا کہ اگر یہ شخص (حضرت موسیٰ علیہ السلام) واقعہ سچ کہتا ہے تو اس کے ساتھ فرشتے جمع ہو کر آتے ہوتے یا پھر کم از کم اس کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن ہوتے۔ چونکہ فرعون جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اس کے علاوہ اس کے مقربین بھی کم از کم سونے کے کنگن ضرور پہنتے تھے چنانچہ اس نے کہا کہ اگر یہ شخص (حضرت موسیٰ علیہ السلام) میرے علاوہ کسی اور خدا کا مقرب ہے تو پھر اس کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن ضرور پڑے ہوتے یعنی خدا کا مقرب ہونے کی (فرعون کے نزدیک) یہ سب سے بڑی نشانی تھی۔

مذکورہ آیات سے ایک اور بات واضح ہو جاتی ہے کہ مصر کے زرگروں یا جیولروں کو کمال صناعی کا بھی علم تھا جو اس زمانے میں بھی سونے کے زیورات بنانے کے

بڑے ماہر تھے اور اتنے خوبصورت سونے کے کنگن بناتے تھے کہ بادشاہ وقت پہنتا تھا۔ سونا تحریر شدہ انسانی تاریخ سے قبل دریافت ہو چکا تھا اور سونا اتنا ہی قدیم ہے جتنی کہ انسانی تہذیب۔ قدیم انسان نے جب دریاؤں کی ریت میں سونے کے ذرات دیکھے تو وہ ان کی چمک دمک سے خاصا متاثر ہو گیا اور یہی وہ پہلی دھات ہے جس نے انسان میں زیبائش و آرائش کا تصور پیدا کیا۔ جوں جوں وقت گذرتا گیا سونے کے استعمال، اس کی افادیت اور قدر و منزلت میں اضافہ ہوتا گیا حتیٰ کہ اسے دولت کا معیار سمجھا جانے لگا جو کہ فی زمانہ بدستور قائم ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ لہٰذا تاریخ کے ہر دور میں انسان نے سونے سے محبت کی ہے اور جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرعون نے سونے کے کنگنوں کو انسان کی شان و شوکت اور برتری کا مظہر قرار دیا تھا غالباً" وہ سونے سے بڑی محبت کرتا تھا

چاندی (SILVER)

عربی میں چاندی کو فضہ کہتے ہیں۔ چاندی کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔

وَيُطَافُ عَلَيْهِم بِآنِيَةٍ مِّن فِضَّةٍ وَأَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيرَا ۝ قَوَارِيرَا مِن فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا ۝

ترجمہ: "اور ان (جنت میں رہنے والوں) پر چاندی کے باسنوں اور پیالوں کا دور چل رہا ہو گا جو شیشے کی طرح صاف ہوں گے، شیشے (کانچ کے نہیں بلکہ) چاندی کے جس کو کارکنان قضا و قدر نے ٹھیک اندازہ کے مطابق بنایا ہے"

(سورۃ الدھر 76: آیت 15، 16)

اس آیت میں چاندی کے باسن یا پیالے ہماری دلچسپی کا باعث ہیں۔ بادشاہوں اور امراء کے علاوہ متمول لوگ بھی سونے اور چاندی کے برتن و ظروف اپنے دستر خوان پر استعمال کرتے ہیں۔ چاندی کے برتنوں کا رواج کب ہوا کچھ کہنا مشکل ہے تاہم قدیم مصر میں سونے کے زیورات کے علاوہ چاندی کے ظروف بھی استعمال کرتے تھے اور ان کا بائبل میں بھی ذکر ہے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ سے بہت پہلے چاندی کے برتنوں کا رواج تھا اور ماضی میں ایک غریب آدمی ایسے برتنوں کی محض آرزو ہی کر سکتا تھا اور ان کا حاصل کرنا جوئے شیر کے مترادف تھا۔ اگرچہ آج کل امریکہ کے علاوہ دنیا میں کئی کروڑ

Marfat.com

پتی ہیں جن کے ہاں سونے اور چاندی کے برتن زینت دستر خوان ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص چاندی و سونے کے برتن رکھنے اور استعمال کرنے کی استطاعت رکھتا ہو تو ضرور اپنے دستر خوان پر استعمال کرے لیکن حضور اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو سونے اور چاندی کے برتن استعمال کرنے کی ممانعت فرمائی ہے محض اس لئے کہ ایسا کرنے سے معاشرے میں بہت زیادہ نفسیاتی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں مثلاً یہ کہ ایک امیر آدمی کے دستر خوان پر جب کوئی غریب آدمی سونے چاندی کے برتن دیکھتا ہے تو اس میں احساس کمتری کے ساتھ ساتھ اپنی غربت کا احساس بھی مزید گہرا ہو جاتا ہے اور امیر آدمی کے ذہن میں احساس برتری کے علاوہ نخوت و تکبر بھی پیدا ہوتا ہے اور معاشرے میں عدل و انصاف اور مساوات کا فقدان ہوتا ہے۔ غالباً اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نیک لوگوں کے لئے جنت میں ان برتنوں میں مشروب پلانے کا وعدہ فرمایا ہے چونکہ جنت میں نہ کوئی بادشاہ ہوگا نہ فقیر نہ امیر نہ غریب سبھی جنتی کہلائیں گے۔

سونے اور چاندی کے برتنوں کی سائنسی افادیت

سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا یا پینا دنیا اور آخرت (جنت میں رہنے والوں کے لئے) کیوں افضل ہے؟ میرے نزدیک ان برتنوں کے بہت سارے سائنسی فوائد ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

1- سونے اور چاندی کے کشتے اور ورق مقوی (Tonic) ہوتے ہیں۔ دل کو قوت اور فرحت پہنچاتے ہیں غالباً یہی وجہ ہے کہ پرانے زمانے میں حکماء اور اطباء حضرات بادشاہوں کو سونے یا چاندی کے برتنوں میں مشروب پینے کی تلقین کرتے تھے۔

اگر مشروبات ترشی ہوں تو وہ سونے یا چاندی کی بہت ہی معمولی مقدار اپنے اندر حل کر لیتے ہیں یعنی ان دھاتوں کے رواں (Ions) ان میں چلے جاتے ہیں جو بدن میں جا کر دل و دماغ کی قوت کا باعث بنتے ہیں۔ ادویات میں یا مٹھائیوں پر سونے اور چاندی کے اوراق کا استعمال بھی اسی لئے ہے مگر وہ معدے میں ہضم نہیں ہو سکتے اور اسی طرح معدہ سے خارج ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ ہمارے حلوائیوں کو اس بات کا علم نہیں وہ محض سجاوٹ کے لئے مٹھائیوں پر سونے یا چاندی کے اوراق لگا دیتے ہیں۔

2- پاکستان میں سونے کے اوراق چونکہ بہت مہنگے پڑتے ہیں اس لئے چاندی کے اوراق ہی استعمال ہوتے ہیں۔

Marfat.com

3- سونے اور چاندی کے برتن اپنی چمک دمک برقرار رکھتے ہیں- ان دھاتوں کو زنگ نہیں لگتا- ان کی صفائی اور دیکھ بھال آسان ہے- سونے اور چاندی کو ان کی زنگ روک خاصیت کی وجہ سے "اشرف دھاتیں (Noble Metals) کہا جاتا ہے- ان کے علاوہ بھی 6 مزید دھاتیں ہیں جو اشرف ہیں مگر ان کا ذکر یہاں بے محل و موقع ہو گا- چنانچہ جنت میں ان اشرف دھاتوں کے پیالے و ظروف مشروب پینے کے لئے اشرف المخلوقات کو دیئے جائیں گے- چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں رہنے والوں کے لئے جن دھاتوں کے استعمال کا انتخاب کیا ہے وہ ان کی فطرت و خواص کے عین مطابق ہے- اس مقصد کے لئے یہ نہیں کہا گیا کہ جنت میں رہنے والوں پر "لوہے کے پیالوں" کا دور چل رہا ہو گا چونکہ سونے اور چاندی کے مقابلہ میں لوہا بہت ادنیٰ دھات ہے اور اسے زنگ کھا جاتا ہے اگرچہ صنعتی لحاظ سے اس کے بے پناہ فوائد و استعمالات ہیں اور اس کی اپنی افادیت مسلمہ ہے- لوہے کا ذکر بھی قرآن حکیم میں موجود ہے جس کا ذکر آگے آئے گا مگر وہ کسی اور مقصد کے لئے ہے-

4- سونے اور چاندی کے برتن اور ظروف سے انسان کی شان و شوکت بھی ظاہر ہوتی ہے' گھر کی زیب و زینت بھی-

سائنسی نقطہ نگاہ سے تو ان کا استعمال مفید ہے اب ہمارے علماء حضرات ہی فتویٰ دے سکتے ہیں کہ اگر کوئی چیز طبی نقطہ نگاہ سے استعمال کی جائے' خواہ اس کا استعمال کرنا حرام ہو' تو کیا وہ حلال چیز کے زمرہ میں آجائے گی؟-

لوہا (IRON)

عربی میں لوہے کو "حدید" کہتے ہیں- قرآن حکیم میں لوہے کا خاص طور پر ذکر ہے مثلاً سورۃ حدید کی ایک آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے-

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

ترجمہ: "اور ہم نے لوہا نازل (پیدا) کیا جس میں طاقت و قوت اور بنی نوع انسان کے لئے فائدے ہیں"

(سورۃ الحدید 57: آیت 25)

مندرجہ بالا آیت میں نہ صرف اللہ تعالیٰ نے لوہے کا ذکر کیا ہے مگر جامع الفاظ میں

Marfat.com

اس کی خوبیاں بھی بیان فرما دی ہیں جن کا بنی نوع انسان کو ازمنہ قدیم سے آج تک فائدہ پہنچ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین میں ایک پتھر پیدا کیا ہے جسے ماہرین ارضیات ''آئرن اور'' (Iron Ore)، خام لوہا یا لوہے کی کچ دھات کہتے ہیں۔ اس سے لوہے کو خارج کیا جاتا ہے اور پھر اس لوہے کی مزید صفائی سے فولاد تیار کیا جاتا ہے لوہے کی سات اقسام ہیں مگر فولاد کی سینکڑوں اقسام ہیں۔ چنانچہ لوہا یا فولاد کہاں نہیں ہے؟۔ یہ ہر جگہ موجود ہے، گھروں میں، آمدورفت کے وسائل میں، ریل گاڑیوں میں، جہازوں میں، عمارتوں میں، پلوں میں، الغرض لوہا اور فولاد ہماری تہذیب کے جزو لاینفک ہیں۔ فولاد کا بنیادی میٹیریل چونکہ لوہا ہی ہے اس لئے یہاں صرف لوہے کو موضوع بحث لایا جائے گا۔

لوہا کیسے پیدا ہوا اور کہاں سے آیا؟ اس کی تفصیل مضمون کی طوالت کا باعث ہو گی۔ مختصرا" عام قیاس ہے کہ لوہا غالبا" انسان کو اتفاقیہ طور پر اس آگ کی راکھ میں ملا ہو گا جو اس نے کبھی کسی پہاڑ کے دامن میں سرخ رنگ کے پتھر کے ساتھ روشن کی ہو گی اور پھر لوہے کی دھات حاصل کی ہو گی۔ یہی قدیم تصور کہ سرخ رنگ کے پتھر (آئرن اور یا لوہے کا آکسائڈ) اور آگ کے باہمی اتصال سے لوہا پیدا ہوتا ہے، بعد میں لوہے اور فولاد کی صنعت کا بنیادی بلکہ مرکزی اصول بن گیا اور یہی اصول آج تک قائم ہے چنانچہ انسان پتھروں کے زمانہ کا خاتمہ کر کے لوہے کے زمانہ یعنی عصرالحدید میں داخل ہو گیا اور ابھی تک وہ لوہے کے زمانہ میں ہی ہے۔ صنعتی انقلاب میں انسان کے بعد دوسرا بڑا ہیرو یہی لوہا تھا جس سے مشینی دور کا آغاز ہوا۔ لوہے کے بغیر ہماری تہذیب کا رخ ہی اور ہوتا اور شاید ہم عہد حجری (پتھر کے زمانہ) سے باہر نہ آتے۔ اب مذکورہ آیت کے معنی پر دوبارہ غور فرمایئے۔ ارشاد ربانی ہے ''اور ہم نے لوہا نازل کیا''۔ یہ بات قارئین کے لئے خالی از دلچسپی نہ ہو گی کہ اللہ تعالیٰ نے واقعہ لوہے کو آسمان سے نازل کیا؟ لوہے کو آسمان سے شہاب ثاقب کی صورت میں نازل کیا۔ یہ شہاب ثاقب دنیا کے مختلف حصوں میں پائے گئے ہیں۔ ان گرے ہوئے پتھروں کا ذکر قدیم قوموں کی لوک کہانیوں اور قصوں میں موجود ہے۔ جب یہ شہاب زمین پر گرتے ہیں تو زمین کے ہزاروں مربع میل جگہ پر بکھر جاتے ہیں اور ان کی تصادم کی آواز بڑی پراسرار ہوتی ہے جو ہزاروں میل تک سنائی دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے واقعات نے قدیم انسان کو مسحور کر رکھا تھا۔ اور وہ ان پتھروں کو کسی مافوق الفطرت قوت سے تعبیر کرتے تھے اور بعض ملکوں میں ان کی پرستش بھی کی جاتی

Marfat.com

تھی۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ یہ شہاب ثاقب (خاص طور پر لوہے والے شہاب) دیوتاؤں کی طرف سے تحائف تھے۔ قدیم انسان نے اسی شہابی لوہے کو استعمال کیا۔

1492ء کے بعد ان آسمان سے گرے ہوئے پتھروں کو دنیا کے نیچرل ہسٹری کے عجائب گھروں میں محفوظ کر لیا گیا ہے۔ اور قابل دید مقامات' وی آنا' برلن' پیرس' لندن' نیویارک' شکاگو اور واشنگٹن' ہیں۔ اٹھارویں صدی کے آخر میں سائنس دانوں نے ان شہاب ثاقب پر توجہ مرکوز کی اور تحقیق کے بعد ثابت ہوا کہ یہ پتھر آسمان سے گرے تھے۔ ان شہاب ثاقب کو تین گروہوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے' "لوہے"' "پتھر" اور "پتھریلے لوہے"۔ لوہے والے شہاب محض کسی پتھر کی چٹان کے ٹکڑے معلوم ہوتے ہیں۔ کیمیائی ترکیب کے لحاظ سے اور تیسری قسم کے شہاب کے خواص لوہے اور پتھر کے بین بین ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں پتھریلے لوہے کہا گیا ہے۔ اس وقت پتھروں کی تعداد 696' لوہوں کی تعداد 34 اور درمیانی قسم سے تعلق رکھنے والے 12 کی تعداد میں ہیں' مگر یہ اعداد و شمار ابھی نامکمل ہیں اور مستقبل قریب میں مزید دریافتیں ہوں گی۔ اب یہ شہاب ثاقب لوہے کے اخراج کے لئے استعمال نہیں ہوتے بلکہ عجائب گھروں کی زینت ہیں۔ مزید تفصیل گیارہویں باب میں ملاحظہ فرمائیے۔

لوہے کا سب سے بڑا ذریعہ زمین ہے۔ لوہا زمین کے اندر لوہے کی کچ دھات کی صورتوں میں موجود ہے۔ زمین میں عناصر کی کثرت کے لحاظ سے لوہا چوتھے نمبر پر (تمام دھاتوں کے لحاظ سے) دوسرے نمبر پر ہے۔ زمین کے قلب میں یا مرکز میں یہ مائع حالت میں موجود ہے اور زمین کی بالائی سطح (خول) میں بھی موجود ہے۔ زمین کے بالائی خول کی موٹائی سطح سے زمین کے اندر 10 میل (16 کلومیٹر) کے قریب ہے اور اس میں لوہے کی مقدار 5.06 فی صد ہے۔ زمین کے اس خول (جسے فشرارض (Earth - Crust) کہتے ہیں' میں لوہا آزاد حالت میں شاذو نادر ہی ملتا ہے اور یہ عموماً" آکسیجن' گندھک' کاربن ڈائی آکسائڈ اور ریت وغیرہ سے ملا ہوتا ہے۔ آزاد حالت میں لوہا صرف شہاب ثاقب میں ملتا ہے۔ آج صنعتی پیمانے پر لوہا زمین ہی سے حاصل کیا جاتا ہے۔

لوہا سینکڑوں معادن کا لازمی جزو ہے۔ تھوڑی مقدار میں یہ پانی' پودوں اور خون میں پایا جاتا ہے۔ لوہا تمام جاندار چیزوں کے خون کا لازمی اور اولین جزو ہے۔ دوران خون کے بغیر کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکتا۔ اگر انسان یا حیوان میں خون کی کمی ہو جائے تو وہ

کمزور اور بیمار پڑ جاتا ہے اور پھر دوا کے ذریعے اس کمی کو پورا کیا جاتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے لوہا براہ راست آسمان سے بھی نازل کیا اور زمین میں بھی پیدا کیا اور بنی نوع انسان کے لئے اس میں بڑے ہی فوائد ہیں۔ جن کا ذکر قرآن حکیم کی مذکورہ آیت کریمہ میں انسان کو بتا دیا گیا ہے۔

تانبا (COPPER)

عربی میں تانبے کو "نحاس" کہتے ہیں۔ بعض قرآنی آیات میں لفظ "قطر" آیا ہے اور ہمارے مفسرین کبھی اس کا ترجمہ پیتل، کبھی تانبا اور کبھی سیسہ کرتے ہیں۔ تاہم خواہ تانبا ہو یا سیسہ دونوں معنی بتاتے ہیں کہ قدیم زمانے میں بھی لوگ میٹالرجی سے واقف تھے۔ ارشاد ربانی ہے:

اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا ؕ

ترجمہ: "(اچھا) تو تم لوگ میرے پاس لوہے کی چادریں (تختے) لاؤ یہاں تک کہ جب (ردے ملاتے) ان کے سروں کے بیچ (کے خلاء) کو برابر کر دیا تو حکم دیا کہ دھونکو (دھونکنا شروع کیا) یہاں تک کہ جب اس کو (لال) انگارا کر دیا تو اس وقت حکم دیا کہ اب میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ (جو پہلے سے تیار کرا لیا ہو گا) کہ اس پر ڈال دوں"۔

(سورۃ الکھف 18: آیت 96)

اسی سورت کی آیت 97 کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

"سو نہ تو وہ لوگ (یعنی یاجوج ماجوج) اس پر چڑھ سکتے تھے اور (غایت استحکام کے باعث) نہ اس میں نقب لگا سکتے تھے"۔

مذکورہ بالا آیات میں ذوالقرنین بادشاہ کا قصہ بیان کیا گیا ہے جو کبھی مشرق و مغرب کا حکمران تھا یعنی اس کی سلطنت بہت وسیع تھی جو مشرق و مغرب تک پھیلی ہوئی تھی ذوالقرنین ایسا تاج یا ٹوپی پہنتا تھا جس کے اوپر دو سینگ بنے ہوتے تھے یہی وجہ ہے کہ اسے ذوالقرنین یعنی دو سینگوں والا بادشاہ کہا گیا ہے (بعض مفسرین و مورخین کے مطابق وہ مقدونیہ (یونان) کا سکندر اعظم تھا۔ بہرحال اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ وہی تھا تو قرآن کی کہانی اس کے عہد (356 تا 323 ق م) سے تعلق رکھتی ہے۔ جب وہ ایران کی تسخیر کے

بعد وسطی ایشیاء کے مشہور شہر بخارا سے گذرا اور ہندوستان کی طرف پیش قدمی کی تو وہاں کے رہنے والی قوم (غالباً ترک قوم) نے منگولیا کے وحشی قبائل (یاجوج ماجوج) کی ذوالقرنین سے شکایت کی کہ انہوں نے ان کی زندگی کو تلخ کر رکھا ہے اور ان کے گھروں کو نیست و نابود کر کے، لوٹ مار کر کے بے گناہ عوام کا قتل عام کر کے واپس چلے جاتے ہیں تو ان لوگوں کی درد بھری داستان سن کر ذوالقرنین بادشاہ نے حکم دیا کہ وہ لوہے کی چادریں یا تختے لائیں۔ جب وہ لائی گئیں تو ان کے سروں کو سرخ گرم کر کے تانبے سے ویلڈ کر کے ایک آہنی دروازہ بنا دیا جو مورخین و مفسرین کی تحقیق کے مطابق ہندوستان اور ترکستان کے مابین راستے پر دو پہاڑیوں کے درمیان تنگ راستے میں لگا دیا گیا تھا (اگرچہ اب اس کے مدہم سے نشان باقی رہ گئے ہیں) تاہم یہ دروازہ اتنا اونچا تھا کہ منگولیا کے وحشی قبائل (یاجوج ماجوج) نہ تو اس پر چڑھ سکتے تھے اور نہ اس کی مضبوطی اور غایت استحکام کے باعث اس میں نقب لگانے اور نہ (سوراخ کرنے کی) استطاعت رکھتے تھے۔

ہمارے لئے جو بات دلچسپی کا باعث ہے وہ اس قصہ کے علاوہ تانبا اور اس سے ویلڈنگ کا کام ہے۔ تانبا اتنا قدیم ہے یعنی سکندر اعظم کے حملہ سے پہلے بحیرہ اسود کے ارد گرد رہنے والی قوم تانبے یا سیسے سے دوسری دھاتوں کو جوڑنے یا ویلڈنگ کے فن سے واقف تھی اور دھاتوں کو پگھلانے کا عمل بھی جانتی تھی۔ اتنا عرصہ گذر جانے کے باوجود آج بھی ہم دھاتوں کو انہی دھاتوں (تانبے، پیتل یا سیسے) سے ویلڈ کرتے ہیں۔

اگر دھاتوں کو سیسے کی دھات سے جوڑا جائے تو اسے کاری گروں کی زبان میں ''کچا ٹانکا'' اور اگر سیسے کی جگہ تانبا یا پیتل استعمال کیا جائے تو اسے ''پکا ٹانکا'' کہتے ہیں۔ انگریزی میں کچے ٹانکے لگانے کے عمل کو سولڈرنگ (Soldering) اور پکے ٹانکے لگانے کو بریزنگ (Brazing) کہتے ہیں البتہ آج کل ٹانکے کی ترکیب میں معمولی ردو بدل کر دیا گیا ہے مثلاً 100 فی صد سیسے (Lead) کی بجائے اس میں 50 فی صد دوسری کم درجہ حرارت پر پگھل جانے والی دھات مثلاً قلعی (Tin) یا اینٹیمنی (Antimony) کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح تانبے کے ٹانکے کی بجائے پیتل کا ٹانکا بھی استعمال ہو سکتا ہے جو تانبے کے ٹانکے سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے (پیتل، تانبے اور جست کا مرکب ہے)۔ چنانچہ ذوالقرنین بادشاہ نے لوہے کی چادروں کو ویلڈ کروا کر لوہے کا دروازہ یا روک تیار کروالی تھی جس نے ایک کمزور قوم کے لئے خونخوار قبائل کے خلاف ڈھال کا کام کیا تھا اور اس زمانے میں یہ کام

Marfat.com

اسی صورت ہوا کہ لوگ دھاتوں کو پگھلانے' ڈھالنے اور ویلڈنگ کا طریقہ جانتے تھے۔

سیسہ (LEAD)

عربی میں سیسے کو "رصاص" کہتے ہیں اور اس کا بھی قرآن حکیم میں ضمنی ذکر ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ ۝

ترجمہ: "اللہ کو تو پسند وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں"

(سورۃ الصف 61: آیت 4)

قرآن حکیم وضاحت و بلاغت میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا۔ مذکورہ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے "اس کے پسندیدہ لوگوں" کے اوصاف کے علاوہ سیسے کی دھات کے اوصاف بھی واضح کر دیئے ہیں۔ یہ بھی ایک قدیم دھات ہے جس کا ذکر قرآن حکیم کے علاوہ توریت اور انجیل میں بھی ہے۔ یونان اور روما کے لوگ اسے پانی کے نلوں (Pipes) کے لئے استعمال کرتے تھے۔ سیسے کی دھات تمام اہم صنعتی دھاتوں سے وزن میں بھاری ہے مثلاً پانی سے یہ 11.35 گنا بھاری ہے۔ اگرچہ سیسہ ایک بھاری دھات ہے مگر یہ اتنی نرم ہے کہ اسے انسان اپنے ناخن سے تراش سکتا ہے۔ قدیم دھاتوں میں یہ بھاری دھات تھی اگرچہ آج کے جدید دور میں دریافت شدہ پلاٹینم گروپ کی دھاتیں سیسے سے بھاری ہیں۔ قدیم زمانے میں دیوار کی اینٹوں کی چنائی کے لئے یا پتھروں کی چنائی کے لئے ان کے مابین خلا کو پر کرنے کے لئے مٹی یا گارے کا استعمال ہوتا تھا چونکہ اس میں بھی اینٹوں یا پتھروں کو جوڑنے کی قوت ہے مگر کمزور ہے۔ اسی طرح چونے یا چونے اور ریت کا آمیزہ استعمال ہوتا تھا جیسا کہ مغل عمارتوں میں ہوا ہے۔ لیکن دیوار کو زیادہ قوی اور بھاری (تاکہ گرنے نہ پائے) بنانے کے لئے سیسے کی دھات کو پگھلا کر اینٹوں یا پتھروں کی چنائی کرتے وقت جو خلا چنائی میں رہ جاتا ہے اسے سیسے کی دھات سے پر کر دیا جاتا تھا جس سے دو فائدے حاصل ہوتے تھے اول یہ کہ اینٹوں وغیرہ کو "بہتر جوڑ" مل جاتا تھا اور دوئم یہ کہ دیوار مضبوط و مستحکم ہو جایا کرتی تھی گویا کہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہو۔ مذکورہ آیت میں "سیسہ

پلائی ہوئی دیوار" کو محاورۃ" استعمال میں لایا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو تو وہ لوگ پسند ہیں جو اس کی راہ اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں (جہاد کرتے ہیں) گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ آج کے جدید دور میں اینٹوں، پتھروں کو جوڑنے کے لئے سیمنٹ کا استعمال ہوتا ہے اور سیسے کا استعمال نہیں کیا جاتا تاہم گھروں میں استعمال ہونے والے پانی کے نلوں کو آپس میں جوڑنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔' ☆ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ یونان اور روما میں پانی کی سپلائی کے لئے سیسے کے نل (پائپ) استعمال کرتے تھے، مگر آج کل، اس میں زہریلے مرکبات کے بننے کی وجہ سے اس مقصد کے لئے سیسے کے نلوں کا استعمال خاص طور پر پینے کے پانی کے لئے۔ کلی طور پر متروک و ممنوع ہو چکا ہے۔

☆ دھاتوں کے مزید استعمالات یا دیگر معلومات کے لئے مصنف کی اس موضوع پر کتابوں کا مطالعہ فرمائیں جو فیروز سنز سے دستیاب ہیں۔

☆ O ☆

Marfat.com

دسواں باب

میٹالرجی و دیگر سائنسی علوم میں مسلمانوں کی خدمات

مسلمانوں کی گذشتہ تاریخ (خصوصاً 8 تا 15 ویں صدی عیسوی کے عرصہ کے مابین ہمیں ضرور ایسی مرکزی شخصیت ملتی ہے جو مختلف سائنسی علوم و فنون اور حکمت و دانش کا سرچشمہ ہوتی تھی۔ ایسی شخصیت کو لوگ عموماً "حکیم" کہا کرتے تھے جس سے ان کی مراد "دانش ور" ہوا کرتی تھی۔ یہ دانشور حکیم ایک ہی وقت میں اپنے شہر یا قصبے کا طبیب بھی ہوتا تھا اور مصنف اور شاعر بھی' یا پھر ماہر نجوم اور ریاضی دان بھی' یا پھر تاریخ دان بھی اور صوفی بھی یعنی نامور مسلمان سائنس دان بہت سارے علوم پر دسترس رکھتے تھے۔ مسلمانوں کے سائنسی علوم سے بھی اور ان حکماء کی اپنی نگارشات سے بھی عیاں ہوتا ہے کہ وہ آج کل کی مروجہ سائنسی و فنی اصطلاحات سے واقف نہ تھے اگرچہ وہ اپنے زمانے کے نامور مسلم سائنس دان تھے۔ مثال کے طور پر وہ "ٹیکنالوجی" کے مفہوم سے روشناس نہ تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ انہوں نے شیشہ' کاغذ' سرامک اور میٹل ٹیکنالوجی (میٹالرجی) میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ میرے نزدیک قدیم مسلمان سائنس دانوں کا جدید فنی اصطلاحات سے واقفیت رکھنا اتنی اہمیت کا حامل نہیں جتنا کہ ان کے سائنسی افکار و خیالات اور ان کے تجربات اہمیت کے حامل ہیں جنہوں نے بلاواسطہ یا بالواسطہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے لئے بنیادیں قائم کیں۔ ٹیکنالوجی کی اصطلاح وسیع معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ عام فہم زبان میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ "علم صنعت" کو ٹیکنالوجی کہا جاتا ہے۔ اگر اس کی مزید تشریح کی جائے تو ٹیکنالوجی سے ہماری مراد ایسا صنعتی فن (Industrial Arts) ہے جس میں بنیادی سائنسی علوم مثلاً فزکس اور کیمسٹری کا اطلاق ہوتا ہے اور یہ فنون لطیفہ سے مختلف ہے جسے انگریزی میں (Fine Arts) کہتے ہیں۔ ٹیکنالوجی کی اصطلاح صنعتی انقلاب کی پیداوار ہے جو 1760ء میں یورپ میں رونما ہوا چنانچہ اسی زمانے میں ٹیکنالوجی

Marfat.com

کی اصطلاح کی پیدائش پہلی بار انگلستان جرمنی اور فرانس میں ہوئی۔ صنعتی انقلاب کے دوران تقریباً سارے یورپ میں بے شمار مکینیکل ایجادات و اختراعات معرض وجود میں آئیں جنہوں نے یورپ میں مشینی دور کا آغاز کر کے ان کی کایا ہی پلٹ دی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب یورپ والے سائنسی جاہلیت سے نکل کر سائنس اور ٹیکنالوجی کے دور میں داخل ہوئے مگر مسلمان سائنسی علوم و فنون سے علیحدگی کی راہ اختیار کر گئے اور اب تک اسی حال میں ہیں۔ پاکستان میں ایٹمی دھماکہ (28 مئی 1998ء) یا ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ ہم نے سائنس اور ٹیکنالوجی کے ہر شعبہ میں ترقی کر لی ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ہے اگرچہ پہلے مسلمان سائنس دان کئی سائنسی علوم و فنون پر دسترس رکھتے تھے لیکن انہوں نے کوئی ایسی میکانکی ایجادات نہ کیں جن کی بدولت وہ اپنے ممالک کو صحیح معنوں میں صنعتی بنا سکتے۔ دوسرے لفظوں میں کسی چیز کو وسیع پیمانے پر یا کہہ لیجئے صنعتی پیمانے پر تیار نہ کر سکے بلکہ ان کی پیداوار محض تجربہ گاہوں تک محدود رہی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ یورپ والوں سے پیچھے رہ گئے اور "پس ماندہ" ممالک کہلائے۔ اب فرق صرف اتنا ہے کہ پس ماندہ ممالک کی بجائے انہیں ترقی پذیر ممالک کہا جاتا ہے شاید اس لئے کہ اب وہ اپنے کارخانے یورپ والوں سے قائم کرواتے ہیں یا پھر ان کارخانوں کی مشینری یورپ سے خریدتے ہیں۔ زیادہ تر انہیں ترقی یافتہ ممالک سے یا ورلڈ بنک یا آئی۔ ایم۔ ایف سے قرضہ لے کر مشینری خریدتے ہیں اور ان قرضوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں مگر پھر بھی ان قوموں کے مرہون منت ہیں۔ اس مختصر باب میں مجموعی طور پر مسلمانوں کی ٹیکنالوجی میں خدمات کا ذکر کرنا ایک مشکل کام ہے لہٰذا اختصار کے ساتھ مسلمانوں کی میٹالرجی اور میٹل ٹیکنالوجی سے متعلق خدمات کا ذکر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ جیسا کہ آپ نویں باب میں مطالعہ فرما چکے ہیں انگریزی زبان میں دھاتوں کے علم کو میٹالرجی کہا جاتا ہے۔ اردو میں اسے علم دھات کاری یا علم فلزیات کہہ لیجئے۔ مغربی مصنفین اپنی نگارشات میں ان خدمات کا قطعاً ذکر نہیں کرتے کیونکہ مغرب والوں کو یہ علم نہیں ہے کہ اس میدان میں عرب مسلمان سائنس دانوں کی بھی خدمات ہیں اس لئے وہ اکثر یونانی یا لاطینی مفکرین اور سائنس دانوں کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ اگر یورپ والوں کو علم ہو بھی تب بھی ان کی اکثریت تعصب کا شکار ہے اور وہ اپنے عوام کو مسلمانوں کی سائنس اور

Marfat.com

ٹیکنالوجی کے میدان میں خدمات سے آگاہ نہیں کرنا چاہتے۔

جہاں تک میٹالرجی کا تعلق ہے یہ ایک قدیم فن ہے مگر اب یہ ایک جدید ٹیکنالوجی کہلاتا ہے۔ میٹالرجی اور میٹل ورکنگ (دھات کاری) کوئی دس ہزار سال پرانی ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ اس فن کی تاریخ عہد عتیق کے دھندلکوں میں گم ہوتی ہوئی نظر آتی ہے تو مبالغہ نہ ہو گا تاہم اتنا تو وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ چار ہزار ق۔ م' مصر' میسوپوٹامیہ (موجودہ عراق) اور ایران میں تانبا گری (تانبے کا کام) اپنے عروج پر تھا لیکن یہ معلوم نہیں کہ یہ فن کس مرکز یا کن مراکز سے شروع ہوا تاہم محکمہ آثار قدیمہ اور کلاسیکی روایت کے مطابق تانبا گری کے مرکز کا مقام شمال مغربی ایران اور اس سے آگے کا علاقہ تھا اور پھر وہاں سے یہ فن مشرق اور مشرق وسطیٰ میں پھیل گیا۔ راقم الحروف نے اپنے دورہ ایران (1977ء) میں دیکھا تھا کہ اصفہان کے شہر میں ایک مستطیل نما میدان ہے جسے "میدان شاہ" کہتے ہیں وہاں پر ایک قدیم بازار ہے جہاں پر تانبے کا کام کرنے والے کاری گر اپنے آباؤ اجداد کے فن کو زندہ رکھے ہوئے ہیں اور بازار کے دونوں طرف تقریباً تمام دکانوں میں تانبا گر مصروف عمل نظر آتے ہیں اور صناعی کے ایسے نادر نمونے پیش کرتے ہیں جس کی دنیا میں نظیر نہیں ملتی۔

مسلمانوں کے سائنسی علوم کے طلوع سے پہلے اس کرہ ارض پر کئی تہذیبیں آئیں اور صفحہ ہستی سے مٹ گئیں۔ ان سب نے کسی نہ کسی حد تک مختلف علوم و فنون میں مزید اضافے کئے یا ان کی تکمیل کی پھر فارسی کی ایک کہاوت کے مصداق "ہر کہ آمد عمارت نو ساخت و رفت" یعنی جو کوئی آیا' اس نے نئی عمارت بنائی اور چلا گیا' صفحہ ہستی سے معدوم ہو گئیں مگر اپنے نقوش چھوڑ گئیں۔ تاریخ اس بات کی بھی شاہد ہے کہ آریا قوم دھاتوں کے علم کی ماہر تھی۔ وہ مختلف دھاتوں کو پگھلانے' ان کے بھرت بنانے اور ان کی تصفیہ گری (Refining) کے بھی استاد تھے۔ پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلی قوم جس نے دھاتوں کا استعمال کیا وہ کوئی آٹھ ہزار قبل از مسیح مغربی ایشیا میں واقع بحیرہ خزر (Caspian Sea) کے ارد گرد آباد تھی۔ اس قوم کا تعلق ایسی تہذیب سے تھا جسے مورخین حجری تہذیب کا نام دیتے ہیں۔ غالباً یہ وہ زمانہ تھا جب کہ پتھروں کے زمانے کا آخری دور تھا۔ یہ عموماً ایک قیاس ہے کہ عربوں نے اپنی تہذیب مصریوں سے حاصل کی

لیکن اقوام کی قدیم تاریخ میں ہمیں آریوں' عربوں اور چینیوں کے باہمی روابط کا بھی ذکر ملتا ہے جس سے یہ کہنا بڑا مشکل ہے کہ فلاں تہذیب کی ذمہ دار فلاں قوم تھی یا فلاں قوم کی تہذیب کا سہرا فلاں قوم کے سر ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ مشرقی تہذیب ان متذکرہ بالا تینوں اقوام کے باہمی امتزاج کا نتیجہ تھی اور اب بھی ہے۔

پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ نے 622 عیسوی میں اپنے چند جانثاروں کے ساتھ مکہ سے مدینہ ہجرت کی۔ اسی سال کو آغاز سن ہجری کہتے ہیں۔ یورپین مصنفین اسے محمدن ایرا (Muhammadan Era) کہتے ہیں۔ اس کے تقریباً سو سال بعد مسلمانوں کی عظیم سلطنت مغرب میں سپین سے لے کر مغربی ترکستان اور سندھ (پاکستان) تک پھیل گئی۔ اس عظیم سلطنت میں مسلمانوں کی تین نمایاں خدمات ہیں۔ اول مذہب اسلام' دوئم عربی زبان' سوئم عربی رسم الخط' ان کے علاوہ عربوں نے ان ممالک کی تہذیبوں سے بہت کچھ حاصل کیا جن کو انہوں نے فتح کیا۔ سرور کائنات حضور نبی کریم ﷺ کے جانشین یا خلفائے امیہ نے اسلامی سلطنت پر 661ء تا 749ء تک حکمرانی کی اور دمشق (شام) کو اپنا دارالحکومت بنایا اور اس کی آرائش و تزئین میں شامی' مصری اور ترک کاری گروں کی خدمات حاصل کیں۔ مصری اور شامی دھات کاری یا فلز کاری میں باکمال صناع تھے۔ 749ء میں جب امیہ خاندان کا دور ختم ہوا تو عباسی خاندان کا اقتدار شروع ہوا۔ انہوں نے عربی تہذیب پر ایرانی کلچر کو مسلط کر دیا اور ایرانی خیالات اور نظریات نے ساری اسلامی سلطنت کا احاطہ کر لیا جن پر پہلے عربوں کی حکمرانی تھی۔ عباسی خلفاء نے دمشق کی بجائے بغداد کو اپنا پایہ تخت بنایا جس کی وجہ سے بغداد بھی اسلامی کلچر اور آرٹ کا مرکز بن گیا۔ بہت سارے یونانی سائنسی علوم اور فلسفے پر تحریروں کے عربی زبان میں تراجم ہوئے۔ خلیفہ مامون الرشید نے ایک اکیڈمی قائم کی جسے علم کا گھر (House of Science) کا نام دیا گیا۔ خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں بغداد سائنسی علوم وفنون اور نقش نگاری کے لحاظ سے دنیا کا ایک اہم ترین مرکز بن گیا۔ اسی عہد میں نام ور مسلمان سائنس دان جابر بن حیان نے' جو ایک کیمیاگر اور میٹالرجسٹ تھا' سب سے پہلے سائنس میں تجربے کی بنیاد ڈالی۔ اب جابر بن حیان پر مزید لکھنے کے علاوہ چند دیگر مشہور مسلم سائنس دانوں کا ذکر کروں گا جنہوں نے میٹالرجی میں خدمات سرانجام دی ہیں۔

Marfat.com

جابر بن حیان (721ء تا 817ء)

جابر بن حیان عرب کے جنوبی حصے کے ایک قبیلے آزر کا فرد تھا۔ آپ کے خاندان کے لوگ بعد میں کوفے (عراق) میں آباد ہو گئے تھے جہاں اسی شہر میں آپ کے باپ حیان کی دوا سازی کی دکان تھی۔ مغربی مصنفین جابر بن حیان کو جبر (Geber) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس نے اپنی ساری زندگی میں ناقص دھاتوں کو سونے میں تبدیل کرنے کے لئے بہت سارے دلچسپ تجربات کئے اور اپنی نگارشات میں میٹالرجیکل (دھات کاری) کی بھٹیوں، ریٹارٹ اور دیگر کیمیائی سازو سامان اور طریقے لکھے ہیں جن میں محلول کی تیاری، فلٹر کرنا، عمل قلماؤ، عمل کشید، اور عمل تصعید وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ آج جب ہم ان بنیادی سائنسی باتوں کا ذکر کرتے ہیں تو بعض سائنس دان حضرات اسے محض ایک مذاق سمجھتے ہیں کہ یہ باتیں تو آج کل کے طفل مکتب کو بھی معلوم ہیں۔ لیکن شاید وہ بے خبر ہیں کہ بڑے بڑے کارخانوں میں جہاں آج بے شمار اشیاء ہماری ضروریات زندگی کے لئے تیار ہوتی ہیں یہ بنیادی طریقے بلا واسطہ یا بالواسطہ کسی نہ کسی صورت میں کیمیائی اشیاء کی تیاری کے مراحل میں استعمال ہوتے ہیں۔ اگرچہ آج ان باتوں کا ذکر کرنا محض بچوں کی سی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

جابر بن حیان نے مختلف کیمیائی اشیاء بھی تیار کیں اور ان کا دھاتوں کے ساتھ تعامل (Reaction) بھی دیکھا مثلاً اس نے شورے، گندھک، اور نمک کے تیزاب تیار کئے اور ان کے نمکیات بھی تیار کئے۔ یہ تیزاب اور ان کے نمکیات لاکھوں کیمیائی اشیاء مثلاً ادویات وغیرہ کی تیاری میں استعمال ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان گنت مصنوعات ہیں جو ان سے تیار ہوتی ہیں۔ وہ پہلا سائنس دان ہے جس نے سونے کو حل کرنے کے لئے دو تیزابوں کا آمیزہ تیار کیا یعنی تین حصے نمک کا تیزاب اور ایک حصے شورے کا تیزاب اس آمیزے کو انگریزی میں ایکو آرجیا (Aqu Aregia) کہتے ہیں اور لطف کی بات ہے کہ آج بیسویں صدی میں جب کہ کیمسٹری (کیمیا) کا مضمون خاصی ترقی کر چکا ہے، سونے کو حل کرنے کے لئے کوئی اور بہتر محلل دریافت نہیں ہو سکا۔ اس نے دھاتوں کی فطرت کو پہچاننے کی کوشش میں ان کی تخلیق کے بارے میں ایک نظریہ پیش کیا جسے سلفر - مرکری

Marfat.com

(گندھک - پارہ) نظریہ کہا جاتا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ اگر گندھک اور پارہ مناسب مقدار میں مل جائیں تو سونا بنتا ہے اگر نہ ملیں تو گھٹیا دھات حاصل ہوتی ہے اگرچہ اس کا یہ نظریہ آج تسلیم نہیں کیا جاتا لیکن اس سعی ناکام میں اس نے بے شمار کیمیائی تجربات کئے جن کی بدولت علم کیمیا (Chemistry) معرض وجود میں آیا اور اس وجہ سے اسے کیمیا کا باپ بھی کہا جاتا ہے اور پہلا میٹالرجسٹ (ماہر فلزات) بھی۔ آج دنیا کی کوئی قدیم یا جدید درسگاہ نہیں جہاں کیمیا سے متعلق تعلیم و تدریس اور تحقیق نہ ہوتی ہو اور دنیا کی تمام لائبریریاں اس مضمون پر کتابوں سے بھری پڑی ہیں اور اسی لحاظ سے اس علم نے بنی نوع انسان کی خدمت کی ہے۔ کیا کسی مسلمان سائنس دان کی یہ خدمت کم ہے کہ اس نے ایک ایسے علم کو جنم دیا جس کا پہلے سے وجود نہ تھا۔ اس کے دور میں صرف ایک جنون تھا کہ کسی طرح سے پارس پتھر (Philosopher's Stone) مل جائے تو سونا بن سکتا ہے اور وہ پارس پتھر کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ چونکہ جابر بن حیان یا اس کے شاگردوں کا خیال تھا کہ پارس پتھر کے ملنے سے وہ ناقص دھاتوں کو سونے میں تبدیل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے لیکن وہ اپنی اس کوشش میں تو کامیاب نہ ہوئے تاہم اس تلاش کے پس پردہ کیمسٹری (کیمیا) کے علم کو بہت فروغ حاصل ہوا۔

بہت عرصہ تک مغربی مصنّفین محض اپنے تعصب کی بنا پر جابر بن حیان ایسے نامور مسلم سائنس دان کے وجود سے انکار کرتے رہے لیکن میری نظر سے ایک برطانوی میٹالرجی پر میگزین گذرا جو کہ بین الاقوامی اہمیت کا حامل جریدہ ہے اس میں میٹالرجی پر نایاب اور تاریخی کتابوں کی ایک فہرست دی گئی تھی جس میں جابر بن حیان کی نگارشات (Works of Geber) کا نام سرفہرست تھا اور مشہور غیر مسلم مصنّفین کے نام بعد میں دیئے گئے تھے۔ چنانچہ بیسوی صدی کے سائنس دان اس کی علمیت کے قائل ہو گئے ہیں۔ (جابر ایک درجن سے زائد کتابوں کا مصنف تھا)۔

ابن سینا (980ء تا 1037ء)

ابن سینا کا لاطینی نام ایوے سینا (Avicenna) ہے۔ وہ ایک نامور عرب طبیب تھا اور اس نے کئی یونانی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا اور اپنے نظریات کے لحاظ سے ارسطو کا

حامی تھا۔ یورپ میں اپنی طب کے میدان میں غیر معمولی خدمات کی بدولت جانا اور پہچانا جاتا ہے۔ طب کے مضمون پر اس کی کتابیں مثلاً (القانون فی الطب 18 جلدوں میں کتاب الشفاء 16 جلدوں میں) سترھویں صدی عیسوی تک یورپ کی تمام درس گاہوں میں پڑھائی جاتی رہیں اور اپنی ان اوریجنل (Original) نگارشات کی وجہ سے اس نے طب کی دنیا میں اپنا سکہ جما دیا تھا۔ بہت ساری کتابیں اور تحریریں اس سے منسوب ہیں۔ سولھویں صدی کے ایک مشہور یورپی مصنف ایگری کولا (Agricola) نے جو کہ جدید کان کنی اور جیالوجی (ارضیات) کا باپ سمجھا جاتا ہے اور مشہور میٹالرجسٹ بھی ہے' نے اپنی کتاب (De Re Metallica) میں ابن سینا کا بار بار ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب اس کی موت کے ایک سال بعد لاطینی زبان میں 1556ء میں شائع ہوئی اور 1912ء میں اس کا انگریزی میں ترجمہ شائع ہوا۔

ابن سینا نے اپنی ایک کتاب بہ عنوان "کتاب الشفا" میں لکھا ہے کہ ناقص یا گھٹیا دھاتوں کو اعلیٰ دھاتوں میں تبدیل کرنا ناممکن ہے جب تک کہ ان کی اندرونی ساخت (Internal Structure) کو تبدیل نہ کیا جائے۔ اس نے کیمیاگروں کے مہوسی نظریات کو رد کر دیا تھا لیکن بدقسمتی سے اس کے خیالات اس کے وقت سے بہت آگے تھے اور کسی نے اس کی باتوں کی طرف توجہ نہ دی لیکن آج ہم بیسویں صدی میں جانتے ہیں کہ کسی دھات کو دوسری دھات میں تبدیل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اولذکر دھات کی ایٹمی ساخت یا اندرونی ساخت کو تبدیل ہونے والی دھات کی ایٹمی ساخت میں بدل دیا جائے۔ مثال کے طور پر سونا (Gold) بنانے کے لئے کسی کیمیائی شے یا پارس پتھر کی ضرورت نہیں محض سیسے (Lead) کی ایٹمی ساخت کو سونے کی ایٹمی ساخت میں بدلنا ہو گا۔ مثال کے طور پر سیسے کے ایٹمی مرکز میں 82 پروٹون ہوتے ہیں اور سونے کے ایٹمی مرکز میں 79 چنانچہ اگر سیسے کے ایٹمی مرکز میں سے کسی طریقہ سے 3 پروٹان خارج کر دیں تو وہ سونے کے ایٹمی مرکزے میں تبدیل ہو جائے گا یعنی سیسہ سونے میں تبدیل ہو جائے گا مگر یہ ایک مشکل کام ہے چونکہ اس کے لئے جدید ترین نیوکلیر ری ایکٹر کی ضرورت ہو گی مگر موجودہ ری ایکٹر میں جو زنجیری ری ایکشن ہوتے ہیں ان میں آخر میں جو عنصر بنتا ہے وہ لیڈ (سیسہ) ہے اور زنجیری ری ایکشن (Chain Reaction) کا سلسلہ جاری نہیں

Marfat.com

رہتا- ہو سکتا ہے آیندہ زمانے میں ایسا نیوکلیرری ایکٹر بن جائے جو سیسے سے آگے زنجیری ری ایکشن کو جاری رکھ سکے مگرفی الحال سیسے کی اندرونی ساخت کو تبدیل کرنا مشکل ہے اگر ہم سیسے کی اندرونی ساخت کو بدلنے میں کامیاب ہو گئے تو یقیناً سونے کی دھات حاصل ہو گی اور پھر وسیع پیمانے پر سونے کی پیداوار شروع ہو جائے گی اور سونے کے ڈھیر لگ جائیں گے لیکن شاید اس وقت سونے کی وہ قدرو منزلت نہ ہو جو آج کی دنیا میں ہے جہاں سونا دولت کا معیار ہے- تاہم کسی دھات کو قیمتی دھات میں بدلنے کا جو نظریہ راقم الحروف نے پیش کیا ہے وہی نظریہ آج سے ساڑھے نو سو سال پہلے ابن سینا نے پیش کر دیا تھا- (ان کا پورا نام ابو علی الحسین ابن سینا ہے- اسلامی ادبیات میں شیخ الرئیس کے لقب سے مشہور ہے)-

عبدل رحمان الخازینی (بارھویں صدی عیسوی)

الخازینی ایک نامور طبیعیات دان تھا- اس کا زمانہ بارہویں صدی کے آغاز کا زمانہ تھا اگرچہ اس کی تحقیق کا دائرہ کار براہ راست میٹالرجی کی سائنس سے متعلق نہ تھا لیکن اس نے قدرتی اشیاء کے وزن مخصوص (Specific Gravities) دریافت کئے جن میں چند دھاتیں بھی شامل تھیں- اس کی کتاب میزان الحکمہ ایک مشہور تصنیف ہے جو 1121ء اور 1122ء میں شائع ہوئی- ایک اطالوی تاریخ دان (اے میلی) نے اپنے ایک مقالے میں ایک جدول دی ہے جس میں اس نے عبدل رحمان الخازینی کے معلوم شدہ وزن مخصوص دیے ہیں اور وہ موجودہ طریقوں سے دریافت شدہ وزن مخصوص سے بہت ملتے جلتے ہیں- ملاحظہ فرمائیے:

دھات	الخازینی کے نتائج	جدید قیمت/قدر
سونا	19.05	19.26
پارہ	13.74	13.59
تانبا	8.92	8.85
پیتل	8.67	8.40
لوہا	7.82	7.79
قلعی	7.22	7.29
سیسہ	11.40	11.35

Marfat.com

زکریا الرازی (865ء تا 925ء)

لاطینی میں اسے رازز (Rhazes) کہا جاتا ہے اور یہ بھی اسلام کا ایک عظیم طبیب تھا۔ اس نے قرون وسطی اور دور احیاء العلوم میں بڑی شہرت پائی اور وہ بھی ابن سینا کے پائے کا طبیب تھا۔ طب کی طرف آنے سے پہلے رازی ایک کیمیا گر تھا اور اپنے آپ کو جابر بن حیان کا شاگرد کہتا تھا۔ اس کی کتاب "سرالاسرار" میں اس کا تحقیقی کام جابر کے کام سے بہت مشابہہ ہے یعنی دھاتوں کے بارے میں اس نے وہی تجربات کئے تھے۔ اس کتاب میں اس نے لوہے، تانبے، سونے، چاندی، قلعی اور سیسے کو پگھلانے کے طریقے درج کئے ہیں۔ (ان کا پورا نام محمد ابن زکریا الرازی ہے)۔

میری تحقیق کے مطابق یہی چند نامور مسلم سائنس دان تھے جنہوں نے دھاتوں کی سائنس میں دلچسپی لی۔ اگرچہ آج میٹالرجی کا مضمون دنیا کی تقریباً تقریباً تمام یونیورسٹیوں میں پڑھایا جاتا ہے، اس مضمون پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں اور بے شمار تحقیقی کام ہوا ہے اور یہ سلسلہ ابھی جاری ہے تاہم مذکورہ مسلمان سائنس دانوں کی خدمات کو بھی یاد رکھنا چاہیے۔ اور یہ ہماری نئی نسل کے لئے محرک (Incentive) ثابت ہوں گی۔

دیگر سائنسی علوم میں مسلمانوں کی خدمات

اگر آپ سائنسی علوم کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ مسلمانوں کی عظمت رفتہ کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ نویں تا گیارہویں صدی عیسوی کے ابتدا تک مسلمانوں میں بڑے عظیم سائنس دان موجود تھے ان سب کی فہرست تو خاصی طویل ہے یہاں وسطی ایشیاء کے چند نامور سائنس دانوں کا مختصراً ذکر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ ایک بیان کے مطابق 1200ء تا 1700ء کے پانچ سو سال یورپ کے مورخین کے مطابق ایک تاریک دور کے پانچ سو سال تھے، لیکن اس دور میں مسلمانوں نے سائنس کی دنیا میں انقلاب پیدا کیا جس کی پوری تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔

جابر بن حیان، ابو علی الحسین ابن سینا، عبدل رحمن الخازنی اور محمد ابن زکریا الرازی کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ یہ سب اپنے وقت کے عظیم سائنس دان بھی تھے اور فلسفی بھی۔ ان کے علاوہ چند نامور سائنس دان مندرجہ ذیل تھے۔

Marfat.com

محمد موسیٰ الخوازمی (780ء تا 850ء): (الجبرے کا ماہر تھا)

ابو نصر بن الفارابی (873ء تا 950ء): سائنس کی مختلف شاخوں مثلاً طبیعیات اور ریاضی کے علم پر تقریباً 70 سے زائد کتب تصنیف کیں۔ سائنس کے علاوہ دیگر مضامین پر بھی مثلاً اخلاقیات، پولیٹیکل سائنس پر۔ فلسفیوں میں اپنے وقت کا ارسطو مانا جاتا ہے۔ فاراب کا رہنے والا تھا اسے معلم ثانی بھی کہتے ہیں۔

ابو القاسم الزہراوی: یہ ایک سرجن تھے یا علم جراحی پر فوقیت رکھتے تھے۔ انہوں نے جراحت کے بہت سے آلات ایجاد کئے۔ ان کے علاوہ زخم کی گہرائی ناپنے کا آلہ اور جراحت کا آلہ ایجاد کئے۔

ضیا الدین ابن بیطار: یہ عالم باٹنی تھے انہوں نے پودوں پر گراں قدر تحقیق کی۔

علی بن عیسیٰ: امراض چشم پر تحقیقات کیں اور آنکھ کی ایک سو تیس بیماریوں کا حال لکھا۔

ابو الصلب: انہوں نے سمندروں سے ڈوبے ہوئے جہازوں کو باہر نکالنے کی مشین ایجاد کی۔

ابن الہیثم (965ء تا 1043ء): ابن الہیثم (ALHATHEM) نے قوانین انعکاس نور اور انعطاف نور مرتب کئے اور اس طرح کیمرے اور خوردبین کے عدسے دریافت ہوئے۔ انہیں بطلیموس ثانی بھی کہا جاتا ہے۔ مغرب میں الہیزن کے نام سے مشہور ہے۔ اسوان بند کا منصوبہ، افق کے قریب چاند اور سورج کی جسامتوں میں اضافے کی نہایت صحیح تشریح کی، گویا علم ہیت، ریاضی، فلسفہ، طب ان کے موضوع تھے۔ ان کی کتاب "تنقیح المناظر" کا قلمی نسخہ استنبول (ترکی) میں موجود ہے۔ اس کا لاطینی میں ترجمہ 1527ء میں ہوا۔

ابو الحسن: دوربین کی ایجاد کا سہرا اس کے سر ہے اور جو اس کے قول کے مطابق ایک نلکی ہے جس کے کناروں پر شیشے لگے ہوئے ہیں۔

ابن یوسف: رقاصہ ساعت یا لنگر (Pendulum) کی ایجاد کا سہرا ابن یوسف کے سر ہے جو خلفائے فاطمی کے عہد کا مشہور سائنس دان تھا۔

ابو ریحان البیرونی (973ء تا 1048ء): مشہور سائنس دان ہونے کے علاوہ ایک بہت بڑا فاضل جس کا لقب البیرونی تھا اور جو ہندوؤں کی مذہبی زبان سنسکرت کا بھی جید

عالم تھا۔ ریاضیات و فلکیات کا عالم تھا۔ البیرونی نے کوئی ایک سو کتابیں لکھی ہوں گی لیکن آج کل ان میں سے بہت ہی کم ملتی ہیں۔ اس کی سب سے بڑی اور مشہور کتاب علم ہیت پر "القانون المسودی" ہے۔ دوسری کتاب "الہند" ہے جس میں اس نے ہندوستان کا جغرافیہ لکھا۔

ابو القاسم اندلسی: یہ مسلمان سائنس دان گلستان اندلس کا باشندہ تھا اور آبی جہاز کا موجد تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ جہاز بڑے بڑے طوفانی سمندروں پر بلا خوف و خطر سفر کر سکتے تھے۔

ابو علی: مسلمانوں کا ایک بہت بڑا طبیب اور فلسفی جو اسلامی ادبیات میں شیخ الرئیس کے لقب سے مشہور ہے۔

ابو حامد الغزالی (1058ء تا 1111ء)، **عمر خیام** (1038ء تا 1048ء) بھی قابل ذکر ہیں۔

☆ ○ ☆

گیارھواں باب

قرآن کا منفرد سائنسی اسلوب بیان

(مزید مثالیں)

قرآن حکیم کی وضاحت و بلاغت ناقابل تقلید ہے جس سے یہ بہت عالی مقام رکھتا ہے اور اپنے آپ کو بہت نمایاں کر دیتا ہے جب یہ کائنات سے متعلق نہایت ہی سائنسی صحت کے ساتھ کسی مسئلے کو بیان کرتا ہے۔ اس کا سائنسی اسلوب بیان اپنے اندر اتنی معجزیت لئے ہوئے ہے کہ اس سے قرآن حکیم کے اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے وحی الٰہی کی سچائی اور اس کا مستند ہونا ظاہر کرتا ہے۔

قرآن اس لحاظ سے دوسری الہامی کتابوں سے مختلف ہے کہ اس کا تعلق لوگوں کے دنیاوی معاملات سے ہے۔ لہٰذا اسلام کو ایک حقیقت پسندانہ اور فطری مذہب کہا جاتا ہے۔ یہ ہمیں سماجی برتاؤ، مذہبی فرائض اور منکرات کی تعلیم دیتا ہے اور جو ذمہ داریاں یا فرائض یہ ہم پر ڈالتا ہے وہ نہ صرف ہمارے مذہبی دائرہ کار میں ہیں بلکہ ان کا تعلق ہمارے ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات سے بھی ہے۔ ان ذمہ داریوں میں سے کچھ ذمہ داریاں ہر فرد پر یا انفرادی طور پر فرض ہیں اور کچھ معاشرے پر فرض ہیں۔ جو ذمہ داریاں فرد پر عائد ہوتی ہیں وہ عبادات، روزہ، حج (اگر مالی استطاعت ہو تو زندگی میں صرف ایک بار) اور صدقہ و خیرات (ان کے لئے جن کے پاس ایسے ذرائع ہیں)۔ زکوٰۃ کا مقصد بھی مسکینوں اور غریبوں کی مالی اعانت ہے۔ قرآن حکیم کا بڑا حصہ تو اسلامی قوانین سے مرتب ہے اس ضمن میں سرور کائنات حضور نبی کریم ﷺ کی پریکٹس اور آپ کی احادیث ان قوانین کی تشریح کرتی ہیں۔ قرآن حکیم مسلمانوں کو دوسرے ملکوں اور قوموں کے ساتھ تعلقات کو بھی باضابطہ بناتا ہے اور یہ ان کی بین الاقوامی پالیسی کے مختلف رجحانات قائم کرتا ہے۔ اس میں ذاتی رویہ کے اصول و ضوابط بھی واضح طور پر بیان کئے گئے ہیں مثلاً

Marfat.com

شادی بیاہ، طلاق، وراثت، ملاقات کے لئے قواعد و ضوابط (یعنی دستور ملاقات)، صفائی کے اصول، شہری قانون قانون فوجداری اور وہ سب کچھ جس کا تعلق انسان کی زندگی سے ہے یا دوسرے لفظوں میں وہ سب کچھ بیان کرتا ہے جس سے انسان کو اس کی زندگی میں واسطہ پڑتا ہے۔ قرآن اچھے شہری اور اس کے سماجی کردار کو بڑی اہمیت دیتا ہے اور حسن اخلاق پر بہت زور دیتا ہے اور اسے دونوں دنیا کے لئے ایک پل کا ذریعہ بناتا ہے یعنی دونوں دنیاؤں کے درمیان خلیج کے لئے ایک پل کا ذریعہ ہے۔ ایسی عبادت جس میں حسن کردار یا اچھا کردار نہیں (اسلام کی نظر میں) بے معنی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے کہ "وہ جس کی نماز اسے گناہوں سے نہیں روک سکتی تو وہ خدا سے مزید دور ہو جاتا ہے" الغرض قرآن حکیم کا بڑا حصہ انسان کے ذاتی کردار اور معاشرے میں اس کے کردار کو بڑی اہمیت دیتا ہے یعنی معاشرے میں اس کے دوسرے لوگوں کے ساتھ تعلقات کیسے ہیں۔ اور پھر ہمارے نفسیاتی، معاشرتی، اقتصادی، مذہبی اور دیگر جملہ مسائل کا حل بھی قرآن حکیم پیش کرتا ہے۔

مذکورہ بالا کے علاوہ قرآن حکیم میں جدید علوم مثلاً فلکیات (Astronomy)، سماویات (Cosmology)، ارضیات (Geology)، طب (Medicine)، حیوانات و نباتات (Biology)، تاریخ (History) اور پیش گوئیوں (Prophecies) کا بہت زیادہ ذکر موجود ہے۔ ان سے متعلق نظریات اور حقائق موتیوں کی طرح ادھر ادھر بکھرے ہوئے ہیں اگرچہ بعض معاملات میں تاریخی کہانیوں کو مکمل سورتوں کی صورت میں دیا گیا ہے۔

جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ قرآن حکیم کا سائنسی طرز بیان بہت واضح اور مختصر ہے۔ (یہ جامع اور مختصر ہے)۔ وہ آیات جن کا تعلق سائنسی حقائق سے ہے ان و بہت ہی کم تشریح کی ضرورت ہے۔ اس کی نمایاں مثال وہ قرآنی آیت ہے جو سورۃ یونس 10 آیت 24 میں موجود ہے۔ اگرچہ اس کے ایک حصہ کا ترجمہ دوسرے باب میں اور مکمل آیت کا ترجمہ چھٹے باب میں بھی دیا گیا ہے لیکن ایک دفعہ پھر آپ کی توجہ اس آیت کے عربی متن کے ساتھ ترجمہ کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں ملاحظہ فرمائیے:

إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ أَنزَلْنَٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهِۦ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَٰمُ حَتَّىٰٓ إِذَآ

اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ اَتٰهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○

ترجمہ: ''دنیا کی زندگی کی وہی مثل ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس سے زمین کا رلا ملا سبزہ نکلا جو کہ آدمی اور جانور کھائیں یہاں تک کہ جب زمین نے رونق پکڑی اور (آراستہ ہو گئی) مزین ہو گئی اور زمین والوں نے خیال کیا کہ یہ ہمارے ہاتھ لگے گی۔ ناگاہ اس پر رات کو یا دن کو ہمارا حکم پہنچا پھر اس کو کاٹ کر ڈھیر کر ڈالا گویا کل یہاں نہ تھی آبادی۔ اسی طرح ہم کھول کر بیان کرتے ہیں نشانیوں کو ان لوگوں کے سامنے جو غور کرتے ہیں''

(سورۃ یونس 10: آیت 24)

یعنی مختلف الوان و اشکال کی نباتات میں زمین کو پر رونق اور مزین کر ڈالا اور کھیتی وغیرہ تیار ہو گئی کہ مالکوں کو کامل بھروسہ ہو گیا کہ اب اس سے پورا فائدہ اٹھانے کا وقت آ گیا۔ ناگہاں خدا کے حکم سے دن میں یا رات میں کوئی آفت آ پہنچی (مثلاً بگولا آ گیا یا اولے پڑ گئے یا ٹڈی دل پہنچ گیا۔ وعلیٰ ہذا القیاس)۔ اس نے تمام زراعت کا ایسا صفایا کر ڈالا' گویا کبھی یہاں ایک تنکا بھی نہ اگا تھا۔ ٹھیک اسی طرح حیات کی مثال سمجھ لو یہ خواہ کتنی ہی حسین اور ترو تازہ نظر آئے حتیٰ کہ بیوقوف لوگ اس کی رونق و دلربائی پر مفتون ہو کر اصل حقیقت کو فراموش کر دیں لیکن اس کی یہ شادابی اور زینت و بہجت محض چند روزہ ہے جو بہت جلد زوال و فنا کے ہاتھوں نسیاً منسیا ہو جائے گی'' مولانا شاہ عبدالقادر محدث دہلوی ؒ نے اس مثال کو نہایت لطیف طرز میں خاص انسانی حیات پر منطبق کیا ہے۔ ''یعنی پانی کی طرح روح آسمان (عالم بالا) سے آئی' قالب خاکی میں مل کر قوت پکڑی' دونوں کے ملنے سے آدمی بنا' انسانی اور حیوانی دونوں طرح کے پھر کام کئے۔ جب ہنر میں پورا ہوا اور اس کے متعلقین کو اس پر بھروسہ ہو گیا۔ ناگہاں موت آ پہنچی جس نے ایک دم میں سارا بنا بنایا کھیل ختم کر دیا پھر ایسا بے نام و نشان ہوا گویا کبھی زمین پر آباد ہی نہ ہوا تھا''۔

Marfat.com

تمام بڑے بڑے مفسرین قرآن نے اس آیت کی جو تفسیر کی ہے اس کا نچوڑ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا ہے فی الوقت بھی جو تفسیریں لکھی گئی ہیں یا لکھی جا رہی ہیں ان سب میں روایتی تفسیر موجود ہے اور یکسانیت موجود ہے۔ سب نے اپنی اپنی عقل اور قابلیت کے مطابق تفسیر کرتے وقت محض مختلف الفاظ کا سہارا لیا ہے اور بظاہر ہر ایک نے نہایت جامع تفسیر کی ہے۔ اور اس حقیقت سے روگردانی نہیں ہو سکتی لیکن کوئی نئی بات نہیں بتائی جو میری دانست کے مطابق پنہاں رہی۔

تہذیب نو کی خوشخبری

بات ہو رہی تھی قرآن حکیم کے سائنسی طرز بیان کی۔ یہ آیت اس کی ایک نمایاں مثال ہے۔ اس آیت میں تین باتیں بہت واضح بیان فرما دی گئی ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ اس زمین پر بنی نوع انسان کے مستقبل کو جس طرح بیان کیا گیا ہے اس سے بہتر اور واضح کوئی اور بیان نہیں ہو سکتا۔ کیا یہی آیت نہ تھی جس نے آج سے 1400 سال پہلے جدید تہذیب کی نمود سحر کے آنے والے واقعات کے بارے میں پہلے اطلاع دے دی تھی؟ درحقیقت یہ آنے والی تہذیب کے خدوخال' اس کی دنیا کے مختلف حصوں میں مختلف صورتیں' اس کے فوائد اور حسن و جمال کی سچی تصویر تھی اور یہ آیت دنیا میں یا اس زمین پر سائنس کی بے پناہ قوت کی طرف اشارہ کرتی تھی جو انسان نے زمین پر استعمال کرنا شروع کر دی ہے تاکہ وہ خلا پر کنٹرول حاصل کرے' سمندروں اور دریاؤں کے رخ موڑ دے اور اپنا غلام بنا لے' پہاڑوں کو ڈائنامائٹ سے اڑا دے۔ ٹیکنالوجی میں ترقی کرے اور زمین پر زراعت میں فروغ حاصل ہو' ایٹمی توانائی کو تسخیر کر لے۔ اور یہ سب کچھ ہم نے اس صدی میں دیکھ لیا ہے چونکہ قرآن نے صحیح پیش گوئی کر دی تھی۔ انسان نے آج سائنسی علم میں ترقی کر کے زمین ماتا پر کنٹرول حاصل کر لیا ہے۔ زراعت میں اتنی ترقی ہوئی ہے کہ آج ہماری زمین ہر طرف سرسبز و شاداب ہے۔ یہ سب پیش رفت انسان کی ترقی کی ضامن ہیں۔

اس آیت میں زمین کے مزین ہونے سے مراد یہ ہے کہ انسان زراعت اور زراعتی علوم میں ترقی کر جائے گا۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ ساری دنیا میں اب کھیتی باڑی

Marfat.com

سائنسی خطوط پر ہو رہی ہے۔ فصلوں، پودوں اور باغات کی نشوونما کے لئے مصنوعی کھاد کے کارخانے، فصلوں کے کیڑے مارنے کی ادویات کے کارخانے، فصلوں کی کٹائی وغیرہ بیائی زمین کی کھدائی وغیرہ میں ٹریکٹر کا استعمال یہ سب سائنس میں ترقی کا نتیجہ ہے۔ زراعت، نباتات، اور زمین کی زرخیزی سے متعلقہ تحقیق نے ہماری زمین کو سرسبز و شاداب بنا دیا ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ انسان یا زمین کو اللہ کی طرف سے حکم آتا ہے لیکن کب اور کس وقت؟ اس آیت کے مندرجہ ذیل حصے پر غور فرمائیے:

أَتَاهَا أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا

ترجمہ: "ناگاہ پہنچا اس پر ہمارا حکم رات کو یا دن کو"

(سورۃ یونس 10: آیت 24)

اس کی تفسیر جو علما نے کی ہے وہ یہ ہے کہ "رات کو یا دن کو" شاید اس لئے فرمایا کہ رات کا وقت غفلت کا ہے اور دن میں لوگ عموماً بیدار ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب خدا کا حکم آپہنچے پھر سوتا ہو یا جاگتا ہو غافل ہو یا بیدار ہو کوئی شخص کسی حالت میں اس کو روک نہیں سکتا۔ میری حقیر دانست کے مطابق یہ بیان سائنسی نقطہ نگاہ سے اعلیٰ و ارفع ہے اور بہت درست بھی۔ آج ہم جانتے ہیں کہ جب زمین کے ایک نصف کرے میں رات کا وقت ہوتا ہے تو زمین کے دوسرے نصف کرے میں دن کا وقت ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ زمین پر جو بھی واقعہ رونما ہوتا ہے تو وہ ایک خاص لمحے میں ہوتا ہے جس کا تعلق زمین کے مخصوص کرے سے ہوتا ہے۔ یہ ایک غیر نزاعی سائنسی حقیقت ہے اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی ممکن نہیں۔ یہ کتنی بڑی سائنسی حقیقت ہے اور یہی قرآن حکیم کا اعجاز ہے جو اس کی ناقابل تقلید فصاحت و بلاغت کا ثبوت ہے۔ اس بات کو نمایاں کرنا ضروری ہے تاکہ خدا پر یقین کرنے والے کا یقین (ایمان) زیادہ پختہ ہو جائے۔ اور پھر یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن حکیم جدید سائنسی حقائق کی ترجمانی کرنے کی اعلیٰ اور افضل ترین مثال ہے۔

تیسری اہم بات جو اس آیت میں بیان فرمائی گئی ہے وہ یہ کہ خواہ انسان زمین پر

Marfat.com

سائنس اور ٹیکنالوجی میں کیسی ہی ترقی کر جائے۔ خواہ وہ زراعت میں ہو' صنعت و حرفت میں ہو' سمندروں کو اپنے تابع کر لے یا خلا کی تسخیر کر لے آخر کار ہر چیز کو فنا ہونا ہے یہ قانون قدرت ہے جیسا کہ سورۃ رحمٰن 55 کی آیت 26 میں فرمایا گیا ہے

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝

ترجمہ: "یعنی روئے زمین پر (کائنات ارضی میں) جو کچھ بھی ہے فنا پذیر ہے چنانچہ انسان کو آگاہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنی دنیاوی ترقی' خوشحالی اور شادابی پر تکبر نہ کرے اور دنیا کی زائل و فانی زندگی پر مت رتیجھے۔ چونکہ کسی بھی وقت اللہ کے حکم سے اس کا خاتمہ ہو سکتا ہے' چنانچہ انسان کو چاہیے کہ ہر حال میں اللہ کو یاد رکھے اس کے حکم کے مطابق زندگی بسر کرے پھر دنیا رہے یا اجڑ جائے اس پر کوئی آنچ نہ آئے گی۔ آخر میں اللہ تعالیٰ جل شانہ' فرماتا ہے۔ یہ ہیں ہمارے سمجھانے کے طریقے ہم نشانیاں کھول کر بیان کر دیتے ہیں۔ سمجھنے والے سمجھ جاتے ہیں اور انہی کی خاطر تفصیل بھی کی جاتی ہے۔

آسمان

آسمان میں ستون نہیں!

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا

ترجمہ: "اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے بلند کیا ہو تم دیکھتے ہو"

(سورۃ الرعد 13: آیت 2)

اور یہی بات سورۃ لقمان 31 کی آیت 10 میں ارشاد فرمائی گئی ہے۔ اس سورت میں بھی ایک سائنسی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ مذکورہ آیت میں عربی زبان کا لفظ سماوات جمع ہے "سماء" کی جس کے معنی آسمان کے ہیں۔ اس کے لئے انگریزی زبان میں لفظ سکائی (Sky) اور ہیون (Heaven) وغیرہ استعمال ہوتے ہیں۔ انگریزی کے ان دونوں الفاظ کے معنی نہ صرف آسمان بلکہ فضا' آب و ہوا' محرابی چھت' ہیں اور ہیون کے معنی تو عالم بالا' جنت اور بعض اوقات خدا کے بارے میں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے

Marfat.com

اگر ہم آسمان کے بارے میں یہ کہیں کہ وہ محض ایک نام ہے جو کسی چیز کا رکھا گیا ہے جو ہمارے سروں کے اوپر ہے تو پھر یقیناً اس کا مطلب ہے یہ تمام کائنات ہے جو ہمارا احاطہ کئے ہوئے ہے اور یہ زمین کے گرد خلا سے شروع ہوتی ہے۔ (اس میں زمینی فضا بھی ہے جس میں بادل بھی تیرتے نظر آتے ہیں اور وہ گرجتے بھی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ اور اس کے بعد چاند اور دوسرے سیارے ہیں۔ پھر سورج اور دوسرے ستارے ہیں جو خلا کی گہرائی میں ہماری کہکشاں میں موجود ہیں اور یہ تمام فلکی اجسام اپنے اپنے مداروں میں محو گردش ہیں جیسا کہ سورۃ الانبیاء 21 کی آیت 33 میں درج ہے۔

كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ○

ترجمہ: ”وہ تمام (اجرام فلکی) ہر ایک (ایک) دائرہ میں تیر رہے ہیں“

(سورۃ انبیاء 21: آیت 33)

شاید لفظ (Heaven) جسے ہم ”فلک“ بھی کہہ سکتے ہیں ان سب فلکی اجسام کی نشان دہی کرتا ہے۔ خالق نے اسے بنایا اور بلند کیا ہے اور ہر ایک فلکی جسم کو اس کا حصہ بنایا ہے۔ ہر فلکی جسم کا مقام کائنات میں ایسا ہے جیسے کسی اونچی عمارت میں کوئی اینٹ ہو۔ جیسے ایک اینٹ کو دوسری اینٹ پر رکھتے ہوئے اونچی عمارت بن جاتی ہے اسی طرح خالق نے ایک جسم کو دوسرے جسم پر بلند کیا۔ ہر ایک اپنے اپنے راستہ (مدار بیضوی) پر چلتا ہے اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کی قدرت ہے کہ ان کا آپس میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ اب کون سی قوت ہے جو ان سب کو تھامے ہوئے ہے۔ ان تمام فلکی اجسام کو مرکز گریز قوت (Centrifugal Force) اور عالمگیر قوت تجاذب (کشش ثقل) نے اپنے اپنے اضافی مقامات پر رکھا ہوا ہے۔ ان دونوں قوتوں نے ان سماوی اجسام کو توازن میں رکھا ہوا ہے۔ مرکز گریز قوت یا سنٹری فیوگل فورس ان اجسام کی گردش سے پیدا ہوتی ہے یا یہ قوت ان اجسام کے نیم دائری مداروں میں گھومنے سے جنم لیتی ہے۔ ان قوتوں کو ستونوں سے تعبیر کیا جا سکتا ہے یعنی یہی ستون ہیں جن پر یہ آسمان قائم ہے۔ اگرچہ ہم ان قوتوں کا کھوج نہیں لگا سکتے اور نہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ وہاں پر موجود ہی نہیں ہیں۔ چونکہ ہم ان کی ٹھیک ٹھاک پیمائش کر سکتے ہیں اور ان کی

Marfat.com

تصریحات (Specifications) بھی دے سکتے ہیں- اگر ہم میں سے کسی کو طبیعی حواس خمسہ کے علاوہ کوئی اضافی حواس دے دیا جائے تو وہ ان قوتوں کی نالیوں کو محسوس کر سکتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح ہم اپنے عام حواس خمسہ کے ذریعے کسی مادی شے کا ادراک کرتے ہیں-

آسمان کا نیلا رنگ کیوں ہے؟

یہ نیلا آسمان جو دن کے وقت ہمارے سروں پر واضح طور پر ظاہر ہوتا ہے سائنسی نقطہ نگاہ سے اس کا کوئی مادی وجود (Matrerial Existence) نہیں ہے- یہ محض سورج کی روشنی فضا میں بکھرنے کا نتیجہ ہے بالکل اسی طرح جس طرح سمندر کی چھوٹی موجیں ساحل پر موجود چٹانوں سے ٹکرا کر تمام سمتوں میں منتشر (بکھر جاتی ہیں) ہو جاتی ہیں- یہ بات سائنسی لحاظ سے معلوم ہے کہ زمین کی فضا میں سورج کی زیادہ تر شعاعیں بکھر جاتی ہیں- سورج کی شعاعیں ہوا کے ذرات' پانی یا بخارات کے ذرات' یا چھوٹے سخت اجسام جن کو ہوا کی رویں فضا میں لے جاتی ہیں سے ٹکرا کر فضا میں بکھر جاتی ہیں- نیلے رنگ کی لہروں کی لمبائی دوسری لہروں کی نسبت چھوٹی ہے لہٰذا جونہی وہ زمینی فضا میں داخل ہوتی ہیں تو زمین کے اوپر چاروں طرف بکھر جاتی ہیں یعنی اس انتشار کی وجہ سے وہ نیلے رنگ میں زمین کے اوپر غلاف کی صورت میں ہوتی ہیں جس سے آسمان نیلا نظر آتا ہے یا نیلے رنگ کے گنبد کی صورت میں نظر آتی ہیں باوجود کہ ایسے گنبد کا کوئی وجود نہیں ہے چنانچہ یہ کوئی مادی شے یا سخت آسمان نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ سوچتے ہیں- حاصل کلام یہ ہے کہ آسمان کچھ نہیں محض فضا میں نیلے رنگ کی شعاعوں کا انتشار ہے- یہ بات قابل غور ہے کہ کائناتی خلا قدرتی طور پر تاریک ہے اور حالیہ خلائی سفروں کے دوران بھی اس بات کی تصدیق ہوئی ہے اور دن کی روشنی سورج کی شعاعوں کی زمین کے فضائی غلاف میں داخل ہونے سے ہوتی ہے اور یہ فضائی غلاف ایک گنبد کے کرسٹ (Crust) کی شکل اختیار کر لیتا ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ○

ترجمہ: ''اس نے آسمان و زمین کو حکمت سے پیدا کیا- وہ رات (کی ظلمت یا تاریکی) کو دن (کی روشنی) پر لپیٹتا ہے اور دن (کی روشنی) کو رات پر لپیٹتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا ہے کہ (ان میں سے) ہر ایک وقت مقررہ تک چلتا رہے گا- یاد رکھو وہ زبردست بڑا بخشنے والا ہے''

(سورۃ الزمر 39: آیت 5)

اس آیت سے زمینی فضا کی کروی فطرت کی طرف اشارہ ہے رات اور دن کے آنے جانے کے مظہر سے لوگ واقف ہیں اور جگہ اور وقت کے لحاظ سے دن اور رات میں تبدیلی سے بھی- جب سائنس دانوں نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ دن اور رات کا آنا زمین کے محور کا سورج کی طرف جھکاؤ کی وجہ سے ہے جب یہ سورج کے گرد گردش کرتی ہے- مزید فرمایا

يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ

ترجمہ: ''چھپا دیتا ہے رات سے دن کو ایسے طور پر کہ وہ رات اس دن کو جلدی سے آلیتی ہے''-

(سورۃ الاعراف 7: آیت 54)

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ○

ترجمہ: ''اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ رات (کے اجزاء) کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کے (اجزاء کو) رات میں داخل کر دیتا ہے اور بے شک وہ سننے والا اور دیکھنے والا بھی ہے''

(سورۃ الحج 22: آیت 61)

Marfat.com

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ؀

ترجمہ: "(اور نیز) اللہ تعالیٰ رات اور دن کو (بھی) بدلتا رہتا ہے اس (سب مجموعہ) میں اہل دانش کے لئے استدلال (کا موقع) ہے

(سورۃ النور 24: آیت 44)

اب مزید چند باتیں آسمان کے بارے میں عرض کر دینا چاہتا ہوں۔ ہم نے آسمان کے نیلے رنگ کے بارے میں ذکر کیا ہے مگر نیلا آسمان سرخ یا زرد رنگ میں بھی تبدیل ہو سکتا ہے اگر ان رنگوں کی شعاع آفتاب فضا میں زیادہ مقدار میں منتشر ہو جائے۔ اگر فضا میں بڑے خاکی ذرات یا آبی بخارات فضا کے نچلے طبقہ میں چلے جائیں تو آسمان کا رنگ بدل جائے گا۔ مثلاً خاکی ذرات یا ریت کے ذرات فضا میں بلندی تک چلے جائیں جیسا کہ آندھی میں ہوتا ہے تو بعض اوقات سرخ آندھی آجاتی ہے یا پھر سورج کے طلوع و غروب کے افق پر ایسی سرخ روشنی کو روزانہ دیکھتے ہیں جنہیں ہم "شفق" کہتے ہیں اور اس میں نچلے اور پتلے بادل بکھرے ہوتے ہیں۔ دن کے وقت فضا میں روشنی کا منبع وہ شعاعیں ہیں جو منتشر ہوئی ہوتی ہیں۔ اس کا ثبوت کیا ہے کہ آسمان کے رنگ یا دن کی روشنی میں شعاعوں کا انتشار کار فرما ہے تو اس مظہر کا واضح ثبوت یہ ہے کہ اگر آپ اپنے مکان کی ایسی کھڑکی کھولیں جس کا رخ سورج کی طرف نہ ہو تو پھر بھی کمرہ روشن ہو جائے گا۔ یہ روشنی کہاں سے آئی؟ یہ وہ روشنی ہے جو ہماری زمینی فضا میں بکھری ہوئی ہے

اگر ہم فضا کے اوپر والے طبقے میں چلے جائیں یعنی ہوائی غلاف سے اوپر مثلاً زمین سے تقریباً 200 کلو میٹر تک اوپر چلے جائیں تو نیلا آسمان نیچے نظر آئے گا اور دن کے وقت ستارے اس میں چمک رہے ہوں گے اور اس وقت بڑا خلا تاریک (سیاہ) نظر آئے گا جس میں بھی ستارے چمکتے ہوئے نظر آئیں گے اور سورج اتنا نمایاں ہو گا کہ اس کی شعاعیں سوئیوں کی طرح جسم میں داخل ہو رہی ہوں گی یعنی چبھیں گی۔ مشاہداتی سازو سامان میں سورج سے 93 ملین میلوں پر بھی اس کی شعاعوں کی آوازیں سنی جا سکتی ہیں جیسے کوئی سانس لے رہا ہو یہ درحقیقت ان شمسی آندھیوں کی آوازیں ہوتی ہیں جو اس کی بیرونی فضا میں چلتی ہیں جس کی وجہ سے بہت زیادہ مقدار میں تاہ ان شمسی کائناتی شعاعیں

Marfat.com

خلا میں داخل ہوتی ہیں۔ چنانچہ خلا میں آسمان یا افلاک (Heavens) کی شان و شوکت ظاہر ہوتی ہے جو بغیر ستونوں کے قائم ہیں۔ یہاں یہ ذکر کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ فلکی اجسام کو تجاذبی قوت اور مرکز گریز قوت ہی وہ ستون ہیں جو آسمانوں کو تھامے ہوئے ہیں۔ یہ دونوں قوتیں آپس میں برابر ہوتی ہیں جب کوئی جسم توازن کی حالت میں گردش کر رہا ہو۔ مگر یاد رکھنا چاہیے کہ ان قوتوں کے پس پردہ اللہ جل شانہ' کی قوت عظیم ہے جس نے ان قوتوں کی تخلیق کی ہے۔

آسمان کا ایک تصور یہ بھی موجود ہے کہ یہ "حد نگاہ ہے" تاہم آسمان جو کچھ بھی ہے موجودہ سائنس تو اسے خلا کہتی ہے اور جو کچھ ہمارے سروں کے اوپر موجود ہے وہ آسمان ہے۔ حد نگاہ والی بات بھی ایک لحاظ سے درست ہے کہ نظام شمسی میں زمین سے اوپر ہمیں آسمان نظر آتا ہے۔ چاند پر جائیں اور اس کی سطح پر کھڑے ہو کر اوپر دیکھیں تو وہاں بھی ہمیں ایک آسمان نظر آئے گا اور اگر مریخ کے اوپر چلے جائیں تو وہاں بھی ہمارے سروں کے اوپر ایک آسمان نظر آئے گا و علیٰ ھذا القیاس۔ نظام شمسی کے باہر انسان نے ابھی پرواز نہیں کی اگر وہاں بھی کسی سیارے پر کھڑے ہو کر دیکھیں تو مجھے یقین ہے کہ وہاں بھی آسمان نظر آئے گا۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ "حد نگاہ" بھی درحقیقت "خلا" ہی کی نمائندگی کرتی ہے یعنی کائنات میں فلکی اجسام کے علاوہ باقی سب خلاء ہے تاہم صدیوں سے اس گنبد نما نیلے آسمان نے انسان کے تصور کو مسخر کیا ہوا ہے۔

قرآن حکیم میں آسمان سے متعلق لفظ تقریباً 300 سے زائد آیات میں آیا ہے۔ آسمان کیا ہے یا کیسا ہے'؟ سے متعلق 25 آیات ہیں ان میں سے بعض کے تراجم دیئے جا رہے ہیں۔ مثلاً ارشاد ہوتا ہے۔

وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۖ

ترجمہ: "اور آسمانوں کو اس نے چھت بنایا"

(سورۃ البقرہ 2: آیت 22)

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا ۚ

ترجمہ: "اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا" (سورۃ الانبیاء 21: آیت 32)

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ۝

ترجمہ: ''اور ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں' (برج سے مراد ضخیم ستارے یا سیارے دونوں ہو سکتے ہیں (ضخیم ستارے بنائے ہیں) اور ان سے دیکھنے والوں کے لئے زینت دی (سورۃ الحجر 15: آیت 16)

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ۝

''بڑی برکت والی ہے وہ ذات جس نے آسمان میں برج بنائے۔ اور اس میں آفتاب اور روشن چاند بنا دیا''

(سورۃ الفرقان 25: آیت 61)

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۝

ترجمہ: ''قسم ہے آسمان کی جس میں راستے ہیں''

(سورۃ الذاریات 51: آیت 7)

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ

ترجمہ: ''اور ہم ہی نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے سجایا ہے''

(سورۃ الصافات 37: آیت 6)

وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝

ترجمہ: ''اور ہم ہی نے تم پر سات مضبوط آسمان بنا کھڑے کئے''

(سورۃ النباء 78: آیت 12)

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ط

ترجمہ: ''اللہ ہی ہے جس نے سات آسمان تخلیق کئے اور اتنی ہی زمینیں''

(سورۃ الطلاق 65: آیت 12)

آسمان کے بارے میں مزید قابل غور باتیں

قرآن مجید میں چھت یا سائبان کے لئے لفظ "سقف" آیا ہے جیسا کہ سورۃ الانبیاء21 کی آیت 32 میں ہے۔

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا

ترجمہ: "ہم نے آسمان کو محفوظ چھت کی طرح بنا دیا ہے"

عربی کے لفظ "سقف" سے مراد اگر کوئی ایسی چیز ہے جو کسی میٹیریل سے بنی ہوئی ہو جیسے ہمارے مکانوں کی چھتیں جو ریت' بجری' اینٹوں یا کنکریٹ وغیرہ سے بنی ہوں یا ایسی چھت' سائبان یا چھپر جس کی چھت خشک گھاس پھوس یا درختوں کی شاخوں سے بنی ہو' تو آسمان کے بارے میں اس قسم کا تصور سائنس پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ایک واقعہ بیان کرتا ہوں مجھے اپنے محلے کی مسجد میں درس قرآن کی ایک نشست میں حاضری کا اتفاق ہوا۔ درس دینے والے مقرر ایک عالم دین تھے۔ درس کے دوران آسمان کا ذکر کیا اور کہا کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آسمان ایک حد نگاہ ہے یا خلا ہے غلطی پر ہیں اور اس نے اپنے سامنے لکڑی کی میز پر ہاتھ سے ٹھک ٹھک کیا اور کہا کہ آسمان ایسے ہی ایک مضبوط چھت ہے۔ قرآن حکیم کسی بھی لحاظ سے اس کا مطلب آسمان (Sky) یا ہیون (Heaven) یا نیلا گنبد (Blue Dome) نہیں لیتا بلکہ جیسا کہ وہ انسانوں کو نظر آتا ہے میں نے پہلے ذکر کیا ہے کہ قرآن حکیم کا ایک منفرد طرز بیان ہے جس کی تقلید ممکن نہیں اور یہ کس قدر خوبصورت طریقہ سے کسی سائنسی حقیقت کو نہایت ہی صحت (Precision) کے ساتھ واضح کر دیتا ہے اور یہی اس کا اعجاز ہے جو اسے دوسری آسمانی کتابوں مثلاً توریت' زبور یا انجیل سے الگ کرتا ہے اور اس میں حیرانی کی بھی کوئی بات نہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی الٰہی ہے جو قادر مطلق اور باخبر ہے۔

آسمان ہمارے لئے محفوظ چھت کیسے ہے؟

چھت ایک ایسی چیز ہے جو ہماری حفاظت کرتی ہے۔ موسموں کی شدت سے بچاتی

Marfat.com

ہے یعنی آندھی طوفان، بادو باراں، گرمی اور سردی وغیرہ سے بچاتی ہے اور ہم چھت کے نیچے محفوظ محسوس کرتے ہیں اور ساتھ ہی راحت و سکون بھی۔ لیکن چھت اسی وقت ہماری حفاظت کر سکتی ہے جب وہ خود مضبوط و محفوظ ہو چنانچہ ہمارے اوپر جو آسمان ہے اس کا مقصد ہماری (انسانوں کی زمین پر) حفاظت کرنا ہے چونکہ وہ خود بھی محفوظ ہے جیسا کہ آپ نے سورۃ الانبیاء کی آیت 32 کا ترجمہ مطالعہ فرمایا ہے۔ چنانچہ ہم اس بات پر غور کریں گے کہ آسمان ہماری کیسے حفاظت کرتا ہے؟۔

آسمان ہماری کیسے حفاظت کرتا ہے؟

آسمان ہماری مندرجہ ذیل عوامل سے حفاظت کرتا ہے۔

(1) خطرناک شمسی شعاعوں سے حفاظت

ہمیں یہاں جدید فزکس (طبعیات) سے مدد لینی پڑے گی۔ اس علم کے مطابق جو روشنی ہم دیکھ سکتے ہیں اسے (Visible Light) کہتے ہیں اور یہ "برق مقناطیسی" شعاعوں پر مشتمل ہے یا دکھائی دینے والی روشنی سورج کی اشعاع (Radiations) کی ایک شکل ہے جس میں برق (بجلی) اور مقناطیس کے میدان (Field) ہوتے ہیں اور جب یہ خلا میں سفر کرتی ہیں تو کسی ستارے (یہاں سورج ہے) کی توانائی دوسرے مقام (یعنی زمین) پر منتقل کر دیتی ہیں۔ جب روشنی کی کرنیں ہماری آنکھوں میں پڑتی ہیں تو یہ برق مقناطیسی فیلڈ کی بدولت ہمارے عصبی سروں (Nerve Endings) میں تحریک پیدا کر دیتی ہیں اور ہم دیکھتے ہیں جسے ہم "روشنی" کہتے ہیں۔ روشنی ہمیں سفید نظر آتی ہے مگر سائنسی معائنہ سے معلوم ہوا کہ اس کے سات رنگ ہیں، وہ ہیں سرخ، نارنجی (سنگترا)، زرد، سبز، نیلا، گلابی اور بنفشی۔

اس موضوع کو آسان کرنے کے لئے اور تکنیکی اصطلاحات سے گریز کرتے ہوئے آپ یہ سمجھیں کہ سورج کی اشعاع لہروں (موجوں) کی صورت میں خلا میں 300,000 کلو میٹر فی سیکنڈ یا 186000 میل فی سیکنڈ کے حساب سے سفر کرتی ہیں۔ اشعاع میں دو طرح کی لہریں ہوتی ہیں: اول انسانی آنکھ کو دکھائی دینے والی مثلاً مرئی روشنی کی لہریں اور دوئم وہ جو انسانی آنکھ دیکھنے سے قاصر ہے۔ لہر سے ہماری کیا مراد ہے؟ آپ اس منظر سے تو بخوبی

Marfat.com

واقف ہیں کہ جب آپ کسی تالاب یا جوہڑ کے خاموش اور پر سکون پانی میں کوئی ارتعاش یا خلل پیدا کریں مثلاً ایک کنکر پھینک دیں تو اس مقام پر موجیں پیدا ہو جائیں گی جو کناروں کی طرف سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی بڑھیں گی۔ سمندر کے ساحل پر جانے کا اتفاق ہو تو آپ دیکھیں گے سمندر کی موجیں ساحل سے ٹکرا رہی ہوتی ہیں بالکل اسی طرح اشعاع کی موجیں ہیں۔ لہر جب چلتی ہے تو اونچائی (Crest) اور اترائی (Trough) بنتی ہے۔ لہر کی دو اونچائیوں کی لمبائی کو طول موج (Wave Lenghth) کہتے ہیں۔ اشعاع میں لہروں (یا موجوں) کی طول موج مختلف ہوتی ہیں مثلاً عام روشنی کی طول موج 0.0005 ملی میٹر ہے اس لحاظ سے ہم روشنی کی 50 لہروں کو ساتھ ساتھ رکھیں تو ان کی موٹائی گھریلو پلاسٹک ریپ (Wrap) کے برابر ہو گی۔ لیکن اتنی چھوٹی مقداروں کی پیمائش کے لئے لمبائی کا جو پیمانہ استعمال ہوتا ہے اسے نانو میٹر Nano - Meter کہتے ہیں۔ ایک نانو میٹر 10^{-9} کے برابر ہوتا ہے۔ اس پیمانے کی رو سے دکھائی دینے والی روشنی کا رینج (Range) 400 تا 700 نانو میٹر پر محیط ہے۔ چھوٹے طول موج والی لہریں 400 نانو میٹر اور بڑے طول موج والی لہریں 700 نانو میٹر ہیں۔ اگر آپ کاغذ کے اوپر سات رنگوں کی ایک پٹی (Spectrum) بنائیں تو اس کے ایک سرے پر سرخ رنگ کی لہروں کو رکھیں اور دوسرے سرے پر بنفشی رنگ کی لہروں کو بالکل اسی طرح جس طرح آپ بارش کے بعد افق کے اوپر نیم دائری یا محرابی شکل میں سات رنگوں کی پٹی دیکھتے ہیں جسے "قوس قزح" کہتے ہیں۔ سرخ رنگ سے آگے زیر سرخ شعاعیں (Infrared Radiation) ہیں جن کا طول موج 700 نانو میٹر سے ایک ملی میٹر تک ہوتا ہے۔ ہماری آنکھیں ان کو نہیں دیکھ سکتیں لیکن یہ ہماری جلد ان کی حرارت کو محسوس کر لیتی ہے مثلاً اسے حرارت کا لیمپ سمجھ لیں جو ہمیں انفرارڈ (زیر سرخ شعاعوں) کی وافر مقدار مہیا کرتا ہے۔ ان لہروں سے مزید آگے ریڈیو لہریں آتی ہیں۔ اب رنگوں کی اس پٹی کے دوسرے سرے (End) کو دیکھیں یعنی بنفشی رنگ کی لہروں کو دیکھیں ان سے کم طول موج کی لہروں کو بالائے بنفشی (Ultra - Violet) اشعاع کہتے ہیں جن کا طول موج 400 تا 10 نانو میٹر ہے اس کے بعد ایکس رے اور گیما شعاعیں آتی ہیں یہ تینوں بھی انسانی آنکھ کو نظر نہیں آتیں۔

ایکس رے اور گیما رے انسانوں یا جانوروں کے لئے خطرناک ہو سکتی ہیں اور

Marfat.com

بالا بنفشی شعاعوں کے پاس بھی ہمیں نقصان پہنچانے کے لئے کافی توانائی ہے' تھوڑی مقدار میں یہ رنگ کو گہرا کر دیتی ہیں جسے انگریزی میں سن ٹین (Suntan) کہتے ہیں اور زیادہ مقدار میں جلد کو جلا دیتی ہیں یعنی "سن برن" (Sun Burn) کا باعث بنتی ہیں اور بہت زیادہ مقدار میں کینسر پیدا کر دیتی ہیں۔ اب ان نقصان دہ شعاعوں کے خلاف آسمان یا کرہ فضائی زمین پر ہماری حفاظت کرتا ہے چونکہ ان شعاعوں کا تھوڑا بہت حصہ زمین کی طرف لے کر جاتا ہے یعنی زمینی فضا میں داخل ہو جاتا ہے۔ زمین پر صرف دکھائی دینے والی روشنی اور بعض ریڈیو لہریں ہی زمین تک پہنچتی ہیں۔ فضا کے بالائی طبقات ایکس ریز' گیما شعاعوں اور کچھ ریڈیو لہروں کو جذب کر لیتے ہیں اور اوزون (O_3) گیس جس میں آکسیجن کے تین ایٹم آپس میں جڑے ہوتے ہیں' کی تہ زمین سے 15 تا 30 کلو میٹر (10 تا 20 میل) کی بلندی پر بالائے بنفشی شعاعوں کو جذب کر لیتی ہے۔ اور فضا کا نچلا طبقہ' جس میں آبی بخارات ہوتے ہیں' زیر سرخ شعاعوں کو جذب کر لیتا ہے لیکن کچھ زیر سرخ شعاعیں زمین کی طرف آجاتی ہیں۔ ان شعاعوں کا طول موج 1200 تا 40,000 نانو میٹر ہے یعنی بہت زیادہ طول موج کی شعاعیں ہیں۔ تاہم اس اشعاع کی زیادہ مقدار زمین کے اوپر آبی بخارات کاربن ڈائی آکسائڈ اور آکسیجن کے سالمے جذب کر لیتے ہیں۔ بالائے بنفشی شعاعوں کو جن کا طول موج تقریباً 290 نانو میٹر ہے اور زیر سرخ شعاعیں کلی طور پر اوزون جذب کر لیتی ہے جو ہماری فضا میں 20 کلو میٹر یا 40 کلو میٹر کے رینج میں ہے۔ بعید بالائے بنفشی (Far Ultra Violet) شعاعوں سے آگے ایکس ریز ہیں جن کا طول موج 10 نانو میٹر تا 0.01 نانو میٹر ہے۔ اسے بھی انسانی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ (سطح سمندر سے اوزون کی بلندی 7 تا 30 میل (12 تا 50) کلو میٹر ہے۔ چنانچہ "برق مقناطیسی پٹی" مندرجہ ذیل پر مشتمل ہے۔

1۔ ریڈیو لہریں (شعاعیں)

2۔ زیر سرخ شعاعیں

3۔ دکھائی دینے والی روشنی یعنی عام روشنی

4۔ بالائے بنفشی شعاعیں

5۔ ایکس ریز

Marfat.com

6۔ گیماریز

تیسرے نمبر پر عام روشنی تو زمینی زندگی کے لئے اتنی ضروری ہے کہ زندگی اور روشنی لازم و ملزوم ہیں۔ روشنی کی شعاعوں سے اوپر اور نیچے جو شعاعیں ہیں وہ غیر مرئی (Invisible) ہیں' انسانی آنکھ کو نظر نہیں آتیں۔ نہایت خطرناک ہیں اور جب وہ سورج سے زمین کی طرف یا کسی بھی فلکی جسم (ستارے) سے نکل کر زمین کی طرح رخ کرتی ہیں تو آسمان انہیں روک لیتا ہے یا دوسرے لفظوں میں فضا کے بالائی اور نچلے طبقات جذب کر لیتے ہیں۔ (روشنی کے ذرے کو سائنس کی زبان میں فوٹون یا فوٹان (Photon) کہتے ہیں۔ روشنی لہروں کے بنڈل کی صورت میں سفر کرتی ہے چنانچہ فوٹان بعض اوقات بطور "ذرے" کے اور بعض اوقات بطور لہر (Wave) کے عمل کرتا ہے۔ روشنی کو برق مقناطیسی توانائی کے بنڈل بھی کہہ سکتے ہیں)۔ چنانچہ خطرناک شعاعوں کے خلاف آسمان یا فضائی کرہ ہماری حفاظت کرتا ہے۔

(2) مقناطیسی ذرات سے حفاظت

ہمارے سیارے زمین کا بھی مقناطیسی فیلڈ ہے اس کا ثبوت قطب نما کی سوئی ہے جو ہمیشہ شمال کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ زمین کے اندرونی حصے کا مادہ مائع حالت میں ہے۔ اندرونی حصے سے مراد مرکز زمین ہے جس کو کور (Core) یا قلب کہہ سکتے ہیں۔ زمین کا مقناطیسی فیلڈ لوہے۔ نکل کے مائع سے پیدا ہوتا ہے اور یہ فضا میں 38000 میل (60,000 کلو میٹر) کی بلندی تک جاتا ہے اور اس کا رخ قدرے سورج کی طرف ہے۔ زمین کے گرد اس منطقے (Zone) کو کرہ مقناطیس (Magnetosphere) کہتے ہیں۔ سورج کے گرد جو آندھیاں چلتی ہیں وہ درحقیقت شعلوں کی لپٹیں ہیں جنہیں شمسی آندھیاں (Solar Winds) کہتے ہیں۔ یہ آندھیاں برق دار مقناطیسی ذرات چھوڑتی ہیں جو کہ نہایت ہی خطرناک ہیں مگر وہ زمین کے مقناطیسی فیلڈ میں پھنس جاتے ہیں۔ یہ ایک منطقہ یا پٹی (Belt) ہے جو فضا میں ہے اور جس سائنس دان نے اسے دریافت کیا تھا اسی کے نام پر انہیں "وان ایلن بیلٹس" (Van Allen Belts) کہتے ہیں اور یہ مقناطیسی ذرات اسی پٹی میں بڑی تیزی سے گھومتے رہتے ہیں۔ چنانچہ اس طرح بھی آسمان (فضائی

Marfat.com

کرہ) ہماری حفاظت کرتا ہے۔

(3) کائناتی شعاعوں سے حفاظت

کائنات کی ارتقاء سے متعلق تحقیق سے دریافت ہوا ہے کہ کائنات سب سے پہلے سرخ گولے (Red Ball) کی صورت میں تھی جس میں درجہ حرارت اور دباؤ بے پناہ تھے جس کے زیر اثر سرخ گولا عظیم دھماکے سے پھٹا جسے بگ بینگ تھیوری (Big Bang Theory) یا عظیم دھماکے کا نظریہ کہتے ہیں جس کے نتیجہ میں یہ کائنات معرض وجود میں آئی مگر اس کی باقیات میں وہ طاقت ور چھوٹے طول بلد کی کائناتی شعاعیں بھی ہیں جن کا تخلیق کائنات کے وقت درجہ حرارت اربوں درجہ سنٹی گریڈ ہو گا اور خلا میں چاروں طرف بہت ہی طاقتور ایٹم بموں کے پھٹنے کی مانند یہ شعاعیں پھیلی ہوں گی' ٹھنڈی ہوئیں اور موجودہ پھیلتی ہوئی کائنات میں یکساں طور پر موجود ہیں اور چھوٹے طول موج والی ریڈیو لہروں کی صورت میں (تپش مطلق)(Absolute Zero) سے اوپر زمین پر آتی ہیں مگر کرہ فضائی کے بالائی طبقات میں ہوا کے ایٹموں' سالموں سے ٹکرا کر ثانوی کائناتی شعاعوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں جو زیادہ نقصان دہ نہیں ہیں۔ اگر کرہ فضائی موجود نہ ہوتا تو یہ زمین پر حیوانی زندگی کے لئے نقصان دہ ہوتیں۔ یہ برق دار ہیں اور کہکشاؤں میں موجود مقناطیسی میدانوں کی وجہ سے انصراف (جھکاؤ) کا شکار ہو جاتی ہیں اور زمین سے کائنات کی ساخت' اس کی تاریخ اور دیگر خواص کے مطالعہ کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔ یہ شعاعیں الیکٹران اور ایٹموں کے مرکزوں (زیادہ تر ہائیڈروجن ایٹموں کے) پر مشتمل ہیں اور تقریباً روشنی کی رفتار سے زمین سے ٹکراتی ہیں۔ تاہم آسمان (فضائی کرہ) ان کی شدت کو کم کرکے ہماری حفاظت کرتا ہے۔

(4) شہاب ثاقب سے حفاظت

اگر رات کے وقت مطلع صاف ہو' تاروں بھری رات ہو تو عموماً آدھی رات یا اس کے بعد ستارہ ٹوٹتا ہوا نظر آتا ہے جو پہلے خلا میں گرتا ہے پھر زمینی فضا میں داخل ہو کر فضا میں موجود ذرات سے رگڑ کے بعد یا تو فضا ہی میں جل جاتا ہے یا اس کا کچھ حصہ زمین پر گر جاتا ہے اور اپنے پیچھے روشنی کی ایک لکیر چھوڑ جاتا ہے انگریزی میں اسے شہاب

Marfat.com

سٹار (Shooting Star) یا ٹوٹنے والا تارا کہہ سکتے ہیں۔ لفظ (Meteor) کا تکنیکی لحاظ سے معنی ”روشنی کی آسمان میں لکیر“ ہے اگر کوئی ٹوٹا ہوا تارا زمینی فضا میں رگڑ کی وجہ سے اس کی سطح پر بہت زیادہ درجہ حرارت کی وجہ سے تحلیل ہو جائے یا بخارات کی صورت میں تحلیل ہو جائے تو اسے شہابہ (Meteor) اور جو زمینی فضا سے نکل کر زمین پر گر جائے تو اسے شہاب ثاقب کہتے ہیں۔ جب یہ فضا میں سے گذرتے ہیں تو ان کی رفتار 11 تا 72 کلو میٹر فی سیکنڈ ہوتی ہے۔ ان کا وزن یا جسامت خورد یعنی گرد یا ریت کے ذرات کے برابر بھی اور ہزاروں ٹنوں تک ہو سکتی ہے۔ انسانی آنکھ کو یہ 80 تا 120 کلو میٹر کی بلندی پر نظر آنا شروع کر دیتے ہیں مگر یہ ان کی رفتار پر منحصر ہے۔ اگر آپ زمین و آسمان کے افق کی طرف دیکھیں تو دیکھنے والا اوسطاً" ایک گھنٹہ میں تقریباً 5 شہاب ثاقب دیکھے گا۔ مگر اس کا انحصار سال کے مخصوص اوقات پر بھی ہے اور یہ تعداد بڑھ بھی سکتی ہے مثلاً جب زمین کا مدار (Orbit) ان شہابیوں کی رو (Stream) کے مدار کو کاٹتا ہے۔ صبح کے وقت 12 اگست کو شمالی نصف کرہ میں 20 شہاب ثاقب فی گھنٹہ گر سکتے ہیں جن کی رفتار اوسطاً" 60 کلو میٹر فی سیکنڈ ہو سکتی ہے پھر 13 دسمبر کو آدھی رات کے بعد بھی اور ان کی رفتار 36.5 کلو میٹر فی سیکنڈ ہو سکتی ہے پیشتر اس کے کہ فضا ان کی رفتار کم کر دے۔ لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ جب آسمان میں افق کی طرف شہاب ثاقب کا چھڑکاؤ ہوتا ہے تو یہ نظارہ نہایت ہی خوبصورت، دلکش اور دلفریب ہوتا ہے۔ اگرچہ نظارہ بہت خوبصورت ہے لیکن ماضی میں بڑے بڑے شہاب ثاقب زمین پر گرے جنہوں نے بہت زیادہ مالی اور جانی نقصان پہنچایا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ڈائنو سار کی نسل آسمان سے بہت بڑا شہاب ثاقب گرنے سے نیست و نابود ہوئی ہو گی اگرچہ اور بھی عوامل ہو سکتے ہیں مثلاً زمین پر برفانی دور کی وجہ سے مر گئے ہوں۔

1908ء میں روس کے علاقہ سائبیریا میں ایک بہت بڑا شہاب ثاقب گرا جس نے فوری 400 مربع میل علاقے میں آگ لگا دی جس پر جنگلات پھیلے ہوئے تھے اور جب آگ ٹھنڈی ہوئی تو معلوم ہوا کہ مرکز جہاں شہاب ثاقب گرا تھا وہاں سے 80 میل کے فاصلے تک درختوں کے جلے ہوئے ٹنڈ پائے گئے۔ اور جانور اور پرندے بھی جل مر گئے۔ جب یہ شہاب ثاقب گرا تو عینی شاہدوں کا کہنا ہے کہ انہوں نے سمجھا کہ شاید سورج زمین

Marfat.com

پر آگیا ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر کرہ فضائی (آسمان کا حصہ) نہ ہوتا تو ان شہاب ثاقب کے گرنے سے خدا بہتر جانتا ہے کہ کس قدر نقصان ہوتا۔ جب ان شہاب ثاقب کا کیمیائی تجزیہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ زمین پر گرنے والے شہاب ثاقب میں سے بعض تو پتھر تھے بعض لوہے اور نکل کے مرکب تھے اور بعض کلی طور پر "لوہے" تھے۔ یہ شہاب ثاقب نظام شمسی سے تعلق رکھتے ہیں اور کسی سیارے یا دم دار ستارے کے ٹوٹے ہوئے حصے ہو سکتے ہیں۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ براہ راست آسمان سے گرے ہیں اور اس وقت دنیا کے مختلف عجائب گھروں میں رکھے گئے ہیں۔ خانہ کعبہ میں نصب شدہ حجر اسود بھی ایک شہاب ثاقب ہے' لوہے کے آکسائڈ پر مشتمل ہے اور ماضی بعید میں عرب میں گرا ہو گا چونکہ اس پتھر کا رنگ سرخی مائل سیاہ ہوتا ہے یا بالکل سیاہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کے رنگ کی وجہ سے عربی میں اسے "حجر اسود" کہتے ہیں۔ ☆

قرآن اور شہاب ثاقب

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ ہمارے قریب کے آسمان میں ستارے دیکھنے والوں کے لئے زینت بنائے ہیں اور دوسرا کام جو ان سے لیا جاتا ہے وہ شیطانوں کو سنگسار کرنا ہے جب وہ آسمان کی طرف بڑھتے ہیں اور جنات کو بھی جب وہ چوری چھپے آسمان کی باتیں سننے کے لئے اوپر آئیں۔ جیساکہ مندرجہ ذیل آیات سے ظاہر ہے۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِّلشَّيَاطِينِ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ ۝ وَلِلَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝

ترجمہ: "اور ہم نے دنیا کے آسمان کو چراغوں سے زینت دے رکھی ہے (آراستہ کر رکھا ہے) اور ہم نے ان (شہاب ثاقب) کو شیاطین کو سنگسار کرنے کا ذریعہ بھی بنایا ہے

☆ شہاب ثاقب کے موضوع پر مزید تفصیل کے لئے راقم الحروف کی کتاب بہ عنوان "کائنات اور اس کا انجام" کا مطالعہ فرمایئے جو جنگ پبلشرز نے شائع کی ہے

Marfat.com

اور ہم نے ان کے لئے دہکتی آگ کا عذاب بھی تیار کر رکھا ہے۔ جو لوگ اپنے پروردگار سے کفر کرتے ہیں۔ ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔"

(سورۃ الملک 67: آیت 5، 6)

سورۃ الجن 72 میں ارشاد ہوا:

وَّ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّ شُهُبًا ۝ وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝ وَّ اَنَّا لَا نَدْرِيْۤ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝ وَّ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۝

ترجمہ: (جن نے کہا) ہم نے آسمان کی بلندیوں میں جستجو کرنا چاہی (ٹٹولا ہم نے آسمانوں کو) تو ہم نے اسے شدید لہروں اور بھڑکتے شعلوں سے بھرا ہوا پایا۔ اور یہ کہ ہم اس کے ٹھکانوں میں (خبریں) سننے کے لئے بیٹھا کرتے تھے۔ اب اگر کوئی سننا چاہتا ہے تو اپنے لئے ایک شعلہ تاک لگائے ہوئے پاتا ہے۔ ہمیں کوئی علم نہیں ہے کہ زمین والوں کو اللہ تعالیٰ نے نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا ہے یا نہیں ہدایت دینے کا مقصد کیا ہے اور ہم جنوں میں کچھ نیک ہوتے ہیں اور کچھ اور طرح کے۔ (جن نے مزید کہا) غرض ہم بھی مختلف طریقوں پر تھے۔

(سورۃ الجن 72: آیات 8 تا 11)

مندرجہ بالا آیت میں "بھڑکتے شعلوں" اور شعلوں سے مراد شہاب ثاقب ہے۔ مندرجہ ذیل آیت میں تو واضح طور پر شہاب ثاقب کا ذکر آگیا ہے۔ ارشاد ہوا

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِۨالْكَوَاكِبِ ۝ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ

Marfat.com

جَانِبٍ ۝ دُحُورًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝ إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝

ترجمہ: ''ہم نے آسمان دنیا کو ان گنت خوشنما ستاروں سے زینت بخشی۔ اور ان کی ہر شیطان سرکش سے حفاظت کی۔ شیاطین ملاء اعلیٰ (اوپر والے لوگوں) کی باتیں نہیں سن سکتے' ان کی ہر طرف سے ملامت کی مار اور ہانک ہے۔ اور ان کے لئے غیر مختتم (ہمیشہ کا) عذاب ہے اگر کوئی شیطان (ملاء اعلیٰ کے اسرار میں سے) کچھ لے اڑے تو شہاب ثاقب (شعلہ سوزندہ) اسے جلا دیتا ہے''۔

(سورۃ الصافات 37: آیت 6 تا 10)

سورۃ الحجر 15 کی آیت 18 میں شہاب ثاقب کو ''شہاب مبین'' کہا گیا ہے جس کے معنی ہیں ''شعلہ ظاہر'' یا چمکتا ہوا انگارہ ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيمٍ ۝ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُّبِينٌ ۝

ترجمہ: ''انہیں ہر مردود شیطان سے حفاظت میں رکھا ہے۔ کوئی شیطان اس میں داخل نہیں۔ بجز اس کے کہ چوری چھپے کچھ سننے کی کوشش کرے تو ایک شہاب مبین (شعلہ ظاہر) اس کا تعاقب کرتا ہے''

(سورۃ الحجر 15: آیت 17' 18)

شہاب ثاقب کی برسات

دم دار ستارے کے زمین کے قریب سے گزرنے کے باعث شہاب ثاقب گرتے ہیں جو درحقیقت اسی دم دار ستارے سے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے ہوتے ہیں جو زمینی فضا میں سے گذرتے وقت ستاروں کی مانند روشن ہو جاتے ہیں۔ جب یہ برسات کی طرح گرتے ہیں تو یہ قدرتی نظارہ بڑا مسحور کن اور دیدنی ہوتا ہے۔ چنانچہ 17 نومبر کی شام اور 18 نومبر 1998ء کے دن کو دم دار ستارے کے زمین کے قریب سے گذرنے کے باعث شہاب ثاقب کی بارش دیکھی گئی۔ پاکستان میں لوگوں میں بڑا جوش و خروش دیکھا گیا اور پورے

Marfat.com

ملک میں لوگوں نے اس قدرتی نظارے کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے رت جگا کیا- واضح رہے کہ کرہ ارض پر شہاب ثاقب گرنے کا یہ واقعہ 33 برس بعد پیش آیا اور ان کے گرنے سے زمین پر کسی قسم کا نقصان نہ ہوا- پاکستان میں شہاب ثاقب گرنے کا عمل 17 نومبر اور 18 نومبر کی درمیانی رات سے منگل کی صبح 6 بجے تک دیکھا گیا اور لوگوں نے ستاروں کی برسات کا نظارہ کیا- اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے آسمان نے لوگوں کی حفاظت کی-

سات آسمان اور زمین بھی اتنی ہی (انہی کی طرح)

مندرجہ ذیل آیات پر غور فرمائیں

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ

ترجمہ: "اللہ ہی ہے جس نے سات آسمان تخلیق کئے اور زمین بھی اتنی ہی" (انہی کی طرح)

(سورۃ الطلاق 65: آیت 12)

الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ

ترجمہ: "وہ ہے جس نے سات آسمان تہ بہ تہ بنائے"

(سورۃ الملک 67: آیت 3)

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۙ

ترجمہ: "کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح سات آسمان تہ بہ تہ پیدا کئے"

(سورۃ نوح 71: آیت 15)

قرآن حکیم ہدایت کی کتاب ہے- ہدایت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے- اس لئے پہلے تو اللہ تعالیٰ کے بارے میں انسان کو معلوم ہونا چاہیے مگر انسان کے لئے ہدایت ہے اس لئے انسان کے متعلق بھی پتہ چلنا چاہیے کہ وہ کیا ہے پھر چونکہ انسان نے اس کائنات میں زندگی بسر کرنا ہے اس لئے کائنات کا علم بھی ہونا چاہیے کہ وہ کیا ہے- چنانچہ قرآن پاک کے خاص مضامین اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات' کائنات اور انسان

Marfat.com

ہیں۔ علم کائنات سے متعلق جو آیات ہیں وہ اپنے اندر اس علم کے بارے میں ایک بحر بے کنار سموئے ہوئے ہیں اور اس میں ایسے ایسے عجائب کا انکشاف ہو رہا ہے کہ ایک سمجھ دار انسان کا اللہ تعالیٰ پر یقین پختہ ہو جاتا ہے۔ کائنات اتنی وسیع و عریض ہے جسے دیکھ کر ہی انسان کو اللہ تعالیٰ کی موجودگی اور اس کی قدرت کا اقرار کرلینا چاہیے بہت سارے مفسرین کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمان اور زمینیں بھی سات پیدا کیں

سورۃ الطلاق میں ''سات آسمانوں اور اتنی ہی تعداد میں زمینوں کا ذکر ہے اور سائنسی نقطہ نگاہ سے جو لفظ ہماری توجہ کا متقاضی ہے وہ ہے طباقا" جس کے معنی ہیں ''تہہ در تہہ'' اسی طرح سات آسمان اور سات زمینوں کا ذکر بھی بڑی دلچسپی کا حامل ہے کیونکہ علم فلکیات اپنی تمام تر پیش رفت، تحقیق و جستجو کے باوجود اس پر کوئی روشنی نہیں ڈالتا۔ گذشتہ 30 سالوں میں خلائی سفر اور خلائی سائنس نے بھی خاصی پیش رفت کی ہے مگر اس کی توضیح کرنے سے قاصر ہے۔ عام قاری جب آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتا ہے تو اسے سات آسمان نظر نہیں آتے اور عین ممکن ہے اس کے ذہن میں شک و شبہات پیدا ہوں کہ سات آسمان اور سات زمینیں کہاں ہیں؟ حالانکہ قرآن کی سورۃ نوح 71 آیت 15 میں شروع میں فرمایا گیا ہے کہ ''کیا تم نے نہیں دیکھا یا کیا تم نہیں دیکھتے ہو'' یعنی تم ان کو دیکھتے بھی ہو اور پھر بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے انکاری ہو۔

اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں لوگ آسمان، سورج، چاند اور ستاروں کی پرستش کیا کرتے تھے اس کا مطلب ہے کہ وہ آسمان کی طرف دیکھتے رہتے تھے۔ ان قوموں میں اہل میزوپوٹامیہ، اہل بابل، مصری اور یونانی بھی شامل تھے لیکن میزوپوٹامیہ، بابل اور عرب میں بھی ایسے لوگ تھے جو ''کاہن'' کہلاتے تھے آپ ان کو جوتشی کہہ سکتے ہیں اور وہ آسمان میں سیاروں اور ستاروں کی حرکات و سکنات سے پیش گوئیاں کیا کرتے تھے اور لوگوں کی قسمت کا حال بھی بتایا کرتے تھے اور خصوصاً نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں یہودیوں اور عیسائیوں میں بھی کچھ لوگ ''کاہن'' ہوا کرتے تھے جو اسلام کی طرف مائل نہیں ہوتے تھے اور اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرنے کی بجائے غیر اللہ کی پرستش کرتے تھے۔ چنانچہ قرآن حکیم ایسے لوگوں کو خطاب کرتا ہے کہ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمان اور اتنی ہی زمینیں تہہ بہ تہہ بنائے ہیں اور پھر بھی تم اللہ تعالیٰ

کی قدرت کا اقرار نہیں کرتے ہو سورۃ الطلاق 65 آیت 15 کا مکمل ترجمہ ملاحظہ فرمائیے

ترجمہ: ''اللہ ہی ہے جس نے سات آسمان تخلیق کئے اور زمین بھی اتنی ہی ان میں اس کے احکام کا نزول ہوتا رہتا ہے تاکہ تم جانو کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیائے کائنات پر قادر ہے اور اس کا علم بے پایاں تمام اشیائے (ماکان و مایکون) پر محیط ہے''۔

مذکورہ آیت میں لفظ ''سبع'' کے معنی ''سات'' کے ہیں۔ قرآن حکیم کا ایک منفرد اسلوب بیان ہے اور وہ بعض حقائق کو تمثیل کے طور پر بھی ارشاد فرماتا ہے۔ یہاں ''سبع'' کا لفظ درحقیقت ایک تعداد کو ظاہر کرتا ہے اور زمین و آسمان کی تعداد سات سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے ''سات'' کے لفظ کو تمثیلی مان لیں تو پھر ایسے ہی ہے جیسے آپ کسی کو کوئی بات سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں اور آپ کے بار بار سمجھانے کے باوجود وہ نہیں سمجھتا اور وہ بھول جاتا ہے کہ اسے کیا بتایا گیا تھا اور آپ سے پھر وہی بات پوچھتا ہے تو آپ تلخی سے یا ناراضگی سے اسے کہتے ہیں کہ میں نے آپ کو دس بار یہ بات بتائی ہے مگر آپ سمجھتے نہیں ہیں یا آپ کی سمجھ میں نہیں آتی۔ عربوں میں بھی تکیہ کلام تھا کہ وہ تین بار یا سات بار کا اکثر استعمال کرتے تھے۔ اور قرآن عرب قوم کو ان کے طرز کلام میں خطاب کرتا ہے۔

''سات'' کا لفظ آنے کی ایک اور وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ جو جوتشی یا کاہن تھے وہ اپنے حساب کتاب کو 5 یا 7 سیاروں کی گردش سے ہی منسلک کرتے تھے لیکن قرآن حکیم چونکہ صداقت کلی کا مظہر ہے اور حقیقت بھی واضح کر دی کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمان اور سات زمینیں تخلیق کی۔ اب ہمارے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ وہ کہاں ہیں؟ اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لئے ہم نظام شمسی کا مطالعہ اور سروے کرتے ہیں۔ نظام شمسی میں سورج کے علاوہ 9 سیارے (عطارد' زہرہ' مریخ' مشتری' زحل' یورینس' نیپچون' پلوٹو) ہیں' ان سیاروں کے مجموعی چاند یا قمر 32 ہیں' 30 ہزار کے قریب صغیر سیارے یا سیارچے' ایک لاکھ کے قریب کومٹ (دم دار ستارے) ان گنت خاکی ذرات' گیسوں کے سالموں کے علاوہ عناصر کے آزاد ایٹم (خصوصاً ہائیڈروجن) کے موجود ہیں۔ علاوہ ازیں ہیلیم کے فری ایٹم بھی ہو سکتے ہیں۔

ہماری زمین کی بنیادی ترکیب پہاڑوں' وادیوں چٹانوں مٹی اور پانی پر مشتمل ہے

Marfat.com

چنانچہ اسی ترکیب سے ملتی جلتی 5 زمینیں ہمارے نظام شمسی میں موجود ہیں وہ کیسے؟ سب سے پہلی ہماری زمین ہے (کثافت 5.52 گرام فی مکعب سینٹی میٹر ہے)- اس کے علاوہ زمین کی مانند عطارد (کثافت 5.44 گرام فی مکعب سنٹی میٹر' زہرہ (کثافت 5.25 گرام فی مکعب سنٹی میٹر)' مریخ (کثافت 3.95 گرام فی مکعب سنٹی میٹر ہے- اس کے علاوہ زمین کا ذیلی سیارہ چاند بھی زمین ہی کی مانند ہے اور اس کی کثافت 3.36 گرام فی مکعب سنٹی میٹر ہے- چنانچہ اگر چاند کو بھی شامل کرلیا جائے تو تعداد ہوئی پانچ زمینیں- اب ان سیاروں کے قمر (چاند) بھی ہیں- جو اپنے اپنے سیاروں کے گرد گھومتے ہیں جس طرح چاند ہماری زمین کے گرد محو گردش ہے- چنانچہ مشتری کے قمر 14' زحل کے قمر 10' یورینس کے قمر 5' نیپچون کے 2 اور پلوٹو کے 1 ہیں- خلائی کھوجیوں کی اطلاع کے مطابق سیارہ زحل کا سب سے بڑا قمر ٹائی ٹن یا ٹیٹن (Titan) ہے جو چٹانوں اور برف پر مشتمل ہے اور زمین کی مانند ہے علاوہ ازیں سیارہ مشتری کا چاند یوروپا (Europa) ہے جو زمین کی مانند معلوم ہوتا ہے- باقی قمروں کے بارے میں معلومات ناکافی ہیں چنانچہ اب اگر ان زمینوں کی گنتی کریں تو وہ ہیں عطارد' زہرہ' زمین' مریخ' چاند' ٹائی ٹن اور یوروپا جو کہ تعداد میں سات ہیں اگرچہ ان کی تعداد زیادہ بھی ہو سکتی ہے-

اب آسمان زمین کے علاوہ باقی حصہ ہے- جب ہم ستاروں کو دیکھتے ہیں تو ہم زمین سے ہوا کی تہہ میں سے دیکھتے ہیں جس کی بلندی تقریباً 1000 کلو میٹر ہے اس کے بعد جو چیز خالی ہے اسے ہم خلا (Space) کہتے ہیں- جس میں ستارے ایک دوسرے سے نوری سالوں کے فاصلوں پر بکھرے ہوئے ہیں- جن سات ٹھوس فلکی اجسام کا ذکر کیا ہے وہ زمینیں ہیں اور ہر ایک زمین کا اپنا آسمان ہے اگر ہم زمین پر کھڑے ہو کر دیکھیں تو ہمارے سروں پر ایک آسمان نظر آتا ہے اگر ہم عطارد پر چلے جائیں تو وہاں بھی ایک آسمان نظر آئے گا اور اگر چاند پر چلے جائیں تو وہاں بھی ایک آسمان نظر آئے گا مگر ایک بات یاد رہے کہ آسمان کا رنگ نیلا یا سرخ (جس کے بارے میں آپ صفحہ 250 پر مطالعہ فرما چکے ہیں) اسی صورت میں نظر آئے گا اگر وہاں ہماری زمین کی مانند فضا ہو گی کیونکہ آسمان کا رنگ سورج کی مخصوص شعاعوں کے انتشار کا باعث ہے لہذا ممکن ہے کہ باقی زمینوں پر فضا کے غائب ہونے کی وجہ سے آسمان محض تاریک یا سیاہ نظر آئے چنانچہ ایک خلا کے

اوپر دوسرا خلا اور دوسرے کے بعد تیسرا خلا یا ایک فلکی جسم کے اوپر دوسرا فلکی جسم اور دوسرے فلکی جسم کے اوپر تیسرا فلکی جسم طباقا" موجود ہیں بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تہوں (Layers) میں ہیں- ایک اور بات قارئین کی خدمت میں عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ صرف ہماری زمین ہے جس پر ہر قسم کی زندگی اور اس کی رونقیں موجود ہیں- باقی کسی بھی نظام شمسی کے زمینی سیارے پر زندگی کے آثار نہیں ہیں- ہماری زمین پر جو زندگی ہے اسے کاربنی زندگی (Carbon Life) کہتے ہیں عین ممکن ہے کہ دوسرے سیاروں پر دوسری قسم کی زندگی ہو مثلاً سلیکان زندگی' (Silicon Life)' جس کی ہم بالکل شناخت نہیں کر سکتے-

اب نظام شمسی سے آگے چلیں یعنی کہکشاں کی طرف جو ہماری زمین سے 100,000 نوری سال کے فاصلہ پر ہے- اس کہکشاں کا مرکزی حصہ ایک محدب عدسے کی شکل کا ہے یا قرص کی شکل کا ہے اور اس کے بیرونی بازو چکر دار (Spiral) ہیں اور ہمارا سورج اس کے ایک بازو پر ہے یعنی ہمارا سورج کہکشاں (Galaxy) کا ایک حصہ ہے- اس کے مرکز کا ابھار تقریباً 10,000 نوری سال کے فاصلے کے برابر ہے' قرص کی موٹائی 5000 نوری سال ہے اور ہمارا سورج اس کہکشاں کے مرکز سے 30000 نوری سال کے فاصلہ پر ہے (ایک نوری سال 6×10^{12} میل) یا 60 کھرب میل ہے- ساری کہکشاں خلا میں چکر لگا رہی ہے اور ہمارے سورج کو اپنے سیاروں کے خاندان کے ساتھ کہکشاں کے مرکز کے گرد ایک چکر کاٹنے کے لئے 25 کروڑ سال درکار ہیں- اس میں ایک ہزار کے قریب مجمع النجوم یا ستاروں کی منڈلیاں ہیں اور ہر منڈلی میں 10 تا 1000 ستارے موجود ہیں مگر ان کا ارتکاز (Concentration) کہکشاں کے چکر دار بازوؤں میں ہے- ستاروں کے محض ایک حصے میں 500 کے قریب کروی جھرمٹ ہیں- کہکشاں کے قرص یا ٹکیہ کے اردگرد جسے انگریزی میں ہالو (Halo) کہتے ہیں 125 کروی جھرمٹ میں جس میں دس ہزار تا دس لاکھ کے قریب ستارے ہیں-

ہماری کہکشاں میں 100,000,000,000 (ایک کھرب) کے قریب ستارے ہیں ہو سکتا ہے اس سے زیادہ ہی ہوں- ہمارا سورج ان میں سے ایک ہے- جب ہم آسمان کی طرف دیکھتے ہیں خواہ ہم شمالی نصف کرہ یا جنوبی نصف قطر میں دیکھیں ہمیں بغیر کسی

Marfat.com

دوربین کے 3000 ستارے نظر آتے ہیں۔ زمین کے قریب ترین ستارے کو الفا سینچوری (Alpha Centauri) کہتے ہیں۔ اگر اس سے روشنی 186000 میل (300000 کلومیٹر) کی رفتار سے سفر کرے تو زمین پر 4.5 نوری سالوں میں پہنچے گی۔ کہکشاں (گلیکسی) اتنی وسیع و عریض ہے کہ اگر ایک شعاع روشنی کی رفتار سے سفر کرے تو وہ زمین پر 100,000 نوری سالوں میں پہنچے گی۔ ہماری برہنہ آنکھ آسمان پر جو ستارے دیکھ سکتی ہے وہ 1000 نوری سال کے فاصلے پر ہیں۔ یہ ہے محض کائنات کے ایک حصے کی مختصر تصویر جس سے آپ کائنات کی بے پناہ وسعت کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔

انسان ابھی صرف چاند پر قدم رکھ سکا ہے اور خلائی کھوجیوں (Space Probes) اور مشینی روبوٹ کے ذریعے دوسرے سیاروں مثلاً زہرہ یا مریخ پر کمندیں ڈال رہا ہے۔ آج کل امریکہ کا ادارہ ناسا (Nasa) مریخ پر تحقیق کر رہا ہے۔ نظام شمسی سے باہر نکلنا ابھی تقریباً تقریباً ناممکن نظر آتا ہے ہو سکتا ہے آنے والی صدیوں میں وہ نظام شمسی سے باہر نکل جائے۔ ہو سکتا ہے کئی نظام شمسی انسان کے منتظر ہوں، کئی آسمان ہوں اور کئی زمینیں ہوں۔ مذکورہ آیت کریمہ پر دوبارہ غور فرمائیں تو سات آسمانوں اور سات زمینوں میں پروردگار کا حکم بھی نزول ہوتا رہتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ان احکامات کی پیروی کے لئے کوئی مخلوق بھی ہو گی۔ انسان تو ہوا اور پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اگر انسان، یا انسان جیسی مخلوق آباد ہے تو اسے ہوا اور پانی کی ضرورت ہو گی جو اللہ تعالیٰ نے مہیا کئے ہوں گے۔ تاہم قرآن حکیم ہمیں روحانی درس بھی دیتا ہے۔ آسمان جو ہمیں نظر آ رہے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو تہوں میں ترتیب دیا گیا ہے۔ ہماری جس حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ فضائے بسیط میں کس قدر ہم آہنگی، نظم اور حسن ہے اور حیرت انگیز بھی۔ فلکی اجسام کس قدر حرکت کے قوانین کی باقاعدگی سے پیروی کرتے ہیں چنانچہ بہت وسیع و عریض خلاؤں میں نظر آنے والی دنیا کی اس مثال سے ہمیں ان دنیاؤں کے بارے میں سوچنا چاہیے جو ہم سے پوشیدہ ہیں جنہیں دیکھنے کے لئے ہمارے پاس خاص روحانی نظر ہونی چاہیے۔

بعض مسلم دانشور آسمان کو اور زمین کو سات سات افقی طور پر "ہم مرکز" تہوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ آسمان کو تقسیم کرتے وقت کہکشاں کو مرکز میں ایک تہہ تصور کرتے

Marfat.com

ہوئے کہکشاں سے دور حصوں کو چھ تہوں میں تقسیم کرتے ہیں اور اسی طرح زمین کو ہم مرکز سات تہوں میں تقسیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سات زمینیں ہیں۔ ارضیات کی رو سے زمین کو تین واضح تہوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ زمین کی بالائی تہہ جسے قشرارض (Earths' Crust) کہتے ہیں درمیانی مینٹل (Mantle) اور اندرونی قلب (Core) کہلاتی ہے۔ اور پھر یہ تہیں ہیں زمینیں نہیں ہیں چنانچہ راقم الحروف ان کے اس استدلال سے اتفاق نہیں رکھتا۔ قصہ مختصر کائنات میں سات نظام شمسی ہیں جن میں سات زمینیں بھی ہوں گی۔ آخر میں مولانا ظفر علی خان کے ایک شعر پر اس موضوع کو ختم کرتا ہوں۔

؎ نظام اپنا لئے پھرتا ہے کیا خورشید نور افشاں
ہزاروں ایسی دنیاؤں میں شامل ہے نظام اس کا

☆ ○ ☆

Marfat.com

بارہواں باب

قرآن اور علم موسمیات و بحریات

قرآن حکیم نے اپنے منفرد اور معجزانہ اسلوب بیان سے جہاں علم فلکیات، طبیعیات، حیوانات، نباتات، ارضیات کو اجاگر کیا ہے وہاں علم موسمیات Meteorology کا بھی کئی آیات میں ذکر کیا ہے۔ علم موسمیات کا تعلق زمین پر ہواؤں کی تقسیم، بادلوں کی ساخت، طوفان باد و باراں کے علاوہ ایسے مظاہر مثلاً بادلوں میں چمک، کڑک اور صاعقہ (گرنے والی بجلی)، ژالہ باری اور ایسی شدید ہواؤں کا ذکر ہے جنھوں نے قوم عاد کو جڑ سے اکھاڑ دیا تھا۔ اس کتاب کی ضخامت کو مدنظر رکھتے ہوئے چند آیات کا ذکر ہو گا۔ مثلاً سورۃ النور 24 کی آیت 43 اور 44 کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِىْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ؕ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ۝ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِى الْاَبْصَارِ ۝

ترجمہ: ''کیا تو نے دیکھا نہیں کہ اللہ بادلوں کو ہانک لاتا ہے پھر ان کو ملا دیتا ہے پھر ان کو تہ بہ تہ رکھتا ہے پھر تو ان کے بیچ میں سے مینہ نکلتا دیکھتا ہے۔ اور آسمان سے اولوں کے جو پہاڑ اس میں ہیں وہ اتارتا ہے پھر جس پر چاہے انہیں ڈالتا ہے اور جس سے چاہے ہٹا دیتا ہے اس کی بجلی کی چمک گویا ابھی آنکھوں کو لے جانے کی۔ اللہ رات اور دن کو بدلتا ہے اس میں آنکھوں والوں (اہل دانش) کے لیے دھیان کرنے کا مقام ہے

Marfat.com

(استدلال کا موقع ہے) (سورۃ النور 24: آیت 43، 44)

اللہ عزوجل کی قدرت کی نشانیاں دنیا بھر میں بھری پڑی ہیں۔ اس آیت میں ایک نہایت ہی واضح نشانی کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے ہر ایک نے مینہ برستا دیکھا ہو گا کبھی یہ خیال بھی کیا کہ اس کے لیے کیا کیا سامان کیے جاتے ہیں۔ بادلوں کو ہر طرف سے گھیر گھار کر اکٹھا کیا جاتا ہے، پھر ان کو باہم ملایا جاتا ہے پھر ان کو تہ بہ تہ ایک دوسرے پر جمایا جاتا ہے یعنی بادل سمٹ کر ایک جگہ جمع ہوتے ہیں پھر باہم مل جاتے ہیں یہاں تک کہ گہری گھٹا بن جاتی ہے پھر بوندیں پڑنی شروع ہوتی ہیں اس کے بعد موسلا دھار مینہ برسنا شروع ہو جاتا ہے۔ پہاڑ کی طرح دل دار بادلوں میں جب ٹھنڈ بڑھ جائے تو پانی جم کر اولوں کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے اور جس جگہ پر کثرت سے گریں تو وہاں ان سے نقصان بھی پہنچ جاتا ہے، بہت سی جگہیں اولوں سے یا ان کی زد (نقصان) سے بچ بھی جاتی ہیں۔ اولے والے بادلوں میں بجلی بھی تیزی سے کوندتی ہے اور اس کی چمک سے آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں یہاں تک کہ بینائی جاتے رہنے کے قریب ہو جاتی ہے۔ ہر شخص اس نظارے سے بھی واقف ہے۔ اللہ عزوجل کی قدرت کی ایک صاف نشانی دن اور رات کا پھرتے رہنا بھی ہے اور اہل بصیرت ہیں یا جن کے دل کی آنکھیں روشن ہیں ان کے لیے موقع ہے کہ ان نشانیوں پر غور کریں۔ غور کریں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ عزوجل کے سوا اور کوئی یہ سب کچھ نہیں کر سکتا۔

بادل و باراں (CLOUDS AND RAIN)

پانی کے بخارات جو فضا کے بالائی حصہ میں تیرے ہوئے نظر آتے ہیں، بادل کہلاتے ہیں۔ آج سائنس کے طالب علم جانتے ہیں کہ بارش اس پانی سے آتی ہے جو سورج کی تمازت سے سمندروں اور جھیلوں سے بخارات میں تبدیل ہو گیا ہوتا ہے۔ جب یہ بخارات فضا کے بالائی سرد حصے سے (یا منطقے) سے ٹکراتے ہیں تو عمل تکثیف (Condensation) کی وجہ سے بادلوں (Clouds) میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اگر اس بادل کا واسطہ ایسی ہوا سے ہو جس کا درجہ حرارت وہی ہو جو بادلوں کا ہے تو پھر یہ بادل پانی کو روکے یا تھامے رکھیں گے اور اگر یہ بادل کسی گرم ہوا سے مل جائے تو اس میں موجود

Marfat.com

مکثف شدہ پانی پھر بخارات میں دوبارہ تبدیل ہو جاتا ہے' منتشر ہو جاتا ہے اور آسمان یا مطلع صاف ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں عام آدمی جو اس مظہر قدرت کو نہیں سمجھتا کہتا ہے کہ بادل تو آئے تھے لیکن بارش نہیں ہوئی۔ ہوائیں عموماً اوپر کی طرف اٹھتی ہیں اور یہ ہوائیں ہی ہیں جو بادلوں کو اٹھائے پھرتی ہیں یا بادلوں کو ہانک کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی ہیں۔ بادل ایک ایسا جسم (Body) ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی مرضی و منشا سے بارش برسانے کی خدمت پر معمور ہے۔ چنانچہ اگر یہ بادل سرد ہواؤں سے مل جائے تو اس میں موجود پانی یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ پھر یہ پانی میں تبدیل ہو کر زمین پر بارش کی صورت میں برسے گا۔ اگر یہی بارش زمین کی طرف آتی ہوئی یخ بستہ ہوا سے مل جائے تو یہ زمین پر پہنچنے سے پہلے برف (Snow) میں تبدیل ہو جائے گی اور بعض اوقات برف کی قلمیں یا اولے (ژالے) پڑیں گے یا بارش اور اولے دونوں اکٹھے زمین پر پڑیں گے جو درحقیقت پانی کے بخارات کی تکثیف پر منحصر ہے۔

بعض بادلوں کے ٹکڑے ہوا کی لہروں کے ساتھ' جو عموماً عموداً چڑھتی ہیں' جسامت میں بڑھتے ہیں یا اکٹھے ہو جاتے ہیں ان کو تہ بہ تہ بادل کہتے ہیں یا بارشی بادل (Cumulo - Nimbus) کہتے ہیں۔ آسمان میں یہ بادل پہاڑوں کی مانند نظر آتے ہیں جیسا کہ آیت مذکورہ میں بیان کیا گیا ہے جب یہ بادل بڑے ہو جاتے ہیں یعنی پانی سے سیر شدہ ہو جاتے ہیں تو ان میں تین طبقات پیدا ہو جاتے ہیں۔ سب سے نچلے طبقے میں پانی کے قطرات بڑھ رہے ہوتے ہیں اس کے بعد درمیانی طبقہ ہوتا ہے جس میں پانی کے قطرات پر سرد (Super Cooled) ہوتے ہیں اور اوپر والی تہ میں برف کی قلمیں ہوتی ہیں۔ جب فضائی حالات بادلوں کی چوٹیوں میں برف کی قلموں کی افزائش کے لیے موزوں ہوتے ہیں تو یہ قلمیں بادلوں کے درمیانی طبقے میں گرتی ہیں اور بارش کی پھوار شروع ہو جاتی ہے' اور ان قلموں کے سپر کولڈ (پر سرد) پانی کے قطرات سے تصادم کے نتیجے میں عمل تکثیف کی سرگرمی بہت بڑھ جاتی ہے اور اس کے نتیجے مین کچھ قلمیں مل کر اولوں کی صورت میں زمین پر گرتی ہیں۔ زمین پر اولوں کے پڑنے کو کبھی اچھا نہیں سمجھا جاتا چونکہ یہ جہاں گرتے ہیں وہاں نقصان کرتے ہیں فصلوں کو' پھل دار درختوں کو' بور کو خاصا نقصان پہنچ جاتا ہے اور جہاں اولے نہیں پڑتے وہاں یہ محفوظ رہتے ہیں۔ جب بادلوں

Marfat.com

سے اولے پڑیں تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ بادل کلی طور پر اوپر کی طرف بڑا ہو گیا ہے اور اتنا اونچا کہ پہاڑ دکھائی دیتا ہے اور یہی بات یا عمل خالق مطلق کے بیان کی توضیح کرتی ہے۔

بارش بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جس سے مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے یعنی چاروں طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے مگر اگر یہی بارش بہت زیادہ ہو تو زمین والوں کے لیے زحمت بن جاتی ہے اور بعض اوقات طوفان نوح! تیز بارش اسی صورت ہوتی ہے جب اوپر اٹھنے والی ہوا کی رویں (Currents) کمزور ہوتی ہیں یا جہاں نیچے گرنے والی ہوا کی رویں پیدا ہو جائیں۔ بارش کے چھوٹے قطرات بے حرکت ہوا میں آہستہ آہستہ گرتے ہیں جب کہ بڑے قطرات کی رفتار آٹھ میٹر فی سیکنڈ ہو جاتی ہے' عموماً بارش کے قطرات کی رفتار ان اعداد سے آگے نہیں بڑھتی۔ اس حقیقت کی وجہ سے کہ بارش کے بڑے قطرات' جن کا قطر 0.27 سنٹی میٹر سے زیادہ ہوتا ہے وہ ایک دوسرے کے ساتھ چپکے نہیں رہ سکتے لہٰذا وہ فوری طور پر چھوٹے قطرات میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے دل بادل (Cumulus) یا بارشی بادل کے نچلے طبقے کو پانی کے قطرات کی افزائش کی بنیاد کہتے ہیں چنانچہ جب بہت زیادہ پانی کے قطرات دل بادل کی بنیاد میں اکٹھے ہو جائیں تو اس بنیاد کا رنگ گہرا سیاہ ہو جاتا ہے چونکہ اس میں روشنی کی بہت بڑی مقدار جذب ہو جاتی ہے ہم اسے اردو میں کالی گھٹا یا کالے بادلوں سے منسوب کرتے ہیں اور یہ بہت زیادہ بارش کا ذریعہ ہوتے ہیں۔

بادلوں میں چمک' کڑک (رعد) اور صاعقہ

تودہ ابر یا بارشی بادلوں میں نہ صرف بارش ہوتی ہے بلکہ اس میں اولوں کے علاوہ چمک' کڑک اور گرنے والی بجلی (صاعقہ) بھی ہوتی ہے اور یہ مظاہر قدرت مخصوص حالات میں پیدا ہوتے ہیں۔ حالیہ سائنسی تجربات سے معلوم ہوا ہے کہ جب بادلوں میں برف کی قلمیں بڑی ہوتی ہیں یا پگھلتی ہیں تو ان میں برف پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ جب بادل ایک دوسرے کے ساتھ رگڑ کھاتے ہیں تو ان میں برق زیادہ پیدا ہو جاتی ہے۔ ہواؤں کے بادلوں سے ٹکراؤ کے نتیجہ میں بھی برق پیدا ہو جاتی ہے عموماً بادلوں کے نچلے

Marfat.com

حصہ میں منفی برق 0.5- درجہ سنٹی گریڈ پر پیدا ہو جاتی ہے۔ نچلے حصہ کا مطلب ہے کہ وہ بادلوں کے پینیدے میں آجاتی ہے اور مثبت برق بادل کے اونچے حصے میں رہتی ہے۔ مخصوص حالات کے تحت برق (بجلی) پیدا ہوتی ہے اور اس برق کا اخراج ایک ہی بادل کے منفی یا مثبت حصوں میں یا دو بادل کے مابین یا بار دار بادلوں اور زمین کے درمیان ہوتا ہے۔ یہ برقی اخراج خوفناک برقی چمک پیدا کرتا ہے۔ یہ چمک برقی شعلے ہوتے ہیں اس کو انگریزی میں لائٹننگ (Lightning) کہتے ہیں۔ جب یہ برق بادلوں میں زیادہ ہو جاتی ہے تو یہ چمک محض بادلوں کے اندر ہی رہتی ہے اور اگر یہ چمک یا برق بادلوں کے اندر نہ رہ سکے (یا بادل ایسی برق یا بجلی نہ روک سکے) تو بجلی زمین پر گرتی ہے اور کڑک بھی پیدا کرتی ہے۔ گرنے والی بجلی کو صاعقہ کہتے ہیں۔ کڑک کو انگریزی میں (Loud Clap) کہتے ہیں اور کسی درخت، انسان یا کسی بلند شے پر گرے تو اسے جلا کر خاک میں تبدیل کر دیتی ہے۔ گرنے والی بجلی کو تھنڈر بولٹ کہتے ہیں (Thunder - Bolt) کہتے ہیں۔ کبھی کبھار یہ بجلی زمین پر دھات یا ریت کو پگھلا دیتی ہے جس سے ایک سخت چیز پیدا ہو جاتی ہے پرانے زمانے کے لوگ سمجھتے تھے کہ یہ آسمان سے کسی ناراض دیوتا نے سر پھینکا ہے تاہم اب یہ لفظ کسی اچانک یا غیر معمولی واقعہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

بادلوں میں منفی دس درجہ سنٹی گریڈ پر بجلی کی 1000 ملین منفی اکائیاں پیدا ہو سکتی ہیں جو کہ 11 منٹ تک برقرار رہ سکتی ہیں۔ مذکورہ آیت میں ارشاد ہوتا ہے "اس کی بجلی کی چمک گویا ابھی آنکھوں کو لے جائے گی" یا بعض اوقات انہیں یوں لگتا ہے کہ عنقریب برق درخشندہ ان کی آنکھوں کو چکا چوند کر دے گی یہ جان کر بڑی حیرانی ہوتی ہے کہ طوفان رعد و برق (Thunder - storms) کے خطرے سے جو لوگ سب سے زیادہ دوچار ہوتے ہیں وہ ہوائی جہاز کے پائلٹ ہیں جہاں 40 چمکیں فی منٹ کسی پائلٹ کی نظر کو ختم کرنے میں کافی ہوتی ہیں اور وہ جہاز کو چلانے کے قابل نہیں رہتا۔

رعد و برق کا ذکر قرآن حکیم کی کئی آیات میں آیا ہے:

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌ بِالْكٰفِرِيْنَ ○

Marfat.com

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ○

ترجمہ: "یا ان کی مثال ایسی ہے جیسے زور سے مینہ پڑ رہا ہو آسمان سے' اس میں اندھیرے ہیں اور گرج اور بجلی۔ دیتے ہیں انگلیاں اپنے کانوں میں مارے کڑک کے موت کے ڈر سے اور اللہ احاطہ کرنے والا ہے کافروں کا۔ قریب ہے کہ بجلی ان کی آنکھیں اچک لے جب چمکتی ہے ان پر تو چلنے لگتے ہیں اس کی روشنی میں اور جب اندھیرا ہوتا ہے تو کھڑے رہ جاتے ہیں اور اگر چاہے اللہ تو لے جائے ان کے کان اور آنکھیں بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے"

(سورۃ البقرہ 2: آیت 19' 20)

دوسرا ترجمہ: "یا پھر ان کی مثال باران سماوی کی سی ہے جس میں (گھٹا ٹوپ) اندھیرے' بادلوں کی گھن گرج اور بجلی کی (چکا چوند کرنے والی) چمک ہے اور یہ (اہل کفرو طغیاں) اس میں مارے دہشت کے (کہ کہیں مرنہ جائیں) کڑک کے ڈر سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونسے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ (کی ہیبت) ان کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

(عجب نہیں کہ) برق ان کی بصیرت ہی اچک لے۔ جب (برق کی) روشنی ہوتی ہے تو وہ تھوڑا سا چل لیتے ہیں۔ جب تاریکی چھا جاتی ہے تو پھر رک جاتے ہیں۔ اگر منشاء الٰہی ہوتی تو انہیں سمع و بصر کی صلاحیتوں سے محروم کر دیا جاتا بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے پر قدرت کاملہ رکھتا ہے۔

وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ

ترجمہ: "اور وہ بجلیاں بھیجتا ہے پھر جس پر چاہے انہیں گرا دیتا ہے"

(سورۃ الرعد 13: آیت 13

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ ○

ترجمہ: "پھر اگر (دلائل توحید سن کر بھی) یہ لوگ (توحید سے) اعراض کریں تو آپ

Marfat.com

کہہ دیجئے کہ میں تم کو ایسی آفت سے ڈراتا ہوں جیسی عاد و ثمود پر (شرک و کفر کی بدولت) آفت آئی تھی"

(سورۃ حم السجدہ41: آیت 13)

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے صاعقہ برقی اخراج کا نتیجہ ہے جو بہت اونچائی پر بادلوں اور زمین کے درمیان ہوتی ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے ہوائی جہاز کے پائلٹوں کے علاوہ زمین پر درخت خاص طور پر شاہ بلوط کے درخت (Oak) اور پاپلر (Poplar) زیادہ کڑک و صاعقہ کا شکار ہوتے ہیں اور اسی طرح سمندروں میں جہاز بھی زمین پر گرنے والی بجلی سے بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں اور اگر کسی شخص کو صاعقہ سے نقصان پہنچ جائے تو اسے ایک گھنٹہ تک مصنوعی سانس دلایا جائے تاکہ وہ زندگی کی طرف دوبارہ لوٹ آئے۔

بادلوں کی برق فضائی طبقات میں اچانک اور شدید حرارت پیدا کرتی ہے جہاں یہ پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح یہ طبقات اچانک پھیلتے ہیں جس سے کڑک یا گرج (Thunder) پیدا ہوتی ہے۔ قرآن حکیم نے اس کڑک یا گرج کا نہایت ہی خوبصورتی سے ذکر کیا ہے اور طوفان بادو باراں کا اس سے بہتر کوئی بیان نہیں ہو سکتا۔ ارشاد ہوا:

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ يُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ۝

ترجمہ: "وہ ایسا ہے کہ تم کو بجلی دکھاتا ہے جس سے ڈر بھی ہوتا ہے اور امید بھی ہوتی ہے اور وہ بادلوں کو (بھی) بلند کرتا ہے جو (پانی) سے بھرے ہوتے ہیں اور فرشتہ رعد اس کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتا ہے اور (دوسرے) فرشتے (بھی) اس کے خوف سے اور وہ بجلیاں (دھماکہ خیز کڑکتی بجلیاں) بھیجتا ہے پھر جس پر چاہے گرا دیتا ہے

اور وہ لوگ اللہ کے باب میں جھگڑتے ہیں، حالانکہ وہ بڑا شدید القوت ہے"

(سورۃ الرعد 13: آیت 12، 13)

اللہ عزوجل نفع اور نقصان دونوں پہنچا سکتا ہے۔ تم بجلی کو چمکتے ہوئے دیکھتے ہو۔ تمہارے دل اس سے دہشت بھی کھاتے ہیں اور بڑے بڑے فائدے پہنچنے کی امید بھی رکھتے ہیں۔ اللہ اس کے ساتھ بھاری بھاری موسلادھار مینہ والے بادل آسمان پر اٹھاتا ہے۔ کڑک کی آواز سنتے ہو۔ یہ فرشتہ ہے جو اللہ کی خوبیاں بیان کرتا ہے۔ باقی فرشتے سہم کر اللہ کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ کڑک کے ساتھ کبھی بجلی بھی اللہ جس پر چاہے گرا دیتا ہے باوجود ان کھلم کھلا نشانیوں کے لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں اور رسولوں کا کہنا نہیں مانتے۔ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کی پکڑ سخت ہے۔

ہواؤں کی تقسیم یا تبدیلی

ہواؤں کی تقسیم یا تبدیلی میں بھی سائنسی حقیقت پنہاں ہے۔ ملاحظہ فرمائیے مندرجہ ذیل آیات

وَتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

ترجمہ: "اور ہواؤں کی تبدیلی (تقسیم یا پھیلانے) میں نشانیاں ہیں ان کے لیے جو عقلمند ہیں"

(سورۃ الجاثیہ 45: آیت 4)

ہواؤں کی تقسیم (Distribution) کے ضمن میں جس کا مذکورہ آیت مبارکہ میں ذکر ہے اسی طرح دوسری آیات میں بھی ذکر ہے مثلاً سورۃ البقرہ 2 کی آیت 164 میں درج ہے۔

وَّتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

ترجمہ: "اور ہواؤں کے بدلنے میں اور بادل میں جو زمین و آسمان میں مقید (اور معلق) رہتا ہے دلائل ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سلیم رکھتے ہیں"

(سورۃ البقرہ 2: آیت 164)

فضا کے طبقات

یہ مضمون جس کا تعلق ہواؤں کی گردش سے ہے علم موسمیات (Meteorology) کا اہم موضوع ہے۔ اس علم کے مطابق ان ہواؤں کی عام گردش کا تعلق فضا کی مختلف تہوں سے ہے جن کا مطالعہ ابھی تک مکمل نہیں ہوا بلکہ تحقیق جاری ہے۔ جو کچھ معلوم ہو چکا ہے اس کو بیان کرنے کے لیے کافی صفحات کی ضرورت ہے تاہم قارئین کی دل چسپی کو مد نظر رکھتے ہوئے نتائج کا خلاصہ بیان کر دیتے ہیں جن سے مندرجہ بالا آیات کریمہ کی اہمیت اور فضیلت کا علم ہوتا ہے۔

اس وقت ہم خلائی دور میں رہ رہے ہیں۔ اس دور سے کچھ عرصہ پہلے ہمارا زیادہ تر علم فضا کے بالائی طبقات کے متعلق ہوا وہ صرف فضا کے نچلے طبقہ کے مطالعہ سے حاصل ہوتا تھا جسے کرہ اول یا کرہ متغیرہ (Troposphere) کہا جاتا ہے۔ یہ مطالعہ غباروں اور ہوائی جہازوں کے ذریعے کیا گیا جو بمشکل سطح زمین سے تقریباً 30 میل کی بلندی تک پرواز کر سکے۔ اس کے بعد فضا کی دوسری تہ اوزون گیس پر مشتمل ہے جسے کرہ اوزون (Ozonosphere) کہا جاتا ہے اور اس کا مطالعہ ایک آلے طیف پیما (Spectro -meter) سے کیا جاتا ہے۔ کرہ اوزون' کرہ (Stratosphere) قائمہ کا نچلا حصہ ہے آج کل فضا کی تہوں کا مطالعہ راکٹوں کے ذریعے ہوتا ہے۔ کرہ قائمہ کے بعد ایک تہ روان شدہ تہ (Ionised Layer) آتی ہے جہاں پر آکسیجن اپنی صورت میں ہوتی ہے اور اس کے مطالعہ کے لیے روان پیما (Ionometer) استعمال کیا جاتا ہے جو عملی طور پر الیکٹرانوں کے ارتکاز کے درجہ یا حد کو بتاتا ہے جو اس کرہ روان (Ionosphere) کے اندر مختلف اونچائیوں پر ہوتا ہے۔ یہ تہیں وائرلیس لہروں کو زمین کی طرف منعکس کرتی ہیں جو کسی نشریاتی اسٹیشن سے نشر کی جاتی ہیں اور پھر وصول کرنے والے مرکزوں کو واپس بھیجی جاتی ہیں اب سائنس دان "شمالی روشنی" کے طیف (Spectrum) کا بھی تجزیہ کرنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ یہ مظہر فضا کے بالائی طبقہ میں پیدا ہوتا ہے جس کی اونچائی کی وسعت 100 تا 1000 کلو میٹر تک ہے۔ اس مظہر کو طلوع فجر' نور کا تڑکا یا سویرا (Aurora) کہتے ہیں۔ یونانی دیو مالائی کہانیوں میں اسے صبح کی دیوی کہا جاتا ہے۔ اس مظہر

Marfat.com

کو زمین کے دونوں قطبین کے نزدیک دیکھا جا سکتا ہے۔

فضا کا نچلا طبقہ (Troposphere) یا تہ خط استوا سے اوپر تقریباً 18 کلو میٹر کی بلندی تک پھیلا ہوا ہے۔ لیکن دونوں قطبین سے اوپر یہ صرف 8 کلو میٹر کے فاصلہ پر ہے۔ موسم میں ہر قسم کی (ممکنہ) تبدیلیاں اسی تہ میں ہوتی ہیں مثلاً بادل بنتے ہیں' بارش ہوتی ہے اور گولے آتے ہیں اور اس کے طبعی خواص میں اہم بات یہ ہے کہ جوں جوں ہم اوپر جاتے ہیں تو درجہ حرارت بھی کم ہوتا جاتا ہے اوسطاً ہر ہزار میٹر پر درجہ حرارت میں کمی 6.5 سنٹی گریڈ ہے۔ اس تہ میں حرارت کا منبع زمین کی سطح ہے جو شمسی شعاعوں سے حاصل کرتی ہے۔ ایک محتاط اندازہ کے مطابق شمسی شعاعوں کا 30 فی صد استوائی سطحات سے پانی کو بخارات میں تبدیل کرنے میں صرف ہو جاتا ہے اور یہ حرارت پانی کے بخارات میں مخفی یا پوشیدہ ہوتی ہے جو فضا میں موجود ہوتے ہیں۔ یہ مخفی حرارت کرہ اول میں خارج ہو جاتی ہے جب آبی بخارات بادلوں اور بارش میں تبدیل ہوتے ہیں۔ کرہ اوزون کی تہ میں درجہ حرارت سورج کی بالا بنفشی شعاعوں کو جذب کرنے سے بڑھ جاتا ہے (اوزون گیس آکسیجن کے تین ایٹموں سے مل کر بنی ہے) اور 50 کلو میٹر کی بلندی تک درجہ حرارت زیادہ سے زیادہ ہو جاتا ہے۔

کرہ قائمہ (Stratosphere) کے بالائی حصے کو درمیانی کرہ (Mesosphere) کہتے ہیں۔ اس تہ میں آکسیجن کے لیے زیادہ مقدار میں کثافت (Density) نہیں ہوتی یا دوسرے لفظوں میں یہ تہ آکسیجن کو مناسب کثافت مہیا نہیں کرتی تاکہ یہ اوزون گیس بنا سکے لہٰذا جب ہم اونچائی کی طرف جاتے ہیں تو درجہ حرارت میں گراوٹ ہو جاتی ہے اور یہ زمینی فضا میں 80 کلو میٹر کی بلندی تک بہت کم رہ جاتا ہے۔ بالائی فضا میں ایٹمی آکسیجن سورج سے آنے والی بالا بنفشی شعاعوں (Ultraviolet Rays) کو جذب کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے اور اس طرح ان تہوں میں ہی حرارت اور تپش آجاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ فضا کے بالائی طبقات کو کرہ تپش (Thermosphere) کہتے ہیں جس میں ہوا کی کثافت اس درجہ تک کم ہو جاتی ہے کہ یہ شہاب ثاقب کی تابانی کو روکتی ہے اگرچہ طلوع فجر کی روشنی ہوتی ہے۔ فضا کے اس حصے کو خارجی فضا (Exposphere) کہتے ہیں۔ اس تہ یا خطے کی بالائی فضا میں کوئی مقررہ حد نہیں ہے لیکن ہم یقین سے کہہ سکتے

ہیں کہ یہ وہاں ختم ہو جاتی ہے جہاں پر ہوا کی کثافت کائناتی خلا کی کثافت شروع ہو جاتی ہے۔

ہواؤں کی گردش

موسمیاتی آپریشن جو زمینی سطح کے وسیع علاقے پر کئی سالوں تک کئے گئے نے نشان دہی کی ہے کہ ہوائیں اپنے راہ سفر میں ایسے قوانین کی پیروی کرتی ہیں جو اس کو ایک مخصوص طریقہ سے زمین کی ساری سطح پر تقسیم کرنے کے قابل بناتے ہیں۔ انہی اصولوں کے تحت ہواؤں کی عام گردش ہے۔ زمین پر ہواؤں کی حرکت ہوا کے دباؤ اور کثافت میں تفریق کی وجہ سے ہے جو ایک جگہ سے دوسری جگہ رونما ہوتا ہے اور یہ بالکل فطری بات ہے کہ زمین پر ہواؤں کی تقسیم اور ہوا کے دباؤ (Pressure) میں تعلق ضرور موجود ہے اور دباؤ (اخر الذکر) درجہ حرارت کی تقسیم پر انحصار کرتا ہے جو بنیادی طور پر زمین پر ہوا کی کثافت (Density) بتاتا ہے۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ زیادہ سے زیادہ درجہ حرارت (اور کم کثافتیں اور دباؤ) استوائی علاقوں (Eouatorial Areas) میں ہوتا ہے اور کم سے کم درجہ حرارت (اور زیادہ کثافتیں اور دباؤ) سرد علاقوں میں پائے جاتے ہیں خاص طور پر براعظموں کے درمیانی علاقوں میں اور دونوں قطبین کے اردگرد ہوائیں مساوی دباؤ کے خطوط (Isobars) کے ساتھ قدرے ترچھا (Obliquely) چلتی ہیں یعنی زیادہ دباؤ والے علاقوں سے کم دباؤ والے علاقوں کی طرف مندرجہ ذیل اصولوں کے تحت چلتی ہیں۔

شمالی کرہ نصف میں ہوائیں مساوی دباؤ کے خطوط کے اردگرد کم دباؤ والے مراکز کی طرف چلتی ہیں جو ان کے بائیں طرف ہوتے ہیں اور زیادہ دباؤ والے مراکز ان کے دائیں طرف ہوتے ہیں جنوبی کرہ نصف میں اس کے برعکس چلتی ہیں۔ اس لحاظ سے ہواؤں کی عام گردش میں اہم نقاط مندرجہ ذیل ہیں۔

الف۔ خط استوا کے گرد کم دباؤ والے علاقے ہیں اور اس کے بڑے مرکز کو ڈولڈرمز (Doldrums) کہتے ہیں اور یہ خط استوا کے شمال کی طرف ہے لیکن اس کا پھیلاؤ سورج کے مقام کے لحاظ سے جنوب یا شمال کی طرف ہے۔

Marfat.com

ب۔ ہوائیں کم دباؤ والے علاقوں کی طرف چلتی ہیں اور پھر اپنے راستے کا رخ خط استوا کے قریب علاقہ کی طرف جو کم دباؤ والا علاقہ ہوتا ہے، مغرب کی طرف مڑ جاتی ہیں اور شمال مشرقی ہواؤں کو شمالی نصف کرہ میں لے آتی ہیں اور جنوب مشرقی ہواؤں کو جنوبی نصف کرہ میں۔ ان ہواؤں کو عام طور پر تجارتی ہوائیں کہا جاتا ہے۔

ج۔ دونوں قطبین کی طرف چلنے والی ہوائیں مشرق کی طرف مڑتی ہیں اور اس طرح وہ شمالی کرہ نصف میں جنوب مغربی سمت اختیار کرتی ہیں جب کہ جنوبی کرہ نصف میں یہ ہوائیں بہت زور دار ہوتی ہیں اور شمال مغربی سمت اختیار کرتی ہیں اور ہوا کا دباؤ ان علاقوں میں کم ہو جاتا ہے جہاں پر مغرب سے آنے والی ہوائیں چلتی ہیں جس کے نتیجہ میں کبھی کبھار مقامی آندھیاں آتی ہیں اور وہ سفری کم دباؤ والے (Travelling Depressions) ہوائی طبقات اور موسمی اضطراب کا باعث بنتی ہیں۔ کم دباؤ والے یہ سفری ہوائی طبقات فوری یکے بعد دیگرے تسلسل کے ساتھ چلتے ہیں اور مقابلتاً" عام ہوائی دباؤ کی تقسیم میں کمی پیدا کر دیتے ہیں ان علاقوں میں جہاں غربی (مغربی) ہوائیں چلتی ہیں جب کہ قطبین کے اوپر سرد موسم کی وجہ سے ہوا کا دباؤ اونچا رہتا ہے۔

د۔ دونوں قطبین میں سے ہر ایک قطب زیادہ دباؤ والا علاقہ معلوم ہوتا ہے جہاں سے عموماً مشرقی ہوائیں اس سمت میں چلتی ہیں جہاں غربی ہوائیں چلتی ہیں۔

جو کچھ اوپر کہا گیا ہے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تجارتی ہوائیں (Trade Winds) عموماً مشرقی ہوائیں ہیں جو بڑے زور سے سمندروں کے اوپر چلتی ہیں۔ یہ زیادہ قیام پذیر ہوائیں ہیں جو زمین پر چلتی ہیں۔ یہ شمسی توانائی کو جو زمین پر پہنچی ہے تقسیم کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں مگر ان کا سامنا بعض ایسے ہوائی اضطرابوں سے واسطہ پڑتا ہے جو لہروں کی صورت میں ہوتے ہیں اور خط سرطان اور خط جدی یا منطقہ حارہ کے ہوائی طوفان (بگولے) پیدا کرتے ہیں جنھوں نے زمانوں سے سمندر پر جہازوں کے لیے خطرہ پیدا کیا اور لاکھوں ملاحوں کو خوف زدہ کیا ہے۔ تاہم ان تجارتی ہواؤں کا زور براعظموں کے اندر ٹوٹ جاتا ہے اور ہوا خشک ہو جاتی ہے چنانچہ صحراء اعظم اور ریگستان عرب ان علاقوں میں واقع ہیں جن کے اوپر عموماً تجارتی ہوائیں چلتی ہیں۔ مغرب سے چلنے والی ہوائیں اس کے برعکس، قیام پذیر نہیں ہیں اور ان کی طاقت اور سمت (رخ)

Marfat.com

موسم کے مقامی حالات کے مطابق بدلتی رہتی ہے۔ اس طرح وہ یا تو جنوب مشرقی' جنوبی' جنوب مغربی یا مغربی ہو جاتی ہیں اور براعظم اوقیانوس میں مغرب سے چلنے والی ہوائیں اپنے ساتھ گرم آب سمندر کو (Horse Latitude) کے علاقوں سے مغربی یورپ کے ساحل کی طرف لے جاتی ہیں یعنی 80 درجے شمالی عرض بلند تک۔ جیسا کہ یہ ہوائیں مقابلتاً گرم علاقوں سے ٹھنڈے علاقوں کی طرف چلتی ہیں وہ بارش لاتی ہیں چوں کہ ہوا کا سرد ہو جانا آبی بخارات کی تکثیف کا باعث بنتا ہے۔ یہ بخارات اس ہوا میں موجود ہوتے ہیں اور ان کی پانی کے قطرات میں تبدیلی' بادل اور بارش کا ذریعہ بنتی ہے۔ مغربی یا غربی ہوائیں سردیوں میں بھی بحیرہ روم کے علاقوں میں موسم سرما کی بارشیں برساتی ہیں۔

تجارتی ہواؤں کے برعکس بحرہند اور بحیرہ عرب کے اوپر سے مون سون (Monsoon) ہوائیں گزرتی ہیں جو جنوب مغربی موسمی ہوائیں ہیں اور موسم گرما میں چلتی ہیں۔ یہ جنوبی نصف کرۃ (خط استوا کے جنوب کی طرف) بطور جنوب مشرقی ہوائیں ہیں۔ جو جنوب۔ مغرب کی طرف مڑ جاتی ہیں۔ خط استوا کو عبور کرنے کے بعد اپنا سفر ہندوستان' پاکستان اور سوڈان کی طرف جاری رکھتی ہیں جو کہ موسم گرما میں کم دباؤ والے خطے مشہور ہیں۔

سائنسی نقطہ نگاہ سے جب ہوا کا دباؤ کم ہو جاتا ہے تو ایسے کم دباؤ والے طبقے کو انگریزی میں ٹریولنگ ڈیپریشن (Travelling Depression) کہتے ہیں جو ہمارے علاقوں میں موسمی خلل' زور دار آندھیوں' باد بگولوں اور سمندری طوفان کا باعث بنتے ہیں۔ ان کو متحرک یا سفری کم دباؤ والے طبقات اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ایک جگہ ساکن نہیں رہتے بلکہ شمالی نصف کرہ میں مغرب سے مشرق کی طرف چلتے ہیں اور یہ ہوا کے ڈیپریشن فضا کا حصہ ہیں۔ جہاں تک ان کی چوڑائی اور گہرائی کا تعلق ہے' ان کے قطر 300 تا 3000 ہیں۔ کلو میٹر تک اور گہرائی یعنی دباؤ میں کمی 1000 ملی بار (ایک ملی بار 3/4 ملی میٹر آف مرکری) ہوتی ہے۔ ان کے پیدا ہونے کی کئی وجوہات بتائی گئی ہیں تاہم ہواؤں کی گردش کے مضمون کو مختصر کرتے ہوئے منطقہ حارہ کے ایک فرنٹ (ہوائی) کو خماسین ڈیپریشن (Khamaseen Depression) کہتے ہیں وہ موسم بہار میں بنتے ہیں۔ اس فرنٹ کے جنوب کی ہوا بہت گرم اور جھلسا دینے والی ہوتی ہے اور اسے عموماً عربی میں

Marfat.com

سموم (Simoom) یا خماسین کہتے ہیں (اردو میں باد سموم ایسی ہوا ہے جسے "لو" کہا جاتا ہے یعنی سخت گرم ہوا) اس کی تند و تیزی کی وجہ سے گرد و غبار آنکھوں، کانوں، ناک اور گلے میں گھس جاتا ہے اور ان ہواؤں سے اڑانے والی خاک شمال میں بالٹک (Baltic) تک چلی جاتی ہے۔ ان ہواؤں کے چلنے کے دوران درجہ حرارت 48 درجہ سنٹی گریڈ تک پہنچ جاتا ہے بلکہ شمالی افریقہ میں سایہ میں زیادہ بھی ہو سکتا ہے جب کہ اضافی مرطوبیت (Relative Humidity) صرف 2 فی صد ہوتی ہے اور یہ وہ حد ہے جو کلی قحط (خشک سالی) لاتی ہے اور پودوں اور جنگلی جانوروں کی تباہی لاتی ہے خاص طور پر اگر وہ زیادہ سے زیادہ پھیلاؤ حاصل کر لیں یا ان کا عرصہ دراز ہو جائے اور ان کی شدت میں مزید اضافہ ہو جائے۔ عرب علاقوں میں گرم آندھیوں کے طویل دنوں کو حسومت "Husumat" کہتے ہیں، جو مشرق وسطی میں خماسین عرصہ (Khamaseen Period) میں چلتی ہیں اور قرآن حکیم ان معجزانہ ہواؤں کی قرآن حکیم وضاحت فرماتا ہے یعنی ان ہواؤں کے بارے میں جنہوں نے قوم عاد کو نیست و نابود کر دیا تھا۔ مشرق وسطی میں گرم ہوائیں ریگستانوں کے درمیان سے آتی ہیں۔ چنانچہ ان میں بارش نہیں ہوتی مگر ساحلوں پر تھوڑی بہت بوندا باندی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ قوم عاد (Ad) کو اس گرم ہوا نے نیست و نمود کر دیا تھا جیسا کہ سورۃ الحاقہ کی مندرجہ ذیل آیات سے واضح ہوتا ہے ارشاد ہوا:

كَذَّبَتْ ثَمُودُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ ○ فَأَمَّا ثَمُودُ فَأُهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ ○ وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ○ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ○

ترجمہ: "ثمود اور عاد نے اس کھڑکھڑانے والی چیز (یعنی قیامت) کی تکذیب کی سو ثمود تو ایک زور کی آواز (کڑک) سے ہلاک کر دیئے گئے اور عاد جو تھے سو وہ ایک تیز و تند ہوا سے ہلاک کیے گئے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے ان پر سات رات آٹھ دن متواتر مسلط کر دیا تھا۔ سو (اے مخاطب) اگر تو (اس وقت وہاں موجود ہوتا) اس قوم کو اس طرح گرا ہوا دیکھتا

Marfat.com

کہ گویا وہ گری ہوئی کھجوروں کے تنے (پڑے) ہیں۔

(سورۃ الحاقہ 69: آیت 4 تا 7)

قوم عاد اور ثمود (Ad and Thamud) یہ اقوام سابقہ قدیمہ ہیں۔ ان میں سے ایک قوم کا نام عاد تھا۔ یہ قوم عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوحؑ کی اولاد تھی۔ ان کی آبادیاں عمان سے حضرموت اور یمن تک پھیلی ہوئی تھیں۔ قوم نوح کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ طاقتور اور متمدن قوم بنایا تھا۔ اس قوم کے بادشاہ بڑی قوت و سطوت کے مالک تھے مگر بت پرست تھے اور اپنی قوم سے بھی بتوں کی پرستش کرواتے تھے۔ خداوند قدوس نے ان کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو اللہ تعالیٰ کے احسانات یاد دلا دلا کر بہت کچھ وعظ و نصیحت کی۔ مگر انہوں نے ایک نہ سنی۔ آخر کار سنت الہیہ کے مطابق ان پر ایک تیز و تند آندھی کا عذاب نازل ہوا۔ اور یہ تباہ و برباد ہو گئے۔ کچھ لوگ جو ان میں سے ایمان لے آئے وہ بچ گئے اور ان کی اولاد عاد ثانیہ کے نام سے موسوم ہوئی۔ یہی عاد ثانیہ ثمود ہیں جو حضرت صالح علیہ السلام کی نافرمانی پر معذب ہوئے۔ تاریخ میں یہ عرب بائدہ کہلاتے ہیں کیوں کہ یہ سب ہلاک ہو چکے ہیں۔

ثمود بھی عرب بائدہ (وہ قدیم عرب قوم) ہے جو مٹ چکی ہے۔ ان میں سے ایک قوم کا نام ثمود (Thamud) تھا جو عرب کے اس حصہ میں آباد تھی جو حجاز و شام کے درمیان وادی القریٰ تک چلا گیا ہے۔ اسی مقام کو دوسری جگہ الحجر کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ یہ ثمود بن عامر بن سام بن نوح کی اولاد تھے۔ بزرگ قبیلہ کے نام پر ان کا نام ثمود مشہور ہوا۔ چوں کہ ان کے علاقہ میں پانی کم تھا اس لیے ثمود کے نام سے موسوم ہوئے کیوں کہ ثمد کے معنی مال قلیل کے ہیں۔ عربی زبان میں ایک لفظ "تامید" ہے جس کے معنی خالد (ہمیشہ رہنے والا) ہیں۔ عربی کی ث اور عبری کی ت ایک ہی چیز ہے لہذا یہ ثمود اسی تامید کا معرب ہے۔ یہ قوم عاد اولیٰ کے بعد برسر اقتدار آئی۔ یہ بھی قوم عاد کی طرح فن تعمیر، سنگتراشی و نقاشی میں مہارت رکھتی تھی۔ میدانوں میں سر بفلک محل بنا لیے تھے اور پہاڑوں کو تراش تراش کر خوب صورت اور محفوظ مکانات بناتے تھے۔ یہ قوم بت پرست تھی۔ حضرت صالح علیہ السلام ان کی رہنمائی کے لیے مبعوث ہوئے۔

انہوں نے ان سے معجزہ کا مطالبہ کیا خداوند تعالیٰ نے پہاڑوں میں سے ایک عجیب و غریب اونٹنی نکال کھڑی کی۔ مگر ان ظالموں نے حضرت صالح علیہ السلام کی تصدیق کی بجائے اس اونٹنی کی ہی کونچیں کاٹ ڈالیں اور حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کی سازش کی۔ آخر ہولناک آواز' جس کے ساتھ زلزلہ بھی تھا' کی صورت میں ان پر عذاب نازل ہوا اور یہ قوم تباہ و برباد ہو گئی۔

طوفان باد و باراں یا سمندری طوفان

یہ طوفان بھی ہواؤں کی گردش ہی کی بدولت ہیں۔ جہاں تک سرطانی یا منطقہ حارہ (Tropical) کے طوفانوں کا تعلق ہے وہ خط استوا کے قریب یا چلتی ہوئی تجارتی ہواؤں کے اندر پیدا ہوتے ہیں اور یہ متحرک ڈیپرشن (Travelling Depression) کے برعکس مشرق سے مغرب کی طرف سفر کرتے ہیں' جو مغربی یعنی متحرک ڈیپرشن والی ہواؤں کے علاقہ میں پیدا ہوتے ہیں۔ یہ طوفان عموماً ویسٹ انڈیز' خلیج میکسیکو' عرب اور چین کے سمندر' جزائر فلپائن' جاپان' بحر ہند' خلیج بنگال' بنگلہ دیش' مشرقی مڈغاسکر' بحرالکاہل اور آسٹریلیا کے مشرق میں پیدا ہوتے ہیں۔ آسٹریلیا کے گردباد کو ولی ولی (Willy-Willy) کہا جاتا ہے۔ چین اور جاپان میں ان کو گردباد یا طوفان (Typhoons) اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ان کو طوفان باد و باراں (Hurricanes) کہتے ہیں۔

7 نومبر 1998ء کو وسطی امریکہ کے ملک

نکاراگوآ (Nicara-gua) میں ایک زبردست سمندری طوفان باد و باراں (Hurricane) آیا جس سے سی این این ٹیلی ویژن کی اطلاع کے مطابق تقریباً دس ہزار افراد لقمہ اجل ہو گئے اور جو لوگ سب سے زیادہ متاثر ہوئے وہ کسان (Peasants) تھے۔ تقریباً 30 لاکھ لوگ متاثر ہوئے۔ سڑکیں اور پل تنکوں کی طرح بہہ گئے۔ اسی ماہ وسطی امریکہ کے ایک اور ملک ہنڈوراس (Honduras) میں بھی سمندری طوفان آیا جس نے بے پناہ تباہی مچائی۔ اس سمندری طوفان کو طوفان مچ (Hurrican Mitch) لکھا گیا ہے۔ یہ سمندری طوفان نہایت ہی تباہ کن ہوتے ہیں جو سمندر کے ساحلی ملکوں میں آتے رہتے ہیں اور ان کی آندھی کی رفتار 60 میل فی گھنٹہ (100 کلومیٹر فی گھنٹہ) سے زائد ہوتی ہے اور جو چیز

Marfat.com

ان کے راستے میں آتی ہے اسے تہس نہس کر دیتے ہیں۔ ان طوفانوں سے اندھیرا بھی چھا جاتا ہے۔ تیز و تند آندھی کے ساتھ بارش، بادلوں کی کڑک، چمک کے ساتھ ہی موسم میں اچانک تبدیلی ہو جاتی ہے۔ ان سمندری طوفانوں کی یہ خاص نشانیاں ہیں۔

قرآن حکیم ان طوفان بادوبار کا نہایت ٹھیک ٹھیک اور فصاحت و بلاغت سے مختصر بیان فرماتا ہے جب وہ سمندروں میں جہازوں کی تباہی کا باعث بنتے ہیں جیسا کہ سورۃ نور 24 کی آیت 40 میں ارشاد ہوتا ہے۔

أَوْ كَظُلُمَٰتٍ فِى بَحْرٍ لُّجِّىٍّ يَغْشَىٰهُ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِۦ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِۦ سَحَابٌ ۚ ظُلُمَٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَآ أَخْرَجَ يَدَهُۥ لَمْ يَكَدْ يَرَىٰهَا ۗ وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ ٱللَّهُ لَهُۥ نُورًا فَمَا لَهُۥ مِن نُّورٍ ۝

ترجمہ: ”یا وہ (کافرین) ایسے ہیں جیسے بڑے گہرے سمندر میں اندرونی اندھیرے کہ اس کو ایک بڑی لہر نے ڈھانک لیا ہو۔ اس (لہر) کے اوپر دوسری لہر اس کے اوپر بادل (ب غرض) اوپر تلے بہت سے اندھیرے (ہی اندھیرے) ہیں کہ اگر (کوئی ایسی حالت میں) اپنا ہاتھ نکالے (اور دیکھنا چاہے) تو دیکھنے کا احتمال بھی نہیں اور جس کو اللہ ہی نور (ہدایت) نہ دے اس کو (کہیں سے بھی) نور نہیں میسر ہو سکتا“

(سورۃ النور 24: آیت 40)

اس آیت مبارکہ کا سائنسی پہلو جو معجزیت کا حامل ہے وہ یہ ہے کہ طوفان سمندروں میں مختلف اونچائیوں، جسامتوں اور خواص کی لہریں پیدا کرتا ہے اور ہر لہر ایک دوسرے کے پیچھے آتی ہے بادلوں کی تاریکی کے نیچے جو آسمان میں معلق ہوتے ہیں۔ آج کل جدید آلات کے ذریعہ ان لہروں (Waves) کے مطالعہ سے طوفان کے مرکز کا علم ہو جاتا ہے۔ طوفانوں کے ذکر سے مجھے حضرت علامہ اقبالؒ کا ایک شعر یاد آ گیا ہے جو آپ کی نذر ہے۔

Marfat.com

؎ جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

جو بات قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے ان سمندروں میں کبھی سفر نہیں کیا تھا تا کہ وہ ان کی صحیح دلیل پیش کرتے لیکن مذکورہ آیت نے جس خوبصورتی سے طوفان کی منظر کشی کی ہے وہ اس بات کا ٹھوس ثبوت ہے کہ یہ آیت وحی کی صورت میں قادر مطلق کی طرف سے حضور نبی ﷺ پر نازل ہوئی۔

اس آیت میں ارشاد ہے کہ جو کافر اچھے اور برے کام میں فرق نہیں کرتے دنیا کے مزے میں پھنسے رہتے ہیں ان کی حالت بڑی ہولناک ہے۔ ان پر تہ بہ تہ اندھیرے چھائے ہوئے ہیں جیسے گہرا سمندر جس میں ایک تو پانی کی گہرائی کا اندھیرا' پھر موجوں کے طوفان کا اندھیرا جو ایک پر ایک چڑھی چلی آتی ہیں پھر اس موجوں کے تلاطم کے اندھیرے پر بادل کی تہیں چھائی ہوئیں ہیں پھر رات کا وقت غرض اندھیرے پر اندھیرا ہر طرف سے چھایا ہوا ہے ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا۔ کوئی شخص اپنا ہاتھ اٹھا کر آنکھوں کے سامنے لائے تو اسے اندھیرے میں دکھائی نہ دے کہ ہاتھ کہاں ہے غرض اسے کہیں سے روشنی کی ذرا سی بھی جھلک نہیں ملتی۔ سچ ہے روشنی کا منبع تو اللہ عزوجل ہے جو اس کی طرف سے غافل ہو گیا اس کے پاس روشنی کا کیا کام جب تک آدمی کا دل اللہ پر ایمان نہ لائے اور اللہ اسے روشن نہ کرے اسے روشنی نصیب نہیں ہو سکتی۔

اگرچہ مذکورہ آیت میں جو بات کہی گئی ہے ایک مثال کے طور پر کہی گئی ہے مگر سمندری طوفان کا نقشہ اتنا خوبصورتی سے کھینچا گیا ہے کہ اور کوئی نہیں کھینچ سکتا۔

یہ بات بھی نوٹ کی گئی ہے کہ سمندری طوفان کے علاقے عموماً سمندروں کے مغربی حصوں میں مرکوز ہیں اور مشرقی حصوں میں نہیں اور عموماً سمندروں سے پیدا ہوتے ہیں اور پھر چلتے ہوئے شدت اختیار کر لیتے ہیں حتیٰ کہ وہ خشک زمین پر پہنچتے ہیں جہاں ان کی شدت میں کمی آجاتی ہے اور وہ چھوٹی لہروں میں تبدیل ہو کر ختم ہو جاتے ہیں۔ دباؤ میں تفریق کی وجہ سے ہوائیں ان طوفانوں کے گرد ایک حیران کن رفتار پر گھومتی ہیں جیسا کہ باد بگولوں (Depressions) کے گرد۔ ان سمندری طوفانوں کا زیر اثر علاقہ اکثر

Marfat.com

80 کلو میٹر سے شروع ہوتا ہے اور 500 کلو میٹر سے اوپر بڑھ جاتا ہے۔ ان طوفانوں کے مرکز میں سکوت ہوتا ہے، آسمان صاف ہو جاتا ہے اور اس محدود رقبے میں بارشیں برسنا بند ہو جاتی ہیں جسے طوفان کی آنکھ (چشم طوفان) (Eye of the Hurricans) کہتے ہیں اور اس کے ایریا کا قطر زیادہ سے زیادہ 35 کلو میٹر سے زائد نہیں ہوتا۔ ان طوفانوں کی ایک اہم خاصیت یہ ہے کہ یہ چند گھنٹوں میں کئی سو ملی میٹر بارش برسا دیتے ہیں۔ اس تکاثف (Condensation) کے نتیجے میں جو حرارت نکلتی ہے وہ ان طوفانوں کو متحرک کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

سمندری طوفانوں کی ایک قسم وہ ہے جسے سخت آندھی اور طوفان (Tornado) کہتے ہیں۔ یہ ایک طاقتور اور چھوٹی جسامت کا طوفان ہوتا ہے جس کے پھیلاؤ کا قطر زیادہ سے زیادہ آدھ کلو میٹر ہوتا ہے اس کے باوجود یہ بہت تباہ کن ہوتا ہے کم دباؤ کی وجہ سے جو یہ پیدا کرتا ہے اور بعض اوقات ہوا کی گردش اس کے گرد 500 کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار پکڑ لیتی ہے۔ یہ زیادہ تر امریکہ میں وادی مس سی سی پی (Missisippi) میں چلتا ہے اور اس کے ساتھ ہی بادلوں کی ایک مخروط (Cone) ظاہر ہوتی ہے جو بتدریج زمین کی طرف لٹکتی ہوئی نظر آتی ہے۔ یہ طوفان کسی بھی مقام پر تقریباً ایک گھنٹہ تک ظاہر رہتا ہے جس کے دوران یہ ہر اس چیز کو تہس نہس کر دیتا ہے جو اس کے راستے میں آتی ہے یعنی خشکی پر ہر چیز کو تباہ کر دیتا ہے اور پھر یہ دوسرے مقام کی طرف حرکت کر جاتا ہے۔ ہم یہاں یہ بیان کر دینا چاہتے ہیں کہ جب یہ سمندری طوفان ساحلوں پر پہنچتے ہیں تو یہ بڑے عظیم مقامی سیلاب لاتے ہیں جن میں زمین اور ہر چیز جو اس پر موجود ہوتی ہے ڈوب جاتی ہے۔ اس ضمن میں ہم کچھ قرآنی آیات کا ذکر کریں گے جو ایسے حقائق کو واشگاف کرتی ہیں جن کا تعلق ہوائی طبیعیات اور بارشی ہواؤں سے ہے۔

طوفانی موسم درحقیقت قدرت کی ناراضگی کو ظاہر کرتا ہے جو کہ بجلی کی چمک، کڑک، گرج اور بارش کی صورت میں ہوتی ہے جو ہمیں اپنے فرض کو یاد دلاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی کریں جو عظیم ہستی ہے، اس کی سزا کے خوف سے بچنے کے لیے اور اس کے انعام و اکرام، فیاضی و سخاوت کے لیے۔ گرج اور کڑک اگرچہ بہت طاقتور ہوتی ہے وہ بھی اللہ کے حکم اور اس کی دانائی کے مطابق ہوتی ہے۔ جیسا کہ

Marfat.com

ذکر ہو چکا ہے سورج کی تمازت کے بعد زمین پر زندگی کے لیے بارش نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ مناسب مقدار یا مطلوبہ مقدار میں بارش اللہ کی رحمت ہے اگرچہ ایسی بارش جو سیلابوں کو جنم دے زحمت کا باعث ہوتی ہے لیکن ان دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کی مرضی شامل ہوتی ہے۔

بارش اور مردہ زمین

وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنَاهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَنزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ ۚ كَذَٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ○

ترجمہ: ''اور وہ (اللہ) ایسا ہے کہ اپنی باران رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ خوش کر دیتی ہیں یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادلوں کو اٹھا لیتی ہیں تو ہم اس بادل کو کسی خشک سرزمین کی طرف ہانک لے جاتے ہیں پھر اس بادل سے پانی برساتے ہیں پھر اس پانی سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں یوں ہی ہم مردوں کو نکال کھڑا کر دیں گے تاکہ تم سمجھو''

(سورۃ الاعراف 7: آیت 57)

یہ ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ زمین پر بارش ہی تازہ پانی کا ذریعہ ہے اور اس پر زراعت کا دار و مدار ہے جو کہ انسانی خوشحالی کا بڑا سرچشمہ اور مستقبل کی دولت کا ذریعہ ہے جب سے انسان نے زمین پر قدم رکھا۔ کسی بھی علاقے میں اگر ایک دفعہ بارش اوسط سے کم پڑے تو زمین بنجر ہو جاتی ہے۔ چراگاہیں خشک ہو جاتی ہیں' اور مویشی ختم ہو جاتے ہیں اور شاید کئی سال گزر جائیں پیشتر اس کے کہ وہ زمین اپنی اصلی حالت میں آئے۔

زراعت اور گلہ بانی (جانوروں کا چرانا) خواہ وہ براہ راست بارشوں سے ہو' دریاؤں سے ہو یا ندی نالوں کے ذریعے سے ہوں کلی طور پر بارش پر انحصار کرتی ہے۔ قدیم انسان کو اس کی اپنی زندگی کے لیے اس کے مویشیوں کے لیے' یعنی ان کی زندگی کے لیے

Marfat.com

بارش کی صحیح قدر و قیمت تھی اور جب بارش نایاب ہو جایا کرتی تھی تو وہ جادو اور سحر سے بارش کو برسانے کی کوشش کیا کرتا تھا اور قدیم زمانہ میں بھی اور اب بھی بہت ساری مہذب قوموں میں بارش کے لیے دعائیں مانگی جاتی ہیں جس میں نماز استسقا (Istisqa) بھی شامل ہے تاکہ آسمان بارش برسائے۔

نماز استسقا جس میں لوگ اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا مانگتے ہیں وہ قرآن حکیم میں بھی اور روایت میں بھی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے جو خطاب کیا اس کا ذکر سورۃ نوح کی مندرجہ ذیل آیات سے بہت واضح ہے۔

ثُمَّ اِنِّیْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۙ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا ۙ وَّیُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ وَیَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّیَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ؕ

ترجمہ: "پھر میں نے ان کو (خطاب خاص کے طور پر) علانیہ بھی سمجھایا اور ان کو بالکل خفیہ بھی سمجھایا اور (اس سمجھانے میں) میں نے (ان سے یہ کہا) کہ تم اپنے پروردگار سے گناہ بخشواؤ بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے کثرت سے تم پر بارش بھیجے گا اور تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لیے باغ لگا دے گا اور تمہارے لیے نہریں بہا دے گا"

(سورۃ نوح 71: آیت 9 تا 12)

حضور نبی کریم ﷺ بھی بارش کے لیے دعا مانگا کرتے تھے سورۃ الاعراف کی آیت 57 ہماری توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول کرواتی ہے کہ تازہ بارشی پانی زمین کو اس کی موت کے بعد جلد زندہ کر دیتا ہے اور ہمیں قیامت کے دن کی (مردے جب زندہ کیے جائیں گے) ایک نئی مثال دیتی ہے اور بھی آیات ہیں جو اس قسم کے معنی دیتی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

وَاللّٰهُ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ

Marfat.com

فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ○

ترجمہ: ''اور اللہ ایسا (قادر) ہے جو (بارش سے پہلے) ہواؤں کو بھیجتا ہے پھر وہ ہوائیں بادلوں کو اٹھاتی ہیں' پھر ہم اس بادل کو خشک قطعہ زمین کی طرف ہانک لے جاتے ہیں' پھر ہم اس کے (پانی کے) ذریعہ سے زمین کو زندہ کرتے ہیں اسی طرح (قیامت میں آدمیوں کا) جی اٹھنا ہے (اسی طرح روز قیامت کو مردوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا)

(سورۃ الفاطر 35: آیت 9)

اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ؕ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ○ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ○

ترجمہ: ''ارشاد ہوا اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو۔ اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا ہم برسانے والے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اس کو کڑوا کر ڈالیں سو تم شکر کیوں نہیں کرتے''

(سورۃ الواقعہ 56: آیت 68 تا 70)

ایسے قدرتی حالات جو بارشی بادلوں کی تشکیل کا باعث بنتے ہیں اور بارش کا برسانا نہ تو انسان ایسا کر سکتا ہے اور نہ ہی اسے کنٹرول کر سکتا ہے۔ البتہ جہاں تک مصنوعی بارش کا تعلق ہے یا گزرتے ہوئے بادلوں سے بارش کا نچوڑنا ابھی تجرباتی ہے اور کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوا ہے۔ اگر یہ کامیاب ہو بھی جاتا ہے تو پھر بھی یہ ضروری ہوگا کہ قدرتی حالات پیدا ہوں اور زیادہ تر ہوائی رویں (Air Currents) قدرتی بارش کے موافق ہوں تاکہ مصنوعی بارش کے لیے ممکن ہوں۔ چنانچہ تمام ماہر موسمیات (Meteorologists) اگر وہ کچھ کر سکتے ہیں تو وہ یہ ہے کہ وہ بارشی بادلوں (Cumuli) کو بخارات سے سیر شدہ کریں اور ان میں پوڈر چھڑک کر یا نمک سلور ایوڈائڈ یا کاربن ڈائی آکسائڈ قلموں یا ان کے بخارات کے ذریعے جو ان بادلوں میں تکثیفی مرکزے (Condensation Nuclei) کے طور پر استعمال ہوں۔

ان آیات مبارکہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ یہ اللہ کی مرضی ہے کہ وہ ہواؤں کو ہانکتا

Marfat.com

ہے اور ان کو حکم دیتا ہے کہ وہ سمندروں سے (نمکین سمندروں سے) نمی لائیں تاکہ تازہ پانی مہیا ہو۔ یہ حقیقت مندرجہ ذیل آیت سے واضح ہو جاتی ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ كَیْفَ یَشَآءُ وَ یَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ۚ

ترجمہ: "اللہ ایسا ہے کہ وہ ہوائیں بھیجتا ہے پھر وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں' پھر اللہ تعالیٰ اس کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے پھر تم مینہ کو دیکھتے ہو کہ اس کے اندر سے نکلتا ہے پھر جب وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے پہنچا دیتا ہے تو بس وہ خوشیاں کرنے لگتے ہیں۔

(سورۃ الروم 30: آیت 48)

بارش اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی ہے اور عذاب کے طور پر بھی برستی ہے۔

بارش اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی ہے اور زحمت بھی۔ بارش انسان کو خوشحالی کی خوشخبری دیتی ہے اور کبھی عذاب کے طور پر بھی نازل ہوتی ہے۔ اس ضمن میں چند آیات ملاحظہ فرمائیے

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَ قَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّ ازْدُجِرَ ۝ فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝ فَفَتَحْنَاۤ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝ ؗ وَّ فَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُیُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰۤى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝ ۚ

ترجمہ: "ان لوگوں سے پہلے قوم نوحؑ نے تکذیب کی یعنی ہمارے بندے (خاص نوحؑ) کی تکذیب کی اور کہا کہ مجنون ہے اور نوحؑ کو دھمکی دی گئی۔ تو نوحؑ نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں درماندہ ہوں سو آپ (ان سے) انتقام لے لیجئے۔ پس ہم نے کثرت

Marfat.com

سے برسنے والے پانی سے آسمان کے دروازے کھول دیئے اور زمین سے چشمے جاری کر دیئے پھر (آسمان اور زمین کا) پانی اس کام کے (پورا ہونے کے) لیے مل گیا جو (علم الٰہی میں) تجویز ہو چکا تھا"
(سورۃ القمر 54: آیت 9 تا 12)

ارشاد ہے کہ (ان کافروں سے پہلے) نوح علیہ السلام کی قوم نے ڈھٹائی پر کمر باندھی۔ نوح علیہ السلام کے سمجھانے پر کچھ دھیان نہ دیا اور کہا تو یہ کہا نعوذ باللہ یہ ایک پاگل اور دیوانہ شخص ہے یہ کہہ کر انہیں جھڑک دیا۔ نوح علیہ السلام ان کی یہ شرارتیں جھیلتے رہے آخر مجبور ہو کر اپنے رب کو پکارا۔ کہ میں تو ان لوگوں کے ہاتھ سے عاجز آگیا یہ کسی طرح میری نہیں سنتے اب تو ہی ان سے ڈھٹائی کا بدلہ لے ارشاد ہوا تو ہم نے آسمان کے دروازے دہانے کھول دیئے اور وہاں سے موسلا دھار پانی گرنا شروع ہو گیا۔ ادھر زمین سے جوش مار کر چشمے پھوٹ پڑے اور پانی ابلنا شروع ہوا۔ یہ اوپر اور نیچے کے پانی جمع ہوئے اور زمین سمندر بن گئی سب چیزیں اور آدمی ڈوب گئے (فقط نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھی ایک کشتی میں بیٹھ کر بچ گئے جو انہوں نے بڑے بڑے تختوں کو کیلوں سے ٹھونک کر میخوں سے جڑ کر پہلے ہی ہماری ہدایت کے مطابق بنا رکھی تھی اور باقی سب ڈوب گئے)

اس آیت کریمہ سے صاف واضح ہے کہ بارش نوح علیہ السلام کی قوم کے لیے عذاب الٰہی ثابت ہوئی۔ قرآن کریم کی سورۃ القمر میں بھی ایک اور بارش کا ذکر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

پتھراؤ کرنے والی ہوا اور بارش

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍ بِالنُّذُرِ ○ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ○

ترجمہ: "قوم لوطؑ نے (بھی) پیغمبروں کی تکذیب کی۔ ہم نے ان پر پتھروں کا مینہ برسایا بجز متعلقین لوطؑ کے (یعنی بجز مومنین کے) کہ ان کو اخیر شب میں بچا لیا"
(سورۃ القمر 54: آیت 33 تا 34)

ارشاد ہے کہ لوط علیہ السلام کی قوم نے بھی اسی طرح ڈھٹائی پر کمر باندھی۔ انہوں نے لوط علیہ السلام کا کہنا نہ سنا اور اللہ کی طرف سے ڈرانے والے جو کہتے چلے آئے تھے اسے جھوٹ سمجھا۔ آخر ان پر پتھراؤ کرنے والی ہوا (یا بارش) کی صورت میں ان پر اللہ کا عذاب آیا۔

عربی میں ”خاصبا“ پتھر برسانے والی ہوا ہوتی ہے یعنی شدید ہوا جس میں کنکریوں (Pebbles) کی بوچھاڑ ہو۔ یہ ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ ہوائیں ریت کو حرکت دیتی ہیں جب وہ تیز و تند ہو جاتی ہیں اور شدت اختیار کر جاتی ہیں تو پھر وہ ریت کی آندھیاں یا طوفان بن جاتی ہیں۔ کنکریاں یا ریت کے ذرات جو ہوا کے ایک مکعب سنٹی میٹر میں ہوتے ہیں وہ آندھی کی رفتار پر منحصر ہیں۔ عمودی ہوا کی روئیں (Currents) جو موسم کی ناقیام پذیری (خراب موسم) میں شدت اختیار کر جاتی ہیں وہ بھی ریت کے ذرات یا کنکریوں کو اوپر اٹھانے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ تو اس آیت کریمہ سے صاف ظاہر ہے ہوا اور بارش جو دنیا میں انسانوں کے لیے خوشخبری اور رحمت کا باعث ہوتی ہیں وہ اللہ کی مرضی سے عذاب بھی بن جاتی ہیں اور صاف پانی کی بجائے پتھر اور کنکریاں برسنا شروع کر دیتی ہیں۔

قارئین کی دلچسپی کے لیے یہ بھی ذکر کر دوں کہ بارشوں کی تاریخ میں ”مچھلیوں کی بارش“ یا مینڈکوں کی بارش کے بھی مشاہدات ہوئے ہیں۔ ہوتا یوں ہے کہ جب سمندروں میں شدید طوفان آتے ہیں تو ہوائیں پانی کے بخارات کے ساتھ مچھلیاں اوپر بادلوں میں لے گئیں اور جب مینہ برسا تو یہ مچھلیاں نیچے زمین پر آگئیں اور لوگوں نے سمجھا کہ مچھلیوں کی بارش ہوئی ہے اسی طرح مینڈکوں کی بارش کا بھی ذکر ہے جو پانی کے بخارات سے بادلوں میں چلے گئے اور پھر مینہ کی صورت میں زمین پر آگرے اور لوگوں نے سمجھا کہ مینڈکوں کی بارش ہوئی ہے وغیرہ وغیرہ۔

سمندر اور کشتیاں

قرآن حکیم میں سمندر اور ان پر چلنے والی کشتیوں کا بھی دلچسپ مگر سبق آموز انداز میں ذکر ہے۔ ان کے بارے میں بھی ارشادات الٰہیہ ملاحظہ فرمائیے۔

Marfat.com

سورۃ یونس 10 کی آیت 22 میں ارشاد ہوتا ہے۔

هُوَ الَّذِىْ يُسَيِّرُكُمْ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِى الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَاۗءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَاۗءَھُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ لَىِٕنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ

ترجمہ: وہ (اللہ) ایسا ہے کہ تم کو خشکی اور دریا میں لیے لیے پھرتا ہے یہاں تک کہ (بعض اوقات) جب تم کشتی میں سوار ہوتے ہو اور وہ (کشتیاں) لوگوں کو موافق ہوا کے ذریعے سے لے کر چلتی ہیں اور وہ لوگ ان کی (رفتار) سے خوش ہوتے ہیں (اس حالت میں دفعتہ") ان پر ایک جھونکا (مخالف) ہوا کا آتا ہے اور ہر طرف سے ان پر موجیں (اٹھی چلی) آتی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ (برے) آگھرے (اس وقت) سب خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں کہ (اے اللہ) اگر آپ ہم کو اس (مصیبت) سے بچالیں تو ہم ضرور حق شناس (موحد) بن جاویں"۔

(سورۃ یونس 10: آیت 22)

سمندری موجیں عمودی حرکات ہیں جو سمندری پانی کو متحرک کرتی ہیں جو ہواؤں کے چلنے کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک موج سمندر کی سطح کے ساتھ ایک خاص رفتار سے چلتی ہے جب کہ سمندری پانی ایک خاص وقت میں اور خاص حجم میں کسی بھی مقام پر عموداً بلند ہوتا ہے۔ اس طرح ہر موج کی اپنی رفتار ہوتی ہے' ایک خاص حیطہ یا وسعت (Amplitude) اور خاص تعدد (Frequency) لہروں کی دو بہ ظاہر بلندیوں (اوجوں) کے درمیان فاصلے کو طول موج (Wave Length) کہتے ہیں۔ موجوں کے ان سب خواص کا ہواؤں اور پانی کی گہرائی سے گہرا تعلق ہے۔ پھر مخصوص یا انفرادی قسم کی موجیں بھی ہیں جو طوفانوں کا پیش خیمہ ہوتی ہیں۔ پانی جو کسی لہر یا موج کے جسم کو بناتا ہے وہ اس کے ساتھ حرکت نہیں کرتا بلکہ وہ حجموں (Volumes) یا حصوں میں بٹ جاتا ہے اور ہر حصہ ایک نیم دائری راستے میں حرکت کرتا ہے جو موج کے راستے کے عموداً ہوتا ہے اور اپنی

Marfat.com

دائری حرکت کے آخر میں اپنے اصل مقام پر آجاتا ہے۔ اس طریقہ سے پانی موج کی سمت میں بہت کم حرکت کرتا ہے۔ کھلے سمندروں میں موج کا فیز (Phase) بہ نسبت بند سمندروں کے طویل ہوتا ہے۔ (کھلے سمندروں سے مراد وہ سمندر ہیں جو براہ راست بحر سے ملے ہوتے ہیں)۔ مثال کے طور پر بحیرہ روم جو کہ بند سمندر ہے' موج کی اوسط لمبائی 50 میٹر سے کم ہے اور اس کا حیطہ (یا وسعت) 0.5 تا 3 میٹر کے درمیان ہوتا ہے جب کہ بحر میں اوسط طول موج 150 تا 200 میٹر اور اس کا حیطہ 1 تا 8 میٹر کے مابین ہوتا ہے۔ جب موج ساحل سمندر تک پہنچتی ہے تو یہ پانی کی کم گہرائی ہونے کی وجہ سے اپنی قدرتی بلندی برقرار نہیں رکھ سکتی لہٰذا یہ ساحل پر بڑی قوت سے ٹوٹ جاتی ہے یعنی موج ہے دریا میں بیرون دریا کچھ نہیں جیسا کہ علامہ اقبال نے فرمایا ہے ؎

فرد قائم ربط ملت سے ہے' تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

بانگ درا (شمع اور شاعر)

جب یہ موجیں بعض ساحل سمندر میں چٹانوں سے ٹکراتی ہیں تو ان میں شگاف یا دراڑیں پڑ جاتی ہیں خواہ وہ کتنی ہی ٹھوس کیوں نہ ہوں وہ موجوں کی قوت کی مزاحمت نہیں کر سکتیں اور جلد ہی ٹوٹ پھوٹ جاتی ہیں یا ان میں شگاف پڑ جاتے ہیں۔ اس عمل میں سمندروں کی لہروں میں کنکریاں بھی معاون ہوتی ہیں جو یہ لہریں (موجیں) ساحلوں سے اٹھا لیتی ہیں اور پھر ان ساحلی چٹانوں پر پھینکتی ہیں۔ ساحل سمندر کی چٹانیں اپنے ٹھوس پن یا سختی میں مختلف ہوتی ہیں اور ان کی موجوں کے خلاف مزاحمت بھی مختلف ہوتی ہے لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ زیادہ تر چٹانی ساحل لہریے ہوتے ہیں' سیدھے نہیں اور ان کے ٹھوس حصے ساحلوں پر آگے کی طرف نکلے ہوتے ہیں جب کہ نرم چٹانیں پیچھے کی طرف ہٹتی جاتی ہیں۔ ان چٹانوں میں موجود شگاف یا ایسے کمزوری کے نقاط پر زیادہ عمل ہوتا ہے اور وہ سرنگوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور موج کی سرگرمی قدرتی طور پر ساحل کے اس حصے تک محدود ہوتی ہے جو اس کے زیر اثر ہوتا ہے۔

ساحل سے دور موجیں اپنی حرکت میں ایک اضطراب شدہ نظام کی پیروی کرتی

Marfat.com

ہیں۔ وہ عموماً مختلف اقسام کی موجوں کا آمیزہ ہوتی ہیں جو ایک دوسری کے ساتھ دوڑ لگاتی ہیں اور ایک دوسری کو ہڑپ (Swallow) کرتی ہیں۔ موجوں میں یہ تفریق قدرتی طور پر مختلف مقامات کی وجہ سے ہے جہاں (موجیں) لہریں اٹھتی ہیں اور طریقہ جس سے وہ بیٹھتی ہیں' اس کی رفتار' نمود اور سمت وغیرہ۔ ان میں سے کچھ موجیں کبھی بھی سمندری ساحل تک نہیں پہنچ پاتیں جب کہ دوسری زیادہ تر سمندر کو پار کر جاتی ہیں پیشتر اس کے کہ وہ ساحل سے ٹکرا کر ٹوٹ جائیں۔

سمندر کی موجیں جنگ کے دنوں میں سمندری حملوں میں بھی معاون ثابت ہوتی ہیں چونکہ موجیں سمندری کاموں یا آپریشن میں رکاوٹ ڈالتی ہیں مثلاً نفری کو جہاز میں لے جانے یا جہاز سے ساحل کی طرف لے جانے میں وغیرہ۔ موجیں تیز ہواؤں کے چلنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں اور اگر ہوائیں چلنا بند کر دیں تو سمندر پرسکون ہو جاتا ہے اور ایسا خاص طور پر استوائی طبقات میں ہوتا ہے مثلاً منطقات سکون ہوا (Doldrums) میں۔ استوائی یا معتدل علاقوں میں جب ہوا کا دباؤ اونچا ہو تو سمندری موجوں کا کلی خاتمہ ہو جاتا ہے اور جہازوں کے لیے ٹھہراؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ پرانے زمانے میں سمندروں میں بادبانی جہاز یا کشتیاں استعمال ہوتی تھیں۔

اگرچہ نبی کریم ﷺ نے ایسے سمندر کے طبقات کی کبھی تلاش نہ کی تھی تاہم قرآن حکیم میں ایسے سمندری واقعات کا بیان پڑھتے ہیں جیسا کہ سورۃ الشوریٰ میں فرمایا گیا ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۝ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ؕ

ترجمہ: ''اور منجملہ اس کی نشانیوں کے جہاز ہیں سمندر میں (ایسے اونچے) جیسے پہاڑ اگر وہ چاہے ہوا کو ٹھہرا دے تو وہ (بحری جہاز' کشتیاں) سمندر کی سطح پر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں''۔

(سورۃ الشوریٰ 42 آیت 32'33)

ترجمہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ قدیم زمانے میں سمندروں میں کشتیوں کے چلنے یا ٹھہرنے کا دارومدار ہواؤں کے رخ پر ہوتا تھا۔ مقامی طوفانوں کی وجہ سے موجوں میں تحریک پیدا ہوتی ہے جسے طوفانی جوار بھاٹا (TIDE) کہتے ہیں اور ان کے نتیجہ میں ساحل کے قریب پانی کی عموی سطح بلند ہو جاتی ہے۔ پانی کی سطح میں یہ بلندی عموماً اچانک ہوتی ہے اور ایسی موجیں اکثر نقصان دہ ہوتی ہیں۔ سمندری ساحلوں پر ایک اور طرح کی موجیں بھی ہوتی ہیں جو دیو قامت ہوتی ہیں اور انہیں رولرز (ROLLERS) کہا جاتا ہے جو کئی کئی روز تک بعض ساحلوں پر اپنے حملے جاری رکھتی ہیں۔ ایسی موجوں کا تعلق براہ راست سمندر کے اوپر ہوائی دباؤ میں خلل اور اضطراب کی وجہ سے ہوتا ہے اور وہ ساحل کے قریب آنے سے پہلے ہزاروں کلو میٹر تک بلند ہو جاتی ہیں' ساحل کے قریب وہ تنگ تر ہو جاتی ہیں اور ساتھ ہی پتلی ہو جاتی ہیں۔

ہمارے پیغمبر اسلام ﷺ ایک جہاز رواں (Mariner) نہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمندروں اور ان کی موجوں کے بارے میں جو کچھ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے وہ نہایت ہی قابل غور ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِیُرِیَكُمْ مِّنْ اٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ وَ اِذَا غَشِیَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ

ترجمہ: ''اے مخاطب کیا تجھ کو یہ (دلیل توحید کی) معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے فضل سے کشتی دریا میں چلتی ہے تاکہ تم کو اپنی نشانیاں دکھائے۔ اس میں نشانیاں ہیں ہر ایسے شخص کے لیے جو صابر و شاکر ہو اور جب ان لوگوں کو موجیں سائبانوں کی طرح گھیر لیتی ہیں تو وہ خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں!''

(سورۃ لقمان 31 آیت 31' 32)

جب سمندر کی موجیں بکھر جاتی ہیں یعنی سمندر میں پھیل جاتی ہیں تو پھر کوئی چیز ان کو بڑھنے سے نہیں روک سکتی یعنی ان کا راستہ روکنا مشکل ہوتا ہے ماسوائے ان حالات

Marfat.com

کے جن کا ان کو سطح سمندر پر سامنا کرنا پڑتا ہے مثلاً جوار بھاٹا کی موجیں (Tidal Waves) ان کا راستہ کاٹ دیتی ہیں۔ جب موجیں ان سے ٹکراتی ہیں تو ان کے درمیان ایک شدید کشمکش پیدا ہو جاتی ہے اور یہ ایک فرنٹ کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے جس کی چوڑائی 5 کلو میٹر تک ہو سکتی ہے۔ ایسے حالات میں سمندر میں ابال آجاتا ہے اور اس ہیجان اور طوفان میں جہاز کا چلانا ناممکن ہو جاتا ہے چونکہ جہاز یا تو غرق ہو جاتے ہیں یا پھر ان موجوں کے تھپیڑوں کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں۔

ان سمندری طوفانی موجوں کو پرسکون یا ختم کیا جا سکتا ہے اگر وہ مخالف سمت میں چلنے والی ہواؤں سے ٹکرائیں یا وہ مزید طاقتور اور بڑی ہو جاتی ہیں اگر وہ سمندر کے اوپر چلنے والی ہواؤں کی سمت میں چل رہی ہوں۔ اسی طرح ان موجوں کا راستہ بھی بدل دیتی ہیں جب ہوائیں ان پر ترچھا (ٹیڑھا) چلتی ہیں چنانچہ برف باری اور بارشیں بھی ان کی بدولت ہیں چونکہ وہ یا تو سمندر میں طوفان برپا کر سکتی ہیں یا پھر موجوں کی طاقت کو کم کر دیتی ہیں۔ تیل بھی سمندری موجوں کو ختم کر دیتا ہے چنانچہ ناگہانی حالات میں سمندروں میں ٹور کروانے والی ایجنسیاں ناگہانی یا ہنگامی صورت حال میں تیل کا استعمال کرنے کی تجویز دیتی ہیں مگر حیران کن بات یہ ہے کہ تیل کا اثر ان موجوں پر بہت کم ہوتا ہے جو ساحل سے ٹکراتی ہیں۔ مطلب یہ کہ موجوں کے حل ہونے (Dissolution) کے بعد تیل بے کار ہو جاتا ہے۔

قارئین کرام! یہ بحث ہواؤں کی گردش کے سلسلہ میں شروع ہوئی تھی جسے اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور یہ حقیقت بھی روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی ہے کہ قرآن حکیم میں جہاں دوسرے سائنسی علوم کا ذکر ہے وہاں علم بحریات یا بحری جغرافیہ (Oceanography) اور علم موسمیات کا بھی تفصیلی ذکر ہے علم بحری جغرافیہ کا تعلق ان تمام مظاہر سے ہے جو سمندر میں رونما ہوتے ہیں اور علم موسمیات (Meteorology) کا تعلق ان مظاہر سے ہے جو زمینی فضا میں رونما ہوتے ہیں اور اس علم میں موسموں کی پیش گوئی بھی شامل ہے جو ہم روزانہ ٹیلی ویژن پر سنتے ہیں۔ اگر قارئین کو مزید معلومات کی ضرورت ہو تو وہ ان علوم پر کتابوں کا مطالعہ فرمائیں۔ ہواؤں کی گردش اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے نظام کے تحت ہوتی ہے اور وہ بالکل جدید سائنسی

Marfat.com

اصولوں کے مطابق ہے۔ سورۃ یونس 10 کی آیت 22 اور سورۃ لقمان 31 کی آیت 31 اور 32 میں ہمارے لیے ایک سبق بھی ہے اور وہ یہ کہ مصیبت کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا چاہیے اور اس کی ناشکری نہیں کرنی چاہیے۔ ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ جہازوں کو دیکھتے ہو۔ پانی کی سطح پر کیسے چلتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کو ادھر سے ادھر اٹھا کر پہنچاتے ہیں۔ کیا تمہیں اس میں قدرت نظر نہیں آتی؟ ہر معتدل مزاج شکر گزار کے لیے اس میں اللہ کی معرفت کی نشانیاں ہیں۔ پھر کبھی طوفان آجاتا ہے اور پہاڑوں جیسی موجیں سر پر چھا جاتی ہیں تو کشتی والے اللہ ہی کو خلوص سے پکارنے لگتے ہیں مگر خشکی میں آکر کوئی ہوتا ہے جو اپنی بات پر قائم رہتا ہے۔ ورنہ اکثر قول سے پھر جاتے ہیں اور ناشکری کرنے لگتے ہیں۔ قرآن حکیم کی فصاحت و بلاغت کا یہی تو کمال ہے کہ انسان کو ہدایت کے پس پردہ بہت بڑے سائنسی حقائق بھی بیان فرما دیئے گئے ہیں اور یہ ایسے موضوعات ہیں جو علم بحریات و موسمیات کی بنیاد ہیں۔

صاف پانی

صاف پانی کے بارے میں ارشاد ربانی ہے

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ۝

ترجمہ: ”تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر تمہارا پانی نیچے غائب (خشک) ہو جائے پھر کون ہے جو لائے تمہارے پاس صاف پانی“

(سورۃ الملک 67: آیت 30)

پانی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے

پانی بھی اللہ تعالیٰ کے انمول خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے جو اس نے اپنے بندوں کو عطا کیا ہوا ہے۔ زمین پر ہر قسم کی حیوانی و نباتاتی زندگی کے لیے پانی ناگزیر ہے اور بنی نوع انسان کی بقاء کے لیے ایک ضرورت ہے۔ نہ صرف انسان پانی پیئے کے بغیر زندہ رہ سکتا ہے بلکہ اسے اپنی فصلوں کی آب پاشی، حیوانوں اور پودوں کے لیے بھی ضروری ہے۔ پانی نقل و حمل کے لیے ایک اچھا ذریعہ ہے۔ ہماری قدیم و جدید تہذیب میں

Marfat.com

انسانوں کی آبادکاری زیادہ تر جھیلوں، چشموں، دریاؤں اور سمندروں کے کنارے ہوئی۔ دنیا کے مشہور شہر دریاؤں کی گذر گاہوں کے قریب ہیں یا پھر دریا بعض شہروں کے بیچوں بیچ گزرتے ہیں اور یہ جھیلیں اور دریا اور سمندر بھی پانی نے بنائے ہیں۔ ان کے علاوہ پانی زمین کے اندر سرایت یا جذب ہو کر دوبارہ چشموں کی صورت میں زمین سے باہر نکل آتا ہے۔ بعض چشموں کا پانی سرد اور بعض کا نیم گرم ہوتا ہے۔ بعض چشموں کا پانی صحت مند ہوتا ہے۔ کنوؤں کا پانی بھی یہی زمین کے اندر سرایت کر جانے والا پانی ہے۔ پانی بخارات کی صورت میں ہمارے اردگرد ہر وقت موجود ہے۔ یہ ہوا میں موجود ہوتا ہے اور بخارات کے علاوہ برف اور سنو کی صورت میں بھی ملتا ہے۔ چنانچہ پانی فطرت میں ٹھوس، مائع اور بخارات (گیسی حالت) کی صورت میں ملتا ہے۔ بھاپ بھی پانی کے بخارات پر مشتمل ہوتی ہے۔ سورج کی تمازت سے زمین پر موجود پانی (مثلاً سمندروں کا پانی بخارات کی صورت میں تبدیل ہو کر بالائی طبقات میں سرد ہونے سے بادلوں کی صورت اختیار کر لیتا ہے جس کا آپ تفصیل سے ذکر پڑھ چکے ہیں۔ جب یہ بادل فضا کے مزید سرد طبقات میں پہنچتے ہیں تو عمل تکثیف (Condensation) کے ذریعے بارش کی صورت میں زمین پر آجاتے ہیں اور یہ بارش کا پانی پھر انہی جوہڑوں، ندی نالوں اور دریاؤں کے ذریعے سمندر میں جا گرتا ہے۔ چنانچہ فطرت میں پانی کا ایک نہ ختم ہونے والا دور چلتا رہتا ہے۔ جب بارش ہوتی ہے تو یہ انسان کے بس کی بات نہیں کہ وہ اسے سٹور یا ذخیرہ کر سکے اور ان حقائق سے متعلق قرآن حکیم میں کئی آیات ہیں۔

فَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ وَمَا أَنتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ ۝

ترجمہ: "پھر ہم ہی آسمان سے پانی برساتے ہیں، پھر وہ (پانی) تم کو پینے کو دیتے ہیں، اور تم (اتنا پانی) جمع کر کے نہ رکھ سکتے تھے"

(سورۃ الحجر 15: آیت 22)

کرہ ہوائی (جس کا آپ مطالعہ فرما چکے ہیں) کے علاوہ کرہ آبی (Hydrosphere) بھی ہے۔ یہ اصطلاح تمام پانی کے لیے استعمال ہوتی ہے خواہ وہ جھیلوں میں ہو یا سمندروں میں اور وہ پانی بھی جو زمین کے خلایوں اور شگافوں میں دوڑ رہا ہے یعنی وہ پانی بھی شامل

Marfat.com

ہے جو زمین جذب کر لیتی ہے اور پھر وہ چشموں یا کنوؤں کے پانی کے طور پر باہر آتا ہے۔
اس آیت میں ایک سائنسی حقیقت یہ ہے کہ بارش کا پانی مستقل طور پر سٹور نہیں کیا جا سکتا وہ یا تو زمین کے اندر جذب ہو جاتا ہے یا دریاؤں کے ذریعے سمندروں میں جا گرتا ہے۔ مزید برآں کرہ آبی کا دور زمینی پانی اور کرہ فضائی کے درمیاں جاری رہتا ہے۔

اگر ہماری زمین بغیر پیچ و خم کے ہموار ہوتی تو یہ پانی میں ڈوب جاتی اور اندازہ لگایا گیا ہے کہ ایسی صورت میں زمین کے اوپر پانی کے غلاف کی موٹائی تقریباً 2 میل اونچائی تک ہوتی چنانچہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ زمین کی سطح غیر ہموار ہے اور پانی اس کے کروی خول کی گہری کھائیوں (گڑھوں) میں اکٹھا ہو گیا ہے اور انسان کے اوپر اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان اور کرم ہے کہ بارش کا پانی آسمان سے ایک مناسب مقدار میں برستا ہے تاکہ زمین اسے اپنے اندر سما سکے اور زمین کی ضرورت کے مطابق پانی برسے۔ اسی حقیقت کو مندرجہ ذیل آیت میں واضح کر دیا گیا ہے۔

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِى الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۚ

ترجمہ: "اور ہم نے آسمان سے (مناسب) مقدار کے ساتھ پانی برسایا۔ پھر ہم نے اس کو زمین میں ٹھہرایا اور ہم اس (پانی) کے معدوم کر دینے پر (بھی) قادر ہیں (یعنی لے جائیں تو لے جا سکتے ہیں)"

(سورۃ المومنون 23: آیت 18)

ارشاد ہے کہ "اگر ہم پانی مناسب اندازہ سے نہ برساتے تو سوچو کہ زمین کا کیا حال ہوتا"۔ زمین تو زمین خود انسان کو زندگی کے لالے پڑ جاتے۔ حیوانات ڈھونڈنے سے نہ ملتے۔ ہم نے آسمان سے مینہ برسایا تاکہ زمین پانی سے سیراب ہو اور پانی کو ایسے اندازہ سے اتارا کہ کہ زمین کی خشکی دور کرنے کے لیے کافی ہو۔ نہ اتنا زیادہ کہ ڈوب جائے اور نہ اس قدر کم کہ دھول اڑنے لگے۔ غور کرو کہ یہ پانی زمین کی سیرابی اور سرسبزی کے لیے کتنی ضروری چیز ہے" پانی حیوانوں اور پودوں کی ضروری خوراک ہے۔

پانی حیوانی اور نباتاتی ریشوں کے نلیوں کا جزو لاینفک ہے اور معدنیات میں بھی

Marfat.com

بہت ساری قلموں (Crystals) میں موجود ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ سائنس اور صنعت میں بطور محلل (حل کر لینے والا) کیمیائی تعاملات میں عمل انگیز کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ پانی شہروں کے گند اور فضلات کے اخراج کے لیے بھی ٹرانسپورٹ واسطے کا کام کرتا ہے، محلول کو پتلا کرنے، ٹھنڈک پیدا کرنے، صفائی دھلائی کے لیے، حرارت (بھاپ کی صورت میں) اور اس کی تقسیم کاری، بجلی کی پیداوار کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ صنعتی پیمانے پر پانی سے ہائیڈروجن گیس پیدا ہوتی ہے جو پانی کی برقی پاشیدگی (Electrolysis) کے ذریعے تیار کی جاتی ہے جو بناسپتی گھی بنانے کے لیے آج کل وسیع پیمانے پر استعمال ہو رہی ہے۔ یہ صرف ایک صنعت کی مثال ہے ایسی بے شمار کیمیائی صنعتیں ہیں جہاں پانی کا استعمال ناگزیر ہے۔ فولاد کی صنعت میں پانی کا بہت زیادہ استعمال ہے بلکہ اسے تو ایسی جگہ پر قائم کیا جاتا ہے جہاں دریا ہو یا پانی کا بہت بڑا ذریعہ یا ذخیرہ موجود ہو مثلاً سمندر وغیرہ۔ پاکستان سٹیل مل سمندر کے قریب قائم کی گئی ہے۔ ایران میں سٹیل مل ایک دریا کے کنارے لگائی گئی ہے۔ چنانچہ جدید دور میں کوئی بھی صنعت پانی کے بغیر چل نہیں سکتی۔ بعض صنعتوں کا کلی طور پر پانی پر انحصار ہوتا ہے۔ پانی کے ان گنت استعمال ہیں۔ یہاں صرف خلاصہ دیا گیا ہے۔

(بخارات کے انجماد کے نتیجہ میں جو برف بنتی ہے اسے انگریزی میں سنو (Snow) کہتے ہیں) اور جب سنو پڑ رہی ہو تو ایک دلفریب نظارہ ہوتا ہے۔ پاکستان میں بعض لوگ مری میں برف باری کا نظارہ دیکھنے کے لیے بڑے اہتمام سے جاتے ہیں۔ (پانی کے براہ راست انجماد سے جو برف بنتی ہے اسے آئس (Ice) کہتے ہیں۔ تاہم سنو خالص ترین پانی حاصل کرنے کا ایک قدرتی ذریعہ ہے۔) اس کے بعد خالص پانی کا دوسرا بڑا ذریعہ بارش کا پانی ہے (چونکہ یہ پانی کے بخارات کے انجماد کے نتیجہ میں برستی ہے)۔ آج سائنس اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ بارش کا پانی خالص پانی ہوتا ہے مگر قرآن حکیم نے یہ حقیقت آج سے چودہ سو سال پہلے ہی بتا دی تھی۔ سورۃ الفرقان 25: آیت 48 میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ۝

Marfat.com

ترجمہ: "اور ہم نے آسمان سے پاک صاف پانی اتارا"

یعنی آسمان سے پاک صاف ستھرا پانی برستا ہے جو ہر قسم کی گندگی اور نجاست کو دھو دھا کر پاک کر دیتا ہے اگرچہ پانی صاف ستھرا ہوتا ہے مگر اس میں زمین کی فضا سے گرد و غبار، بکٹیریا اور نمکیات کی معمولی مقدار شامل ہو جاتی ہے۔ اگر شروع کی بارش کا پانی دیکھا جائے تو وہ مٹیالے رنگ کا ہوتا ہے مگر بعد میں صاف و شفاف پانی برستا ہے۔ یہی پانی کنوؤں اور چشموں کا پانی ہوتا ہے چونکہ یہ زمین کی تہوں سے گزر کر باہر نکلتا ہے لہذا تقطیر شدہ یا مقطر (فلٹر شدہ) ہوتا ہے مگر نمکیات کی تھوڑی بہت مقدار اس میں بھی ہوتی ہے۔ پانی کا رنگ، بو اور ذائقہ محض آمیزشوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ پینے کا پانی بے رنگ، بے ذائقہ اور بے بو ہونا چاہیے۔ سب سے بھاری اور گدلا پانی سمندر کا ہوتا ہے۔ سمندروں نے زمین کا 71 فی صد حصہ گھیر رکھا ہے۔ سمندر کے پانی میں 3.5 فی صد (وزن کے لحاظ سے) حل شدہ نمکیات ہوتے ہیں۔ پانی کا ذکر ختم کرنے سے پہلے قارئین کی خدمت میں یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ بہت سارے علاقوں میں پانی نے انسانوں کو مچھلی (تازہ گوشت) کی صورت میں غذا بھی مہیا کی ہے جو انسان کی جسمانی نشوونما کے لیے بہترین پروٹین کا ذریعہ بھی ہے۔

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ○

ترجمہ: "اور ایسا ہے کہ اس نے سمندر کو مسخر کیا، اس میں سے تازہ تازہ گوشت کھاؤ، اور اس میں سے گہنا نکالو، جس کو تم پہنتے ہو اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ وہ پانی چیرتی ہوئی چلی جا رہی ہیں اور تاکہ تم اس کی (یعنی خدا کی) روزی تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو"

(سورۃ النحل 16: آیت 14)

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے سمندر کا پانی اس میں موجود حل شدہ نمکیات کی وجہ

سے پینے کے قابل نہیں ہوتا خاص طور پر زیادہ سوڈیم کلورائڈ (جسے عام نمک بھی کہتے ہیں) کی وجہ سے اس کا پانی بہت بھاری اور ذائقے میں تلخ کڑوا ہوتا ہے اور اس کا نیلا رنگ پانی کی بہت بڑی مقدار کی وجہ سے ہوتا ہے۔ سمندر کے پانی میں کیلشیم' آیوڈین' برومین اور سونا ہوتا ہے لیکن خصوصی طور پر سوڈیم اور میگنیشم ہوتا ہے۔ سمندر کے بے پناہ فوائد ہیں۔

مذکورہ آیت کریمہ میں سمندر کی افادیت پر بڑی وضاحت سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ پہلا فائدہ یہ ہے کہ سمندروں کے پانی کو صاف کر کے پینے کے قابل بنا لیا گیا ہے اس مقصد کے لیے کئی ملکوں نے سمندر کے پانی کو صاف کرنے کے پلانٹ لگا رکھے ہیں۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ سمندر سے خوردنی نمک' (سوڈیم کلورائڈ) برومائڈ' آیوڈائڈ اور میگنیشیم دھات بھی حاصل کی جاتی ہے۔ درحقیقت مذکورہ قرآنی بیان کے معنی ہیں کہ سمندروں میں بے پناہ دولت جمع ہے۔ ازمنہ قدیم سے سمندر مستقل دولت کا بڑا ذریعہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی بے پناہ نعمتیں ہیں اور بہت ساری قوموں کے لیے دولت اور روزی کا ایک بڑا ذریعہ ہیں۔ یہ وہ خزانے ہیں جو انسان آسانی سے حاصل کر سکتا ہے بغیر کسی تکلیف کے بھی۔ ایسی فصل حاصل ہوتی ہے جسے نہ تو کاشت کرنا پڑتا ہے' نہ آب رسانی کی ضرورت ہے نہ فصل پکنے کا انتظار ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ شخص جو خواب میں مچھلی دیکھتا ہے یقیناً وافر مقدار میں روزی حاصل کرے گا۔ مزید برآں سمندر کی دولت کپڑوں (چمڑا)' ادیات اور زیورات کا منبع ہے۔ سمندروں کی دولت کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے حیوانی اور معدنی۔ جس کا مطلب ہے کہ سمندروں کو محض مچھلیوں کے لیے مسخر نہیں کیا گیا یا اس میں موجود مختلف جانوروں کو پکڑنے کے لیے نہیں بلکہ یہ معدنی ذخائر کا بھی بڑا منبع ہیں۔ سمندروں میں تازہ گوشت (مچھلیوں) کے علاوہ معدنی دولت میں تیل بھی شامل ہے جو اگرچہ بڑی مچھلیوں (وہیل) سے حاصل ہوتا ہے مگر سمندروں کے ساحلی پیندوں میں ڈرل (Drill) کر کے پیٹرولیم کی صورت میں بھی نکالا جا رہا ہے (مثلاً برطانیہ سمندر سے تیل نکال رہا ہے جسے نارتھ سی ائیل کہتے ہیں۔

آیت مبارکہ کا مفہوم اور خلاصہ یہ ہے کہ "سمندروں اور دریاؤں میں سے انسان خوش ذائقہ مچھلیاں پکڑتا ہے اور ان کو بڑے شوق سے کھاتا ہے دوسرے اس سے موتی'

سیپ، مونگا وغیرہ دستیاب ہوتا ہے جو انسان کی زیب و زینت کے کام آتا ہے بالخصوص عورتوں کے۔ ایک مشکل سمندروں سے یہ پیدا ہو گئی تھی کہ زمین کے خشکی کے حصے ایک دوسرے سے ان کی وجہ سے جدا ہو گئے تھے اور ایک جگہ کے رہنے والے دوسری جگہ کے رہنے والوں سے نہیں مل سکتے تھے مگر اس مہربان اور قدرت والے اللہ نے انسان کو عقل دی کہ جہاز اور کشتیاں بنائے تاکہ وہ پانی کو چیرتی ہوئی، پھاڑتی ہوئی ایک کنارے پر رہنے والے انسانوں کو دوسرے کنارے والوں تک باآسانی پہنچا دیں۔ انسان کو اللہ عزوجل کی ان نعمتوں کا شکر گذار ہونا چاہیے"۔

جب تک انسان کو سمندروں کے بارے میں اور جو کچھ ان کے اندر موجود ہے علم نہ تھا تو وہ یہی سمجھتا تھا کہ مچھلیوں کے علاوہ اس سے موتی، سیپ اور مونگے وغیرہ نکلتے ہیں جن کو وہ اپنی سجاوٹ کے لیے بطور گہنا (زیور) کے استعمال کرتا تھا لیکن سمندروں کی کھوج سے اب معلوم ہوتا ہے کہ ان اشیاء کے علاوہ بھی بے شمار حیوانی اور معدنی زندگی موجود ہے جس کا کوئی شمار نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ انسان زمین کے اور سمندر کے خزانوں سے پوری طرح استفادہ نہیں کر سکا اگرچہ اس کے پاس ہر قسم کا جدید ساز و سامان موجود ہے۔ اب تو سمندروں کے بارے میں بحری سائنس، بحری انجینئرنگ اور بحری حیاتیات (Marine Biology) جیسے علوم یونیورسٹیوں میں پڑھائے جاتے ہیں۔ سمندروں میں کس قسم کی حیوانی اور نباتاتی زندگی موجود ہے؟ اس پر تحقیق اور کھوج بھی جاری ہے اور ہو سکتا ہے کہ آئندہ آنے والے وقتوں میں انسان سمندر کی دولت سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کے قابل ہو جائے۔ قارئین کی دلچسپی کو مدنظر رکھتے ہوئے سمندروں میں پائی جانے والی مخلوق کا مختصر جائزہ پیش کرتے ہیں۔

جہاں تک سمندروں میں حیوانی زندگی کا تعلق ہے، وہیل (Whale) مچھلیاں سمندر کے سب سے بڑے حیوان ہیں جو سمندروں کی آقا بنی ہوئی ہیں اور زندہ مخلوق میں بھی جسامت میں بڑی ہیں۔ اس کی حقیقت تو کوئی نہیں بتا سکتا کہ وہ کون سے پستانیہ جانور (Mammals) تھے جہاں سے وہیل مچھلیاں سمندر میں شفٹ کر گئیں یا یہ واقعہ کیسے رونما ہوا یا اب تک ان مچھلیوں کے ساتھ کیا کچھ ہو چکا ہے حتیٰ کہ انہوں نے اتنی بڑی جسامت اختیار کر لی جسے آج ہم جانتے ہیں۔ قدیم لوگوں نے اس مخلوق کے بارے میں

Marfat.com

بڑے افسانے گھڑ رکھے ہیں۔ تاریخ دان پلینی (Pliny) نے لکھا ہے کہ یہ اتنی لمبی اور چوڑی تھی کہ اس نے سمندر کا دو ایکڑ کا رقبہ ڈھانپ رکھا تھا۔ سندباد' ابن الواردی کے حوالہ سے ان کا ذکر کرتا ہے کہ انہوں نے الکذوینی (Al-Qazwiny) کو کہتے ہوئے سنا کہ بحیرہ کیسپین میں بڑے مچھلی حیوان تھے جو مختلف اشکال اور دیوہیکل صورتوں میں تھے جب وہ سمندر سے گزرتے یا ان میں سے جب کوئی ایک سمندر سے گزرتا تھا تو اس کا سر کسی بلند پہاڑ کی چوٹی معلوم ہوتا تھا اور ان کے سر اور دم کے درمیان فاصلے کی جسامت 4 مہینوں میں طے ہوتی تھی" صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قدیم زمانے میں یہ مچھلیاں دیو قامت ہوتی تھیں۔ یہ وہیل مچھلیاں بہت ملنسار مخلوق ہے جو بڑے گروہوں میں رہتی ہے۔ یہ سب گوشت خور ہیں اور چھوٹی مچھلیوں کو کھاتی ہیں چنانچہ ان پر زندہ رہتی ہیں۔ یہ وہیل مچھلیاں موسم سرما میں سمندر کے سرد طبقات سے گرم طبقات میں ہجرت کر جاتی ہیں۔ ان مچھلیوں کا شکار غالباً سولھویں صدی میں شروع ہوا اور وہ لوگ جو یہ شکار کرتے تھے ان حیوانوں کی قوت سے بڑے خوف زدہ ہوتے تھے۔ آج کل ان مچھلیوں کو پکڑنے کے لیے بحری جہاز استعمال ہوتے ہیں جن کے اگلے حصہ پر طاقت ور توپیں ہوتی ہیں۔ جب گن چلائی جاتی ہے تو وہ تیکھے نیزے (بھالے یا کنڈے' کانٹے) پھینکتی ہیں جو وہیل کے جسم میں داخل ہو جاتے ہیں اور اسے بھاگنے سے روک لیتے ہیں۔ ان کی نشان دہی کے لیے بھی جہازوں ہی کا استعمال ہوتا ہے جو مچھلی کا شکار کرنے والے جہازوں کو اس قابل بنا دیتے ہیں کہ وہ کم از کم ہر ٹرپ (Trip) میں اتنی مچھلیاں پکڑیں جس سے کم از کم 600 بیرل سے زائد تیل نکلے۔

وہیل مچھلی کو موم کافوری کے لیے پکڑا جاتا ہے جو قدیم زمانے میں چراغوں میں بطور تیل کے استعمال ہوتا تھا مگر اب بطور چکنائی صابن سازی میں استعمال ہوتا ہے۔ مچھلی کی جلد کے نیچے ایک فٹ سے زائد چربی کی موٹی تہ ہوتی ہے جسے پگھلا کر تیل میں تبدیل کر لیا جاتا ہے۔ ایک وہیل مچھلی میں 200 بیرل پیپے تیل کے ہو سکتے ہیں جو اس کے سر میں بڑی تھیلی سے خارج کیے جاتے ہیں۔ ایک بڑی مچھلی کے سر سے موم کی مقدار 16 ٹن تک پہنچ سکتی ہے اور گوشت کو بطور کھاد کے استعمال کر لیا جاتا ہے۔ انہیں ٹکڑوں کی صورت میں رکھ دیا جاتا ہے اور خشک کر لیے جاتے ہیں اور پھر فروخت کر دیئے جاتے

Marfat.com

ہیں۔ ان کی ہڈیاں بھی مختلف مفید اشیاء کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ اس سے ایک سیاہ مومی چیز بھی نکلتی ہے جسے بطور خوشبو (عنبر اسود) یا مشک عنبر کے استعمال کیا جاتا ہے اور بطور دوا بھی۔ اب یہ مچھلیاں معدوم ہونے (Extinct) کے خطرے سے دو چار ہیں یعنی اب یہ مچھلیاں ختم ہونے کو ہیں چونکہ ان مختلف مقاصد کے استعمال کے لیے ان کی ایک بہت بڑی تعداد کو شکار کر لیا جاتا ہے۔ قدیم مچھلیوں کے مقابلہ میں اب ان مچھلیوں کی جسامت بھی کم ہے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت یونس علیہ السلام کو جس مچھلی نے نگل لیا تھا وہ بھی وہیل مچھلی تھی۔

سمندروں میں ایک اور پستانیہ حیوان پایا جاتا ہے جسے "جل پری" یا ماہی زن (Mermaid) کہتے ہیں۔ شاعرانہ دیو مالائی کہانیوں میں اس جل پری کو بڑے خوبصورت اور پیارے نام دیئے گئے ہیں۔ انسانی ذہن یا تصور میں اس مخلوق کے بڑے خاکے بنے ہوئے ہیں اور ان خاکوں یا تصویروں کی وجہ سے وہ اس کو کسی مخلوق سے بالاتر سمجھتے ہیں حالانکہ جل پری کچھ نہیں محض پستانیہ حیوان ہے جو اپنے بچوں کو دودھ پلاتی ہے۔ لوگ انہیں ماہی زن (Sea-Maiden) یا ماہی مرد (Sea-Man) کا نام دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ مچھلی اور آدمی کے باہمی اختلاط سے پیدا ہوتے ہیں جیسے گدھے اور گھوڑے کے ملاپ کے نتیجہ میں خچر پیدا ہوتی ہے اور یہ افسانوی کہانی بھی مشہور تھی کہ ماہی زن کسی ملاح سے شادی کر سکتی ہے یا ایک ماہی مرد کسی عورت سے شادی کر سکتا ہے جو کہ محض افسانہ ہے اس میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے جل پریاں کچھ نہیں بلکہ سمندری پستانیے جانور ہیں جو اپنے بچوں کو دودھ پلاتے ہیں اور ان کے جسم آبی زندگی اختیار کرنے کے قابل بنائے گئے ہیں۔ یہ مخلوق گروہوں کی صورت میں بڑے سمندروں میں رہتی ہے اور انسان یا حیوان کے لیے بالکل بے ضرر ہے اور سمندری گھاس پر گزارہ کرتی ہے۔ ان کا شکار ان کے لذیز گوشت کی وجہ سے کیا جاتا ہے اور تیل کے لئے بھی جو ان کی جلد کے نیچے پایا جاتا ہے۔ ان کی جلد سے جوتے بنائے جاتے ہیں تاہم یہ بھی اب نابودگی یا ختم ہونے کے راستے پر ہیں۔ ان کے بارے میں دلچسپ بات یہ ہے کہ جب ایک جل پری اپنے بچوں کو دودھ پلاتی ہے تو وہ انہیں ساحل سے بہت دور ایسی جگہ لے جاتی ہے جہاں سمندر کا پانی پرسکون ہوتا ہے اور ان کو اپنی چھاتی کے بالکل نزدیک لے

Marfat.com

جاتی ہے اور سطح آب سے اوپر کر کے دودھ پلاتی ہے۔ لہٰذا ایک فاصلے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بچے چھاتی کے ساتھ اور دم نیچے سمندر کے پانی میں ہوتی ہے اور دیکھنے والے کو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی عورت سمندر میں رہتی ہے یا ایک مخلوق جو نیم انسانی یا نیم ماہی ہے۔ مونث جل پری کی چھاتی پر بغلوں کے پیچھے دو پستان (Teats) ہوتے ہیں جن سے اس کے بچے دودھ پیتے ہوئے ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے کوئی عورت اپنے بچوں کو دودھ پلاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا نچلا حصہ مچھلی کا اور اوپر والا حصہ عورت کا معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ مچھلی کی ایک قسم ہے۔

تیسرا اہم سمندری حیوان سگ ماہی (Sea-Lion) ہے جو شیر کے منہ والی بڑے کانوں والی سیل مچھلی ہے۔ سگ ماہی زیادہ تر سمندر کے ٹھنڈے اور معتدل طبقات میں رہتی ہے اور ان کا شکار ان کی پوستیں (Fur) کے لیے کیا جاتا ہے چونکہ ان کا شکار کرنا ایک منافع بخش تجارت ہے ان کو بھی تیل کے لیے شکار کیا جاتا ہے جو ان کی جلد کے نیچے پایا جاتا ہے لیکن وہیل مچھلیوں یا جل پریوں سے کم ہوتا ہے تاہم ان کا تیل چکنائی میں عمدہ اور خالص ہوتا ہے۔ سگ ماہی کی کھالیں' بٹوے اور عورتوں کے "ہینڈ بیگ" کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ یہ سب وہ سمندری جانور ہیں کہ انہوں نے خشکی چھوڑ کر سمندری زندگی اپنالی۔

سمندروں میں زندہ چیزوں کی بھرمار ہے جن کا زیادہ تر دارومدار خوراک پر منحصر ہے جو ایک مخصوص ماحول میں دستیاب ہو سکتی ہے۔ سمندروں میں پانی کی سطح پہلی زندگی کی تخلیق کا ذریعہ تھی۔ چنانچہ سمندر مختلف اقسام' جسامتوں اور اشکال کے عضویہ سے بھرے ہوئے ہیں۔ مچھلیوں کے علاوہ وہاں اربوں کھربوں کے حساب سے خوردبینی (Microscopic) جانور موجود ہیں۔ بڑے حیوانات کے علاوہ ایسے حیوانات بھی ہیں جن کی جسامت گرد کے دھبے کی جسامت کے برابر ہے' مختلف اقسام کی رنگین چمکدار مچھلیاں بھی ملتی ہیں۔ خوراک کے لیے استعمال ہونے والی لاتعداد اقسام کی مچھلیاں ہیں۔ مچھلیوں کے علاوہ دوسرے جانور بھی مختلف اشکال اور رنگوں کے ہیں۔ سمندری پودوں کی بھی عجیب و غریب اقسام ہیں' حیوانوں کی طرح پودے بھی پانی کی لہروں پر پھیلتے ہیں ان کو پلانکٹون (Plankton) کہتے ہیں یہ یونانی لفظ سے لیا گیا ہے جس کے معنی "آوارہ گرد" کے

Marfat.com

ہیں اور ابتدا میں یہی پلانکٹون سمندر میں زندہ رہنے والوں کی خوراک تھی۔ سمندروں میں عجیب و غریب حیوان بھی ہوتے ہیں جن میں سے اخبوط یا ہشت نیشی صدفہ (Octopus) کہتے ہیں جس کے آٹھ بازوں ہوتے ہیں جو دوسرے جانور مثلاً مچھلیوں کو چوس لیتے ہیں مگر وہیل مچھلی اس جانور کو کھا جاتی ہے اور سمندروں کے پیندے پر دونوں کے درمیان لڑائی ہوتی ہے آخر میں وہیل اسے ہڑپ کر جاتی ہے۔

سمندروں میں قیمتی معدنیات (جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے پائی جاتی ہیں) ایک بڑی مقدار میں مرجان و مونگے (Coral Reefs) بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ زیادہ تر سمندر کے ان طبقات میں ہوتے ہیں جو مقابلتاً گرم ہوتے ہیں اگرچہ یہ قطبی پانیوں میں بھی ملے ہیں اور یہ کیافہ ہے کہ شاید قدیم وقتوں میں آب و ہوا کے یہ سرد طبقات کی بجائے گرم طبقات ہوں۔

مونگے اور مرجان ایسے پانیوں میں پیدا ہوتے ہیں جن کا درجہ حرارت کم از کم 21 درجہ سنٹی گریڈ ہو' مثلاً خلیجی سمندروں کے پانیوں میں زیادہ ہوتے ہیں۔ ہم نے اس مضمون کو طوالت سے بیان کیا ہے تاکہ آپ کو بتایا جائے کہ سمندر میں مختلف انواع کی مخلوق رہتی ہے اور ان میں سے کچھ نے اپنے آپ کو خشکی کو چھوڑ کر سمندری ماحول کا عادی بنا لیا۔ (اگر آپ سمندری مخلوق کے بارے میں مزید مطالعہ کرنا چاہتے ہوں تو بحری حیاتیات و نباتیات (Marine Biology) پر کسی کتاب کا مطالعہ فرمالیں)۔ سمندروں سے سرد پانیوں کی نسبت گرم پانیوں میں زیادہ انواع کی مخلوق پائی جاتی ہے۔ حال ہی میں لوگوں نے محسوس کیا ہے کہ سمندروں میں دولت (Fortune) خشک زمین سے کہیں زیادہ ہے اور قرآن کریم کی آیات جب سمندروں کا ذکر کرتی ہیں تو ہمارے دماغوں کو روشن کرتی ہیں اور ان سے متعلقہ حقائق کی تصدیق کرتی ہیں۔ آپ سورۃ النحل 16 آیت 14 کا مطالعہ فرما چکے ہیں۔ مزید آیات کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے: ارشاد ہوتا ہے

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ ۖ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِغٌ شَرَابُهُ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ۖ وَمِن كُلٍّ تَأْكُلُونَ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُونَ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا ۖ

Marfat.com

ترجمہ: "اور دو دریا (سمندر) برابر نہیں ہیں (بلکہ) ایک تو شیریں و پیاس بجھانے والا ہے جس کا پینا آسان ہے دوسرا کھاری اور تلخ اور تم ہر ایک (دریا) سے لحم تازہ (مچھلیاں) کھاتے ہو (نیز) زیور (یعنی حسن و زیبائش کے لیے موتی، مونگے، مرجان نکالتے ہو جس کو تم پہنتے ہو)

(سورۃ فاطر 35: آیت 12)

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ

ترجمہ: "تمہارے لیے دریا (سمندر) کا شکار پکڑنا اور اس کا کھانا حلال کیا گیا ہے تمہارے انتفاع کے واسطے اور مسافروں کے واسطے"

(سورۃ المائدہ 5: آیت 96)

ارشاد ہوتا ہے:

رَبُّكُمُ الَّذِي يُزْجِي لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ○

ترجمہ: "تمہارا پروردگار تو وہ کارساز مطلق ہے جو سمندر میں تمہاری کشتی (جہاز) چلاتا ہے تاکہ تم اس کا فضل (سامان تجارت و نفع) تلاش کرسکو بلاشبہ وہی تم پر رحم کرنے والا ہے"

(سورۃ بنی اسرائیل 17: آیت 66)

وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ النَّاسَ

ترجمہ: "اور جہازوں میں جو کہ سمندر میں آدمیوں (لوگوں) کے نفع کی چیزیں (اور اسباب) لے کر"

(سورۃ البقرہ 2: آیت 164)

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ○ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ ○ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ○ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ○

Marfat.com

ترجمہ: "اسی نے دو دریاؤں (سمندروں کو (صورۃ ") ملایا کہ (ظاہر میں ملے ہوئے ہیں (اور حقیقتاً ان دونوں کے درمیان میں ایک حجاب (قدرتی) ہے کہ دونوں بڑھ نہیں سکتے (سوائے جن و انس) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دونوں سے موتی اور مونگا برآمد ہوتا ہے"

(سورۃ الرحمٰن 55: آیت 19 تا 22)

سورۃ رحمٰن کی مذکورہ آیات اس نقطے کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ سمندر ایک دوسرے کے اوپر چڑھائی نہیں کرتے یعنی ایک دوسرے کے اوپر نہیں بہتے اس وقت بھی جب وہ آپس میں ملیں۔ یہ ایک سائنسی حقیقت ہے کہ زمین پر اوسط سطح آب ہر جگہ ایک جیسی رہتی ہے۔ جہاں تک سمندروں کا آپس میں ملے ہوئے ہونے کا تعلق ہے جو کہ کشش ثقل زمینی کی وجہ سے ہے اور زمین کے مرکز سے اوسط فاصلہ ہواؤں' موجوں وغیرہ کے تصادم کے باوجود ساکن (Static) ہے۔ یہ ایک حقیقت مسلمہ ہے کہ دریا ہمیشہ سمندروں میں ہی گرتے ہیں اور دریاؤں کا پانی نمکین نہیں ہوتا جب وہ بہتے ہیں اور ان پانیوں سے مروارید' مونگے حاصل ہوتے ہیں اور یہ پتھر بہت قیمتی ہوتے ہیں چنانچہ سمندروں میں آبی دولت موجود ہے جو انسان ازمنہ قدیم سے تلاش کرتا آیا ہے۔ ان سب حقائق کو قرآن حکیم اپنے مخصوص طرز بیان سے واضح کرتا ہے۔ جیسا کہ مندرجہ بالا آیات سے عیاں ہے۔

☆ ○ ☆

Marfat.com

تیرھواں باب

متفرق موضوعات

سبز درخت سے آگ کا نکلنا

"آگ" (Fire) کا لفظ وسیع معنوں میں کسی بھی دھکتی ہوئی تپش کے مظاہر کا احاطہ کرتا ہے۔ یہ عام طور پر چیزوں کے احتراق یا جلنے (Combustion) کے نظر آنے والے اثرات کو ظاہر کرتا ہے جو اس میں جلنے والی چیز کے ایک یا ایک سے زائد جزو کے آکسیجن کے ساتھ کیمیائی ملاپ کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں۔ عام فہم زبان میں جب ہوا کی آکسیجن کسی کاربنی میٹیریل سے کیمیائی ملاپ کرتی ہے تو اس کے نتیجہ میں حرارت' شعلہ اور روشنی پیدا ہوتی ہے اسی شعلے کو آگ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ آگ ایک ایسا عمل ہے جس میں کیمیائی عناصر کا گیسی حالت میں ملاپ ہوتا ہے۔ اسی عمل کو "جلنا" کہتے ہیں جس کے نتیجہ میں آگ پیدا ہوتی ہے (یا شعلہ پیدا ہوتا ہے) اس آگ یا شعلے کے اندر غیر روشن بخارات بھی ہوتے ہیں جنہیں دھواں یا دخان (Smoke) کہتے ہیں۔ جلنے کے عمل کے اختتام پر نہ جلنے والی شے جو باقی رہ جاتی ہے "راکھ" (Ash) کہلاتی ہے۔ گھریلو اور صنعت میں حرارت اور روشنی عموماً ٹھوس (Solid)' مائع (Liquid) یا گیس (Gaseous) اشیاء کے جلنے سے حاصل کی جاتی ہے اسے عموماً ایندھن (Fuel) کہا جاتا ہے جو زیادہ تر کاربنی میٹیریل (Carbonaceous Material) ہوتا ہے جس کا منبع نباتاتی ہے جس کی عمدہ مثال درختوں کی لکڑی ہے۔ لکڑی کے علاوہ لکڑی کا کوئلہ' معدنی کوئلہ بطور ایندھن استعمال ہو تو ان کے جلنے کے نتیجہ میں جو چیز دوسری اشیاء پر جمع ہو جائے اسے کالک (Soot) کہتے ہیں۔ آج کل گھروں اور کارخانوں میں قدرتی گیس (سوئی گیس) اور پٹرولیم یا اس کے دوسرے ماحصل بطور ایندھن استعمال ہو رہے ہیں۔

چونکہ جلنے کا عمل ہوا میں موجود آکسیجن کی وجہ سے ہے لہٰذا اگر اس کی سپلائی کاٹ

Marfat.com

دی جائے تو آگ بجھ جاتی ہے۔ آگ جتنی خطرناک ہے اتنی ہی کارآمد اور مفید بھی ہے اور انسان بچپن سے آخری دم تک آگ کا استعمال کرتا ہے۔ آگ کے بغیر نہ تو ماضی کی کوئی تہذیب زندہ رہی اور نہ ہی موجودہ تہذیب کا زندہ رہنا ممکن ہے۔

جب سے آگ دریافت ہوئی ہے خدا بہتر جانتا ہے کہ "آتش زدگی" سے کتنے انسان اور حیوان لقمہ آتش ہو گئے ہوں گے۔ کتنے ہی جنگلات نظر آتش ہو گئے اور کتنے مکانات خاکستر ہو گئے۔ ایسے بے پناہ اعداد و شمار کا ملنا ناممکن ہے۔ موجودہ مہذب زندگی کا سب سے بڑا خطرہ اتفاقی آگ کا لگ جانا ہے۔ اتفاقی یا غیر ارادی طور پر آگ لگ جانے سے پورا شہر آگ کی لپیٹ میں آ جاتا ہے۔ ایسے واقعات سے آگ کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ بنی نوع انسان کی کرہ زمین پر تقسیم' اس کے پھیلاؤ اور اس کی تہذیب کا ایک طاقتور عامل آگ ہے۔ آگ ہماری جدید صنعتی زندگی کی روح رواں ہے۔ اسی آگ سے ہمارے گھروں کے چولہے روشن ہیں اور انسانی خوراک آگ کے بغیر پکائی نہیں جا سکتی لہٰذا آگ انسانی زندگی کی ضرورت کا جزو لاینفک ہے۔ زمین کے اوپر اب تک جتنے قبائل گزرے ہیں ان سب کے پاس آگ تھی۔ اب ملاحظہ فرمائیے کہ قرآن حکیم آگ کے بارے میں کیا فرماتا ہے۔

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ۝

ترجمہ: "جس نے تمہارے لیے ہرے بھرے (سرسبز) درخت سے آگ نکالی پھر اب تم اس سے سلگاتے ہو (پھر تم یکایک اس سے آگ سلگا لیتے ہو)

(سورۃ یٰس 36: آیت 80)

درحقیقت مذکورہ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کرشمہ سازی بتائی گئی ہے اور بظاہر اس کے بہت سادہ معنی ہیں کہ درخت ہرا بھرا ہوتا ہے پھر ایک مدت بعد وہ سوکھ جاتا ہے اور سوکھی لکڑیوں کو باہم رگڑنے سے آگ پیدا ہو جاتی ہے (آگ پیدا کرنے کا یہ ایک قدیم طریقہ تھا) اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعض سبز درختوں (Green Trees) کے بعض حصوں کو آپس میں رگڑنے سے بھی آگ پیدا ہو جاتی ہے

Marfat.com

مثلاً بانس کا درخت یا عرب میں مرخ اور عقار۔ لیکن سائنس کے نقطہ نگاہ سے اس آیت کے معنوں میں مزید گہرائی ہے اور وہ یہ کہ زمین سے جو کوئلہ، تیل یا گیس کے ذخائر ملتے ہیں وہ بھی سبز درخت یا حیوانات کی ہی بدولت ہیں جو زمین کے اندر کی حرارت اور دباؤ پر لاکھوں اربوں سال دفن رہنے کے بعد مندرجہ بالا اشیاء میں تبدیل ہو گئے۔ کوئلہ یا معدنی کوئلہ تو یقینی طور پر سبز درختوں کے متحجرات (Fossils) ہیں جنہیں ہم بطور ایندھن استعمال کرتے ہیں۔ جس کا ذکر قرآن حکیم کی سورۃ اعلیٰ میں بھی ہے۔ چنانچہ زمین پر خشک یا سبز درختوں سے آگ پیدا ہوتی ہے اور زمین سے بھی جو کوئلہ حاصل ہوتا ہے اس سے بھی آگ پیدا ہوتی ہے تو کیا یہ مظہر قرآن حکیم کی صداقت بیان نہیں کرتا؟۔

اس آیت کریمہ میں ایک اور بھی اشارہ ملتا ہے اور وہ ہے آکسیجن گیس کی ہوا میں موجودگی اور اس کی دریافت کی پیش گوئی جسے ایک فرانسیسی مشہور کیمسٹ لیوازیر (Lavoisier 1743ء تا 1794ء) نے دریافت کر لیا تھا کہ یہ آکسیجن ہی ہے جو جلنے کے عمل کی معاون ہے۔

جہنم کی آگ (نار جہنم)

اکثر حضرات کے ذہنوں میں یہ بات بھی پیدا ہوتی ہے کہ جہنم کی آگ کیسی ہو گی؟ جسے قرآن حکیم میں نار جہنم کہا گیا ہے۔ دنیا میں جو آگ ہے اس کی فطرت سے تو انسان بخوبی واقف ہو چکا ہے مگر جہنم یا دوزخ کی آگ کی فطرت اور حقیقت سے انسان کبھی بھی آگاہی نہیں حاصل کر سکے گا۔ چونکہ اس کا تعلق بھی علم الٰہیات یا مابعد الطبیعیات سے ہے البتہ قرآن حکیم کی ایک آیت کا ذکر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ ارشاد ربانی ہے۔

سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ۝

ترجمہ: ”ان (دوزخیوں کے) کرتے قطران کے ہوں گے اور آگ ان کے چہروں پر لپٹی ہو گی“

(سورۃ ابراھیم 14: آیت 50)

اس آیت کریمہ میں ایک سائنسی حقیقت پنہاں ہے۔ یہاں سائنسی دلچسپی کا لفظ

"قطران" ہے جس کو بعض بزرگ مفسرین نے گندھک یا کول تار جیسا "سیاہ مادہ" کہا ہے۔ لیکن یہ وہ سیاہ مادہ ہے جو کوئلے کی کشید (Distillation) کے بعد باقی چیز بچ جاتی ہے یا پیچھے رہ جاتی ہے۔ یہ سیاہ گاڑھا اور چسپاں ہو جانے والا مادہ ہے۔ آسان لفظوں میں جب کوئلے کو گیس بنانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے تو باقی چیز کو "کول تارپچ" یا "قطران" کہہ سکتے ہیں۔ آج کل اسے سڑکوں پر بھی بچھایا جاتا ہے۔ قطران میں آگ کو جلد پکڑ لینے کی بھی خاصیت ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ آگ پکڑنے والا میٹیریل کاربنی ہوتا ہے' قطران بھی کیمیائی لحاظ سے کاربنی میٹیریل ہے۔ (جس میں کاربن یا کوئلہ ہوتا ہے)۔ غالباً اسی خاصیت کی وجہ سے قیامت کے دن مجرموں کے لباس یا کرتے (سرابیل) اسی قطران کے ہوں گے جو بہت جلد آگ پکڑ لینے والی چیز ہے۔ باقی علم تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور انسان کو بہت کم علم سے نوازا گیا ہے۔

معدنی کوئلے اور تیل (پٹرولیم) کی پیش گوئی

وَالَّذِیٓ اَخۡرَجَ الۡمَرۡعٰی ۞ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحۡوٰی ۞

ترجمہ: "جس نے ہرے بھرے سرسبز چارے کو نشوونما دی' پھر اسے سیاہ کوڑا کرکٹ کر دیا"

(سورۃ الاعلیٰ 87: آیت 4' 5)

اس کی تفسیر جو بیان کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ "یہ بھی اسی کا کام ہے کہ جانوروں کے لیے چارہ زمین سے اگایا۔ پھر اس کو سکھا کر سیاہی مائل اور ہلکا پھلکا کر دیا تاکہ پانی کی رو بہا کر ادھر ادھر لے جاتی ہے اور وہ اس کے اوپر جمع ہو جاتا ہے۔ میرے خیال کے مطابق اس آیت کے معنوں میں بھی ایک گہرائی ہے اور وہ ہے جس کا میں سورۃ یٰسین کی آیت 80 کے ضمن میں بیان کر چکا ہوں کہ لاکھوں اربوں سال پہلے زمین کی سبز نباتات اور جنگلات کسی ارضیاتی تبدیلی کی وجہ سے زیر زمین دب گئے اور چونکہ زمین کے اندر حرارت اور دباؤ یا بے پناہ داب ہوتی ہے جس کے زیر اثر یہ نباتات اور جنگلات کے درخت معدنی کوئلے اور تیل میں تبدیل ہو گئے اگرچہ تیل کے بارے میں وثوق سے کہا جاتا ہے کہ وہ ساحلی علاقوں کے قریب حیوانی زندگی (مچھلیاں اور دوسرے آبی جانوروں)

Marfat.com

کے زمین میں دفن ہونے کی وجہ سے سیاہ مائع میں تبدیل ہو گئے جسے ہم پیٹرولیم کی صورت میں زمین سے نکالتے ہیں لیکن کوئلہ کے ذخائر یقینی طور پر درختوں کے باقیات ہیں چنانچہ سیاہ کوڑا کرکٹ کا اطلاق ان دونوں معدنیات یعنی کوئلے اور تیل پر ہوتا ہے جو رنگ میں سیاہ ہیں۔ کوئلہ تو سیاہ ہے ہی مگر خام پیٹرولیم جو براہ راست زمین سے نکلتا ہے وہ بھی سیاہ ہوتا ہے۔ چنانچہ میری حقیر دانست کے مطابق آیات مبارکہ میں معدنی کوئلے اور تیل (پیٹرولیم) کی پیش گوئی موجود ہے۔

اب سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ آخر یہ درخت اور جانور یعنی نباتات اور حیوانات ہی کیوں زیر زمین چلے گئے یا دفن ہو گئے اردو میں تفسیر لکھنے والے بعض مفسرین اس سورۃ اعلیٰ کی دوسری آیت کا جو ترجمہ کرتے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہے

اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ○

ترجمہ: "جس نے اندازہ ٹھہرایا" اور مفسرین جو انگریزی میں تفسیر لکھتے ہیں وہ اس آیت مبارکہ کا ترجمہ کرتے وقت آرڈر Order اور پروپورشن Proportion کا ذکر کرتے ہیں یعنی جس نے "تخلیق کیا (بنایا) پھر اس کو ترتیب اور تناسب دیا" مقصد یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر تخلیق میں ایک ترتیب اور تناسب رکھا ہے یعنی توازن پیدا کیا ہے۔ ان آیات سے ایک نتیجہ نکلتا ہے کہ زمین پر انسان کے آنے سے پہلے اس پر بہت زیادہ نباتات اور جنگلات ہوں گے۔ اگر یہ قائم رہتے تو فضا میں آکسیجن کا تناسب بڑھ جاتا یا کاربن ڈائی آکسائڈ کا اخراج بڑھ جاتا اور فضا میں ان گیسوں کی مقدار کا تناسب بگڑ جاتا۔ یا وہ ترکیب بدل جاتی جس میں انسان اور حیوان زندہ رہ سکتے ہیں اور سانس لینے میں کوئی دشواری محسوس نہیں کرتے لہٰذا عین ممکن ہے کہ اس تناسب کو برقرار رکھنے کے لیے قدرت نے ان جنگلات کو دفن کر دیا ہو اور ان کی صرف اتنی مقدار زمین پر رہ گئی ہو جو ضروری تھی اور دفن شدہ نباتات' جنگلات اور حیوانات کوئلے اور پیٹرولیم میں تبدیل ہو گئے اور اب یہ پیٹرولیم زمین کی مخصوص تہوں میں مائع کی طرح بہہ رہا ہے۔

دوزخ کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے!

سورۃ ابراھیم کی آیت 50 جس کا ذکر صفحہ 316 پر کیا گیا ہے سے واضح ہوتا ہے کہ

Marfat.com

دوزخیوں کے کرتے "قطران" کے ہوں گے جو احتراق کے نقطہ نگاہ سے یہ ایسا میٹیریل ہے جو آگ کو جلد پکڑلیتا ہے اور یہ آگ شعلوں والی آگ ہو گی جو دوزخیوں کے چہروں پر لپٹی ہو گی۔ قرآن حکیم کی سورۃ التحریم 66 کی آیت 6 میں ایک ایسی آگ کا ذکر کیا گیا ہے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے۔ ارشاد ہوتا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۝

ترجمہ: "اے ایمان والوں اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جس پر تندخو زبردست فرشتے مقرر ہیں۔ نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی اس میں جو انہیں فرمائے اور وہی کرتے ہیں جو حکم ہو"

(سورۃ التحریم 66: آیت 6)

اس آیت کی تفسیر بیان کرتے وقت مفسرین نے لکھا ہے۔ کہ دوزخ اللہ کا انکار کرنے والوں اور پتھر کے بتوں کے لیے بنی ہے وہی اس کا ایندھن بنیں گے۔ اور بعض مفسرین نے پتھر کی بجائے پتھر کے بتوں کا ذکر کیا ہے اگرچہ قرآن حکیم میں صرف "پتھر" کا ذکر ہے۔ قاموس القرآن میں "وقود" کے معنی ایندھن لکھے ہیں۔ جہاں تک دوزخ میں پتھر کے بطور ایندھن استعمال ہونے کا تعلق ہے اس کے بارے میں کوئی سائنسی تاویل نہیں دی جا سکتی مگر ہر چیز اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے چنانچہ ہر چیز ممکن ہے۔ لیکن انسانی ذہن میں یہ سوال ضرور پیدا ہو سکتا ہے کہ دوزخ میں کون سا پتھر ہو گا جو بطور ایندھن استعمال ہو گا؟ وہ انسان جو منکر خدا ہیں وہ دوزخ کا ایندھن ہوں گے۔ یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ آگ انسان کو جلا کر راکھ کر سکتی ہے جیسا کہ یہ بات ہمارے مشاہدہ میں آئی ہے کہ ہندو اپنے مردوں کو لکڑی کی آگ سے جلاتے ہیں جو جلنے کے بعد راکھ اور جلی ہوئی ہڈیوں کا ڈھیر ہو جاتے ہیں لیکن جہاں تک پتھروں کا تعلق ہے خواہ وہ پتھروں سے بنائے گئے بت ہی کیوں نہ ہوں وہ کیسے دوزخ کا ایندھن ہوں گے؟ ایندھن جلنے کے عمل

Marfat.com

کو جاری رکھتا ہے جس میں شعلہ یا آگ پیدا ہوتی ہے۔ دوزخ کے پتھر کے بارے میں تو کچھ نہیں کہا جا سکتا البتہ اس آیت میں ایسے پتھر یا معدن کی نشان دہی کی گئی ہے جو زمین کے قشر ارض میں موجود ہے۔ ان معادن میں ایسی دھاتیں موجود ہیں جو تابکار ہیں جو ایک مخصوص عمل کے ذریعے بے پناہ حرارت پیدا کرتی ہیں مگر ان میں دھوآں یا شعلہ پیدا نہیں ہوتا۔ یہ تابکار دھاتیں ہیں یورینیم' پلوٹونیم اور تھوریم۔ یہ عناصر قدرتی طور پر پتھروں یا پتھریلے ذرات (ریت) کے ذخائر کی صورت میں ملتے ہیں مگر یہاں ہر عنصر کا ذکر کرنے کے لیے ایک الگ کتاب کی ضرورت ہے۔ ہم یہاں صرف یورینیم دھات کا ذکر کریں گے جو چھ اقسام کے پتھروں میں موجود ہے جن سے اس دھات کو خارج کر لیا جاتا ہے اور پھر یورینیم کو یورینیم ڈائی آکسائڈ (UO_2) کے طور پر ایک بھٹی میں استعمال کیا جاتا ہے جسے نیوکلیری ایکٹر کہتے ہیں۔ موخر الذکر یورینیم کا ایک آکسائیڈ ہے اور بطور ٹھوس ایندھن کے استعمال ہوتا ہے جسے ایٹمی ٹیکنالوجی کی اصطلاح میں نیو کلیر فیول (Nuclear Fuel) کہا جاتا ہے۔ یورینیم دھات کا سالمی وزن 235 ہے اور اس کے ایک ہم زاد کا وزن 238 ہے چنانچہ ان کو U235 یا U238 کے مخفف میں لکھا جاتا ہے۔ جب یورینیم کے مرکزے کو توڑا جاتا ہے تو یہ عمل نیوٹران (نیوٹرل ایٹمی ذرات) سے کیا جاتا ہے تو یورینیم کا ایک ایٹم تقریباً دو حصوں میں پھٹ جاتا ہے۔ ان حصوں میں ایک حصہ بیریم اور دوسرا کرپٹون کے مرکزوں پر مشتمل ہوتا ہے اور اس انشقاق (Fission) کے نتیجہ میں 2 یا 3 نیوٹران خارج ہوتے ہیں اور ساتھ ہی 200 ملین الیکٹرون وولٹ توانائی خارج ہوتی ہے جو کہ بے پناہ توانائی ہے۔ اگر اس توانائی کو کنٹرول کر لیا جائے تو یہ بطور پاور یا بجلی پیدا کرنے کے لئے استعمال ہو سکتی ہے۔ اگر کنٹرول نہ کیا جائے تو یہ ایٹم بم بن جاتی ہے۔ اگر پہلے نیو کلیر عمل (Reaction) سے خارج ہونے والے نیوٹران (ایٹمی ذرات) کو دوسرے یورینیم کے ایٹموں کے انشقاق (پھاڑنے) کے لیے استعمال کیا جائے تو ایک نہ ختم ہونے والا نیوکلیر عمل شروع ہو جاتا ہے جس کو زنجیری عمل (Chain Reaction) کا نام دیا گیا ہے۔ ایک سیکنڈ کے بعد 2 ملین یورینیم کے ایٹم پھٹ جاتے ہیں۔ اس کے 1/1000 سیکنڈ کے وقفے میں 40 بلین (Billion) ایٹم پھٹیں گے اور پھر 400 ٹریلین (Trillion) الغرض عمل تیز سے تیز تر ہوتا جاتا ہے۔ چنانچہ ایٹمی ری ایکٹر میں گریفائٹ کے بلاک استعمال

Marfat.com

ہوتے ہیں اور ان میں یورینیم ڈائی آکسائڈ ایندھن کی سلاخوں کو الگ الگ رکھا جاتا ہے تاکہ خارج ہونے والے ان نیوٹران کو آہستہ کیا جائے اور عمل کو کنٹرول کر لیا جائے۔ علاوہ ازیں "ری ایکٹر" میں بوران اور کیڈمیم دھات کی سلاخیں بھی داخل کی جاتی ہیں جو نیوٹران کو جذب کر لیتی ہیں۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو ایٹمی ری ایکٹر پھٹ کر ایٹم بم بن جائے اور ناقابل اندازہ تباہی مچا دے۔ چنانچہ یہ دھات ایسی ہے جو کہ آکسائیڈ (مرکب معدن) کے طور پر استعمال ہوتی ہے، جلتی ہے شعلہ یا دھواں پیدا نہیں ہوتا مگر بے پناہ حرارت پیدا ہوتی ہے جسے اونچے دباؤ پر بھاپ یا مائع سوڈیم دھات میں جذب کر کے بوائلروں میں بھاپ پیدا کی جاتی ہے جو ٹربائن کو چلاتی ہے اور ٹربائن جنریٹر کو جس سے بجلی پیدا ہوتی ہے جو شہر کو سپلائی کی جاتی ہے۔ یہ دھاتیں بہت ہی معمولی مقدار میں زمین کی بالائی تہہ میں ملتی ہیں مثلاً یورینیم دھات کی مقدار 0.003 تا 0.0004 فی صد یا اوسطاً ایک ٹن زمین میں تقریباً 3 گرام یورینیم ہوتی ہے تاہم یہ سونے، پلاٹینم اور چاندی کی مقدار سے زیادہ ہے۔ الغرض یہ دھاتیں ایٹمی ٹیکنالوجی میں استعمال ہو رہی ہیں۔

چنانچہ زمین میں ایسے پتھر ضرور موجود ہیں جو جلتے ہیں، حرارت پیدا کرتے ہیں مگر شعلہ یا دھواں پیدا نہیں ہوتا عین ممکن ہے کہ دوزخ میں اسی قسم کے پتھر ہوں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات رحیم و کریم ہے وہ اتنی شدید آگ میں یا درجہ حرارت پر جلانے کی بجائے ان گنہگار بندوں کو بخش بھی سکتی ہے

آتش نمرود اور حضرت ابراہیم علیہ السلام

آخر میں ایک اہم تاریخی واقعہ بیان کر کے اس موضوع کو ختم کرتا ہوں چونکہ اس کا تعلق بھی آگ ہی سے ہے۔ یہ واقعہ ابوالانبیا حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے متعلق ہے۔ آپ کی قوم صابی یعنی ستارہ پرست تھی۔ مگر آپ کی فطرت سلیم نے بچپن ہی سے صابیت سے، جو بت پرستی ہی کی ایک شکل تھی، انکار کر دیا تھا اور ہر قسم کی ترغیب و ترتیب سے بے پرواہ ہو کر اعلان کر دیا "میں نے تو ہر طرف سے کٹ کر زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے کی طرف اپنا رخ کر لیا ہے۔ میں مشرکوں میں شامل نہیں رہ سکتا" حق پرستی سے

Marfat.com

جرم میں بادشاہ وقت (نمرود) نے آپ کو آگ میں ڈالا مگر بحکم الٰہی وہ آگ آپ کے لیے ٹھنڈک اور سلامتی کا باعث بن گئی۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝

ترجمہ: "(انہوں نے ابراہیم کو آگ میں ڈال دیا) ہم نے آگ کو حکم دیا کہ اے آگ ابراہیم پر بے حرارت (ٹھنڈی) ہو جا اور اس کے لیے سلامتی کا باعث بن جا"

(سورۃ الانبیا 21: آیت 69)

علامہ اقبالؒ نے اسی واقعہ کو ذہن میں رکھ کر مندرجہ ذیل اشعار میں بڑی خوبصورتی سے ترجمانی فرمائی ہے۔

آگ ہے اولاد ابراہیمؑ ہے، نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے

☆ ☆

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

آپ پر آگ کا ٹھنڈا ہو جانا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک زبردست معجزہ بھی کہہ سکتے ہیں جیسا کہ گزشتہ صفحات میں آپ مطالعہ فرما چکے ہیں کہ اگر ہوا سے آکسیجن کو فوری خارج کر دیا جائے تو آگ بھی فوراً بجھ جاتی ہے۔ فی زمانہ ایسے میٹریل تیار ہو گئے ہیں جو آگ روک یا فائر پروف (Fire Proof) ہیں ان میں مخصوص پینٹ (Paints) اور ایسبیس ٹاس (Aesbestos) قابل ذکر ہیں۔ ایسا کپڑا بھی ایجاد ہو گیا ہے اگر آپ اس کا اپنے ہاتھ میں دستانہ پہن کر کسی بھٹی میں ہاتھ ڈال دیں تو وہ نہیں جلے گا۔ اسی طرح ایسا لباس بھی تیار کر لیا گیا ہے جو خلا نورد (Astronaut) یا آگ بجھانے والے پہن لیتے ہیں تو اس پر آگ اثر نہیں کرتی۔ خلائی سفر کے دوران ایسا خلائی لباس پہنتے ہیں جس پر نہ صرف آگ بلکہ خلائی اثرات بھی نہیں ہوتے اور وہ اسی لباس میں خلائی سٹیشن "میر" سے خلا میں چہل قدمی کر لیتے ہیں۔

قارئین کے لیے یہ بات خالی از دلچسپی نہ ہوگی کہ قرآن حکیم میں ایسے کرتے یا

Marfat.com

لباس کی بھی پیش گوئی کی گئی ہے جو حرارت روک ہو گا۔ ارشاد ہوتا ہے

وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ

ترجمہ: "اور تمہارے لیے کرتے (لباس) بنا دیئے جو گرمی (آگ) کا بچاؤ ہیں"

(سورۃ النحل 16: آیت 81)

چنانچہ ایسا لباس جو گرمی (آگ) سے بچائے بھی خدائے عزوجل کی ایک نعمت ہے۔ اور یہ لباس بنانا بھی اللہ تعالیٰ نے ہی انسان کو سکھایا ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت ساری نعمتوں سے نوازا ہے یہ بھی ایک نعمت ہے اور آگ سے بچاؤ کی یہ نعمت کوئی معمولی نعمت نہیں ہے۔

آگ کا محرک آکسیجن گیس ہے اور اس کی مخالف کاربن ڈائی آکسائڈ ہے چنانچہ آج کل آگ بجھانے والے آلہ جات تیار ہو گئے ہیں جو کاربن ڈائی آکسائڈ پیدا کر دیتے ہیں جسے آگ پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح ایسے کیمیکلز بھی ایجاد ہو گئے ہیں اگر انہیں آگ پر چھڑک دیا جائے تو آگ پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

قرآن' زمین اور زراعت

مردہ زمین کیسے زندہ ہو جاتی ہے؟

اللہ عزوجل آسمان سے مینہ برساتا ہے تو مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے۔ سبزہ اور کھیت لہلہانے لگتے ہیں۔ دل میں پاک جذبات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ جان بخش ہواؤں کے جھونکے دل اور جان کو ہر وقت تر و تازہ رکھتے ہیں۔ جسم اور جان دونوں میں نشاط کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ آدمیوں اور جانوروں کے کھانے پینے کا سامان افراط کے ساتھ پیدا ہو جاتا ہے اسی بات کو قرآن حکیم بڑی خوبصورتی سے بیان فرماتا ہے۔ مندرجہ ذیل آیت اور اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝

Marfat.com

ترجمہ: ”اور اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس نے زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کیا اس میں ان لوگوں کے لیے نشانی ہے جو سنتے ہیں“

(سورۃ النحل 16: آیت 65)

درحقیقت اس آیت کریمہ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ جس طرح زمین مرنے کے بعد بارش سے زندہ ہو جاتی ہے اسی طرح قیامت کے دن مردوں کو زندہ کیا جائے گا یعنی اگر اس بات کو سمجھنا ہے تو باران رحمت پر غور کرو زمین بارش سے کیسے زندہ ہو جاتی ہے؟ اس کے متعلق چند سائنسی حقائق بیان کرتے ہیں جو زمین کو زندہ کرنے میں کار فرما ہیں۔ مردہ زمین سے مراد ایسی زمین جو نباتات کو اگانے کی اہلیت کھو بیٹھی ہو، بنجر اور دھول اڑ رہی ہو، بیابان ہو، زراعت کے قابل نہ رہی ہو۔ جب باران رحمت ہوتی ہے تو زمین میں نباتات (یعنی پودے، درخت، فصلیں وغیرہ) پیدا کرنے کی صلاحیت زندہ ہو جاتی ہے۔ قرآن حکیم میں جہاں بارش کا ذکر آتا ہے وہاں بعض آیات میں مردہ زمین کے زندہ ہو جانے کا بھی ذکر آتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ بارش کے پانی اور زمین کی زرخیزی یا اس کی تغذیات سے گہرا تعلق ہے۔ زراعت و باغبانی سے متعلقہ لوگ بخوبی جانتے ہیں کہ بیج کے اگانے یا پودوں کی نشوونما کے لیے سورج کی روشنی، حرارت، ہوا، مٹی اور پانی کی ضرورت ہے۔ یہ سارے عامل موجود ہوں تو پودا زندہ رہ سکتا ہے مثلاً روشنی و حرارت بھی ہو، ہوا بھی ہو، مٹی بھی ہو مگر پانی نہ ہو نہ تو بیج اُگے گا اور نہ ہی پودا زندہ رہ سکے گا بلکہ سوکھ جائے گا۔ اب ہم ہر عامل کا الگ الگ ذکر کریں گے جو پودے کی نشوونما کے لیے بے حد ضروری ہے۔

الف۔ مٹی سے غذا کی فراہمی: پودے اپنی غذائی ضروریات پورا کرنے کے لیے مٹی سے چودہ مختلف عناصر استعمال کرتے ہیں انہیں دو گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

1۔ کلاں تغذیات (Macronutrients) یہ وہ عناصر ہیں جو پودے زیادہ مقدار میں جذب کرتے ہیں اور ان کی تعداد چھ ہے۔ ان میں فاسفورس، نائٹروجن، پوٹاشیم، کیلیم، میگنیشیم اور سلفر (گندھک) شامل ہیں۔

2۔ خورد تغذیات: (Micronutrients) یہ وہ عناصر ہیں جو پودے کم مقدار میں

Marfat.com

استعمال کرتے ہیں ان میں لوہا' مینگانیز' کاپر (تانبا) بوران' مالیبڈنیم' کلورین' کوبالٹ اور جست ہیں یہ عناصر رواں (Ions) کی صورت میں معدنی ذرات (مٹی کے ذرات) سے چپک جاتے ہیں جہاں سے پودے انہیں اپنی جڑوں کے ذریعے پانی کے ساتھ جذب کر لیتے ہیں۔

3۔ خوردبینی اجسام یوں تو زمین میں کئی حشرات اور جاندار پائے جاتے ہیں مگر ان کے علاوہ زمین میں خورد بینی اجسام کے کئی خاندان' اجناس اور انواع قدرت کے کئی کاموں پر مامور ہیں۔ ان اجسام کو بغیر خورد بین (Microscope) کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ ان میں سب سے زیادہ تعداد جراثیم کی ہے جن کا ذکر آتے ہی انسان خوف زدہ ہو جاتا ہے کیونکہ انہی میں سے بعض جراثیم انسان کی کئی بیماریوں کا باعث ہوتے ہیں۔ درحقیقت ان میں سے صرف ایک فیصدی جراثیم ضرر رساں ہوتے ہیں باقی یا تو بے ضرر ہوتے ہیں اور انسان کے کسی نہ کسی مفید کام میں آتے ہیں۔ مٹی میں جراثیم کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ جب نباتات اور حیوانات اپنی زندگی کا دور ختم کرتے ہیں تو یہ جراثیم حیاتی اور کیمیائی عمل سے ان کے مردہ اجسام میں مکمل تحلیل کرتے ہیں اور اس تحلیل سے خوراک کے اجزاء دوبارہ اگتے ہوئے پودوں کی خوراک کے کام آتے ہیں اور اس طرح زندگی کا دور اور اس کا نظام قائم رہتا ہے۔

جراثیم دن رات قدرت کے کئی کارخانوں میں مصروف رہتے ہیں۔ وہ جراثیم جو زراعت کے لیے مفید ہیں ان کو تین گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ جراثیم ہیں جو براہ راست ہوا کی نائٹروجن کو ثبت (Fix) کر کے اس کو پودوں کی خوراک کے لیے مہیا کرتے ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جو پھلی دار اجناس کی وساطت سے ہوا کی نائٹروجن کو ثبت کرتے ہیں۔ دراصل پھلی دار اجناس کی جڑوں پر چھوٹی چھوٹی سفید گھنڈیاں ہوتی ہیں جن کے اندر اس قسم کے جراثیم ہوتے ہیں جو مٹی میں جڑوں کے قریب ہوا میں سے نائٹروجن کو لے کر پودوں کو خوراک کے لیے مہیا کرتے ہیں اور خود اپنی خوراک انہی پودوں سے حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح جراثیم اور پودوں میں ایک باہمی تعاون کا سلسلہ قائم ہو جاتا ہے۔ تیسرا گروہ ان جراثیم کا ہے جس کے عمل سے پودوں کی خوراک کے اجزا نامیاتی (Organic) قید سے آزاد ہو کر پودوں کے لیے مہیا ہوتے ہیں۔ دوران عمل

میں کئی اور چیزیں بھی ان سے حاصل ہوتی ہیں مثلاً وٹامن' ہارمون' سمیات وغیرہ اس قسم کی چیزیں جو کئی طرح عمل انگیز ہوتی ہیں مگر جن کی اصلیت کے متعلق ابھی تک پورا پتہ نہیں چل سکا۔ انہی جراثیم سے کئی خامرات (Enzymes) بھی حاصل ہوتے ہیں جن پر کئی عوامل کا انحصار ہے مثلاً خامرہ یوریس کی وجہ سے یوریا کھاد' امونیم کاربونیٹ میں فوراً تبدیل ہو جاتی ہے۔ خامرے ایسے کیمیائی مرکبات ہیں جو زندہ اجسام میں واقع ہونے والے مختلف کیمیائی عوامل میں معاون ثابت ہوے ہیں مثلاً انہظام (Digestion) کے عمل میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ مٹی میں نمی موجود ہو تو یہ تعاملات رونما ہوتے ہیں۔

حرارت یا تپش: جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے تحلیل (Decomposition) کا عمل مٹی میں رہنے والے مخصوص خوردبینی اجسام (خورد حیاتیوں) کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ان اجسام کو زندہ رہنے کے لیے اور اپنے افعال کو خوبی سے انجام دینے کے لیے ایک خاص تپش (حرارت) کی ضرورت ہوتی ہے۔ بیجوں کے اگنے کے لیے مخصوص تپش کی ضرورت ہوتی ہے جو کہ مختلف اقسام کے بیجوں کے لیے مختلف ہے۔ اگر مٹی کی تپش بہت کم یا بہت زیادہ ہو تو جڑوں کی بالیدگی بھی متاثر ہوتی ہے۔ جڑوں کے ذریعے پودے پانی اور خوراک حاصل کرتے ہیں چنانچہ جڑوں کو اپنا کام کرنے کے لیے مناسب تپش کی ضرورت ہوتی ہے۔

ب۔ مٹی میں ہوا کی اہمیت: جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے مٹی میں بہت سے اجسام خوردبینی رہتے ہیں۔ ان سب کو سانس لینے کے لیے آکسیجن کی ضرورت ہوتی ہے یہ آکسیجن انہیں اس ہوا سے ملتی ہے جو ان خالی جگہوں میں موجود ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر مٹی میں ہوا موجود نہ ہو یا آکسیجن نہ ہو تو پودوں کی جڑیں اپنے افعال سرانجام نہیں دے سکتیں مزید برآں تحلیل کی رفتار سست ہو جاتی ہے کیونکہ تحلیل کنندگان کو مناسب آکسیجن نہیں ملتی۔

ج۔ پودوں کے لیے روشنی یا دھوپ: دھوپ بھی ضروری ہے چونکہ پودوں میں فضا سے خوراک حاصل کرنے کے لیے ایک کیمیائی عمل ہوتا ہے جسے آپ شعاعی یا ضیائی تالیف (Photosynthesis) کہتے ہیں۔ یہ کیمیائی عمل فضا میں موجود کاربن ڈائی آکسائڈ اور پانی کے مابین ہوتا ہے جو پودوں کے پتوں میں سبز رنگ کے مرکب کلورو فل

Marfat.com

(Chlorophyll) کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کاربن ڈائی آکسائڈ اور پانی روشنی کی موجودگی میں مذکورہ کیمیائی عمل کی وجہ سے فارمل ڈی ہائڈ (Formaldehyde) میں تبدیل ہو جاتا ہے جو فوری طور پر خلوی مادہ Cellulose (لکڑی یا پودے کے ریشوں) میں اور آکسیجن میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ خلوی مادہ پودے اپنی خوراک کے طور پر استعمال کر لیتے ہیں اور آکسیجن فضا میں چھوڑ دیتے ہیں جو جانداروں کے لیے سانس لینے کے کام آتی ہے۔ چنانچہ ضیائی تالیف کے لیے پانی لازمی ہے۔

پہلے خیال تھا کہ پودا صرف پانی سے بنتا ہے اور زمین اس کو محض سہارا دیتی ہے اس کے بعد یہ خیال پیش کیا گیا کہ پودے کی نشوونما کے لیے قلمی شورہ (KNO_3) ضروری ہے لیکن کچھ عرصہ بعد سائنس دانوں نے ثابت کیا کہ پودے کی بالیدگی اور تن پروری کے لیے ایک اور نامعلوم چیز کی بھی ضرورت ہے جو بارش کے پانی میں کرہ ہوائی سے حاصل ہوتی ہے۔ آج یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ بارش کے پانی میں شورے کا تیزاب یا نائٹریٹ ہوتا ہے جو بجلی کی چمک سے ہوا کی نائٹروجن اور آکسیجن کے ملاپ سے پیدا ہوتا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا تھا کہ پودوں کو نائٹروجن کی ضرورت ہے اور اب زرعی سائنس نے اپنے تجربات سے ثابت کیا ہے کہ پودوں کو نہ صرف نائٹروجن بلکہ فاسفورس اور پوٹاشیم (تین اہم عناصر) کی از حد ضرورت ہوتی ہے اور یہ تینوں عناصر قدرت نے زمین میں پیدا کر رکھے ہیں۔ اگر زمین میں ان کی کمی ہو جائے تو مختلف کھادیں (حیوانی نباتاتی) قدرتی یا مصنوعی کھادیں جو کارخانوں میں تیار ہوتی ہیں ڈالی جاتی ہیں۔ ان کھادوں کے پودوں کو ڈالنے کے بعد پانی نہایت ضروری ہوتا ہے۔ یہ بات اب ثابت ہو چکی ہے کہ بارش کا پانی زمین کی زرخیزی میں اضافہ کر دیتا ہے اور نائٹروجن کے مرکبات زمین میں جذب ہو کر پودوں کے لیے کھاد کا کام کرتے ہیں۔

د۔ **زمین سے بیج کا اگنا:** اگر زمین بالکل خشک ہو یعنی اس میں نمی (Moisture) تک نہ ہو تو بیج نہیں اگ سکتا بلکہ یونہی پڑا رہے گا اور ایک عرصہ بعد تحلیل ہو کر ضائع ہو جائے گا۔ خشک زمین میں نباتات کے بیج عموماً بکھرے ہوتے ہیں، سطح زمین کے اوپر بھی اور مٹی کے اندر بھی موجود ہوتے ہیں یا پھر بعض ادنیٰ نباتات (مثلاً گھاس وغیرہ) کی جڑیں بھی ہو سکتی ہیں۔ جب ان پر مینہ برستا ہے تو بیج اگ آتا ہے اور زندہ پودوں کی جڑیں

Marfat.com

پھوٹ پڑتی ہیں۔ بعض لوگ درختوں کو بے جان سمجھتے ہیں حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔ پودوں، درختوں بلکہ سبھی قسم کی نباتات میں بھی خلیے ہوتے ہیں ان کی ساخت بھی وہی ہوتی ہے جو حیوانات کے خلیوں کی ہوتی ہے۔ نباتات اور حیوانات (ابتدائی آفرینش ہیں جیسا کہ آپ پانچویں باب میں مطالعہ فرما چکے ہیں) کی زندگی کا آغاز واحد ۃ الخلیہ سے ہوا تھا۔ شروع میں جو خلیہ پیدا ہوا اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ بھی سبزی مائل تھا پھر یہ خلیہ کثیر خلوی بن گیا اور مختلف حالات کے تحت نباتات اور حیوانات میں تبدیل ہو گیا۔ وہ کیسے ہوا؟ سائنس دان اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے یا ایک بے جان چیز ایک جاندار چیز میں کیسے تبدیل ہو جاتی ہے ابھی تک یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکا بلکہ یہی کہا جاتا ہے کہ یہ محض ایٹموں اور سالموں کی ترتیب و تنظیم میں فرق کی بدولت ہے یعنی زندہ چیزوں کی ساخت میں ایٹم اور سالمے ایک کامل ترتیب سے موجود ہوتے ہیں مگر ایک بے جان چیز ایک چوکھٹ یا دہلیز کو پار کرتے ہیں جس کا ادراک فی الحال مشکل ہے۔

تاہم جب بارش ہوتی ہے تو بارش کے پانی سے بیج کا بالائی خول نرم ہو جاتا ہے چونکہ مسام دار ہوتا ہے لہٰذا پانی کو جذب کر لیتا ہے جس سے بیج کے اندر موجود خامرے (Enzymes) اپنا کام شروع کر دیتے ہیں یعنی پودے کا نظام انہضام کام کرنا شروع کر دیتا ہے۔ پانی سے ایک ایسی قوت ملتی ہے کہ پودے کی ایک ننھی سی کونپل پھوٹ پڑتی ہے اور زمین کے باہر آجاتی ہے۔ باٹنی کی زبان میں اس ننھے پودے کی کونپل کو پودے کی جنین (Embryo) کہتے ہیں۔ بیج کے اندر قدرت نے ایک مکمل پودا یا درخت رکھا ہوتا ہے۔ اگر آپ کسی بیج مثلاً مونگ پھلی کے یا چنے کے بیج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیں تو ان کے مرکز میں آپ کو ایک نہایت ہی چھوٹا سا (جو خوردبینی جسامت کا بھی ہو سکتا ہے) پودا نظر آئے گا اور ہلکا سا سبز رنگ بھی ہو گا۔ اس میں تنا، شاخیں حتیٰ کہ جڑیں بھی ہوتی ہیں۔

مردہ زمین کے زندہ ہونے سے مراد یہی ہے کہ بارش کے بعد زمین پر چاروں طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آنے لگتا ہے اور کھیت لہلہانے لگ جاتے ہیں۔ درخت دھل جاتے ہیں اور ان کے پتے مزید سبز ہو جاتے ہیں اور یہی حقیقت ہے جس کا ذکر مذکورہ آیت کریمہ میں کیا گیا ہے۔ اسی حقیقت کو ایک اور آیت میں بیان فرما دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَتُصْبِحُ الْأَرْضُ مُخْضَرَّةً

ترجمہ: "کیا تو نے نظر نہیں کی۔ کہ اللہ ہی نے آسمان سے پانی اتارا۔ پھر زمین سرسبز ہو گئی"

(سورۃ الحج 22: آیت 63)

یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہ' کے علم' رحمت اور قدرت کا اسی سے اندازہ کر لو کہ ویران اور خشک زمین کو آسمان سے پانی برسا کر ذرا سی دیر میں ہری بھری کر دیتا ہے۔ مینہ برستے ہی زمین کی حالت کچھ سے کچھ ہو جاتی ہے۔ ہر طرف سبزہ لہلہانے لگتا ہے۔ خشکی دور ہو کر تری اور تازگی آتی ہے۔

قرآن اور تخلیق انسان

انسان کی پیدائش کے مراحل

قرآن حکیم میں جنینیات (Embryology) یا علم الاجنین کا ذکر ہے اور نہایت اختصار مگر جامع الفاظ میں انسان کی پیدائش کے بارے میں تقریباً پچھتر کے قریب آیات ربانی ہیں خاص طور پر سورۃ الزمر 39 کی آیت 6 کے معنی تو صاحبان عقل کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتے ہیں کہ یہ باتیں آج سے چودہ سو سال پہلے بتا دی گئی تھیں جب اناٹومی (Anatomy)' علم افعال العضاء (Physiology) اور فن جراحت (Surgery) اس مقام پر نہیں پہنچی تھی جس مقام پر آج ہے اور آج کی میڈیکل سائنس نہ صرف ان حقائق کی تصدیق کرتی ہے بلکہ رہنمائی بھی حاصل کر رہی ہے۔ آج علم الاجنین پر ضخیم کتابیں موجود ہیں جو میڈیکل کے طلبہ و طالبات کے کورس میں شامل ہیں مگر قرآن حکیم نے انسان کی نشوونما کی تفصیل کو چند آیات میں بیان فرما کر سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ ایسے بے شمار حقائق ہیں جو قرآن حکیم کے الہامی کتاب ہونے کی تصدیق کرتے ہیں اور ایک غور و فکر کرنے والے انسان کا ایمان پختہ سے پختہ تر ہوتا جاتا ہے۔ انسان کی تخلیق کے بارے میں جو آیات موجود ہیں آج کی میڈیکل سائنس کسی بھی نقطہ نظر سے ان کی نفی نہیں کرتی۔ ہم یہاں تمام آیات کو فرداً فرداً زیر بحث نہیں لائیں گے بلکہ چند آیات کا ذکر

Marfat.com

کریں گے۔ تاہم ان آیات کے بیانات کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

1۔ انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔ 2۔ انسان بجتے ہوئے گارے سے پیدا ہوا۔ 3۔ انسان کی پیدائش پانی سے ہوئی۔ 4۔ انسان کی پیدائش نفس واحد سے ہوئی۔ 5۔ انسان کی تخلیق ایک حقیر پانی سے ہوئی۔ 5۔ انسان رحم سے پیدا ہوا ہے۔ 7۔ انسان ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ 8۔ انسان خون کی بوند سے پیدا کیا ہوا ہے۔ 9۔ انسان ضعیف (کمزور) پیدا ہوا ہے۔ 10۔ انسان اچھی صورت پر پیدا ہوا ہے۔ 11۔ بنی آدم کی پشت سے خدا نے اس کی ذریت نکالی۔ 12۔ انسان جلد باز پیدا ہوا ہے۔ 13۔ انسان عبادت کے لیے پیدا ہوا۔ 14۔ انسان کے پیدا ہونے کی مفصل کیفیت۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور نظریہ ارتقاء کے بارے میں آپ پانچویں باب میں بعض آیات کا مطالعہ فرما چکے ہیں۔ اب مزید چند آیات پر غور فرمائیے۔

يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّن بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ ۚ

پہلا ترجمہ: "بناتا ہے تمہیں (تخلیق کرتا ہے تمہیں) ماں کے پیٹ میں ایک طرح دوسری طرح کے بعد تین اندھیروں کے بیچ"

(سورۃ الزمر 39: آیت 6)

دوسرا ترجمہ: "وہ تم کو ماؤں کے پیٹ میں ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر بناتا ہے"۔

تیسرا ترجمہ: "تمہیں تمہاری ماؤں کے بطون میں پیدا کرتا ہے اور یکے بعد دیگرے تین اندھیروں کے تخلیقی عمل سے گزراتا ہے"۔

رحم مادر میں تین اندھیرے کون سے ہیں؟

مذکورہ آیت کریمہ میں سائنسی نقطہ نگاہ سے "تین اندھیروں" کی وضاحت کیا ہے اس کی مختصر تاویل تو یہ ہے کہ یہاں تین اناٹومیکل تہوں کا ذکر کیا گیا ہے جو حمل کے دوران پیدا ہونے والے بچے (Infant) کی حفاظت کرتی ہیں۔ پہلی تہہ شکمی تہہ یا دیوار

Marfat.com

(Abdominal Wall)' دوسری تہ خود بچہ دانی (Uterus) ہے اور تیسری تہہ وہ ہے جو جنین کی حالت (Foetus) کے اردگرد ہوتی ہے اور اس میں ایک مائع (سیال) بھی ہوتا ہے۔ جو جنین (Embryo) کی حفاظت کرتا ہے چونکہ ان تہوں میں اندھیرا ہوتا ہے اس لیے اسے تین اندھیرے (ظلمات ثلث) کہا گیا ہے۔ میری اس مختصر تشریح سے جدید مفسرین قرآن اتفاق کریں گے۔ میڈیکل سائنس میں ان مراحل کو جن میں سے بچہ اپنی نشوونما کے دوران گزرتا ہے' بہت ساری میڈیکل علوم کی اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں' جن کا عام قاری کے لیے سمجھنا مشکل ہو گا تاہم اگر انسان کے پیدا ہونے کی کیفیت کو تفصیل سے بیان کریں تو چند ضروری اصطلاحات کا استعمال کرنا ضروری ہو گا۔ چنانچہ دوسری تاویل یہ ہے کہ انسانی پیدائش (Human Reproduction) میں عملات کا ایک سلسلہ ہے جو انسانوں اور حیوانوں دونوں میں مشترک ہے۔ اس کا نقطہ آغاز عورت کے بیضہ کی مرد کے تخم یا کرم منی (Spermatozoon) سے باروری (Fertilisation) سے ہوتا ہے۔ عورت کے بیضہ خلیہ کو (Oocyte) کہتے ہیں اور یہ بیضہ دانی (Ovary) سے جب الگ ہوتا ہے تو بارور ہوتا ہے۔ یہ باروری فلوپین ٹیوبز (Fallopian Tubes) یا بیض نالیوں میں ہوتی ہے اور اس مقام پر جو حیض دور (Menstrual Cycle) کے راستہ کے تقریباً درمیان میں ہوتا ہے۔ عورت کے بیضے کی باروری کے لیے مرد کے محض ایک سنگل سپرم کے خلیے کی ضرورت ہوتی ہے مگر مرد کے جسم سے ان کا اخراج ایک وقت میں 200 تا 300 ملین (ایک ملین= 10 لاکھ) ہو سکتا ہے مطلب یہ کہ کروڑوں کی تعداد میں ہوتے ہیں مگر ان میں ایک ہی فعال ہوتا ہے اور باقی خودبخود ختم ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ بیض نالیوں کو پہلا اندھیرا کہہ سکتے ہیں۔ مادہ منی انسان کے خصیوں میں پیدا ہوتا ہے اور عارضی طور پر نالیوں کے ایک نظام میں جمع رہتا ہے جن کا تعلق پیشاب کے نظام سے جا ملتا ہے۔ پھر یہ بارور شدہ بیضہ عورت کے تولیدی نظام میں ایک خاص مقام جسے قرآن حکیم نے قرار مکین (محفوظ مقام) کہا ہے اور یہ بیض نالیوں (Fallopian Tubes) کے راستے سے گزر کر رحم مادر (Uterus) میں اتر جاتا ہے اور وہیں اپنے ایک خاص مقام میں ٹھہر جاتا ہے۔ اس مقام کو دوسرا اندھیرا یا تاریک مقام کہہ سکتے ہیں۔ جب یہ جنین (Embryo) نظر آنے کے قابل ہو جائے تو یہ محض گوشت کا ایک لوتھڑا سا نظر آتا ہے

جس کے مرکز میں انسان کو ابتدائی حالت میں شناخت کرنا مشکل ہوتا ہے۔ پھر یہ وہاں تدریجی مراحلی (Prgressive Stages) میں بڑھتا ہے اور وہیں ہڈیوں کی ساخت (Bone Structure)' پٹھے (Muscles)' اعصابی نظام (Nervous System) اور آنتیں یا انتڑیاں (Viscerae) پیدا ہوتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ جب بار ور شدہ بیضہ رحم مادر میں گرتا ہے تو پھر انسان کی ابتدائی شکل (جنین) کے اردگرد ایک مخصوص سیال (مائع کی صورت میں) پیدا ہو جاتا ہے جسے امینو ٹک سیک (Amniotic Sac) کہتے ہیں' یعنی ایک قسم کی پوٹلی پیدا ہو جاتی ہے اور انسان کے تمام اعضا وغیرہ جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے اسی پوٹلی کے اندر ارتقاء پذیر ہوتے ہیں۔ اس پوٹلی کو تیسرا اندھیرا (تاریک مقام) کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ انسان کی تشکیل کا سلسلہ ماں کے پیٹ میں تین مختلف مقامات یا اندھیروں میں ہوتا ہے۔ انسان کے ابتدائی خلیے کا دوسرے تاریک مرحلے میں منتقل ہونا اور پھر وہاں سے خودبخود اعضا والے مرحلہ میں ایک پوٹلی جیسی جگہ میں منتقل ہو جانا ایک ناقابل تردید حقیقت کا بیان ہے جسے آج کی میڈیکل سائنس چیلنج نہیں کرتی بلکہ تصدیق کرتی ہے۔

انہی حقائق کو قرآن حکیم ایک اور جگہ بیان کرتا ہے۔ ارشاد ہوا

اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝ فَجَعَلْنٰهُ فِىْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ۝

ترجمہ: "کیا ہم نے تم کو ایک بے قدر (حقیر) پانی (یعنی نطفہ) سے نہیں بنایا۔ پھر ہم نے اس کو ایک مقررہ وقت تک ایک محفوظ جگہ (یعنی عورت کے رحم) میں رکھا۔ غرض ہم نے ایک اندازہ ٹھہرایا سو ہم کیسے اچھے اندازہ ٹھہرانے والے ہیں"

(سورۃ المرسلات 77: آیت 20 تا 23)

غائب کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے

جیسا کہ سورۃ لقمان 31 آیت 34 میں ارشاد ہوتا ہے۔

Marfat.com

إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۖ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۖ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۟

ترجمہ: "بے شک قیامت کی خبر اللہ کے پاس ہے اور وہ مینہ برساتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ ماں کے پیٹ میں ہے (جو کچھ رحم میں ہے) اور کسی آدمی کو معلوم نہیں کہ کل وہ کیا کرے گا اور کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کس زمین میں مرے گا تحقیق اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے"

(سورۃ لقمان 31: آیت 34)

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ قیامت کا علم اللہ ہی کو ہے اور مینہ برسانا بھی اس کے علم اور اختیار میں ہے۔ یہ بھی اللہ ہی جانتا ہے کہ حاملہ عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی۔ کوئی آدمی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کرے گا۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ کہاں مرے گا یہ سب باتیں اللہ کے علم میں ہیں۔ وہی جس کو چاہے بتائے یا نہ بتائے۔ انسان کو کل کی خبر نہیں بلکہ آئندہ ساعت میں کیا ہوگا وہ تو یہ بھی نہیں جانتا۔ ابھی قیامت آجائے تو سب کچھ رکھا رہ جائے۔ مینہ برسنا بند ہو جائے تو تھوڑے ہی دن میں میاں کا ذرا سامنہ نکل جائے۔ کچھ کرتے دھرتے نہ بن پڑے۔ بارہا انسان نے یہ سوچا کہ کل یہ کروں گا لیکن واقعات ایسے پیش آتے ہیں کہ سب کچھ دھرا رہ گیا۔ جب ان باتوں پر اختیار نہیں تو پھر اللہ عزوجل کا کہنا کیوں نہیں مانتا جو ان سب باتوں سے خبردار ہے اور انسان کو وہی حکم دیتا ہے جو اس کے مناسب حال ہو۔

مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں واضح طور پر بتا دیا گیا ہے اور یہ اس بات کی کلی طور پر نفی کرتی ہے کہ انسان جانتا ہے کہ کل کو کیا ہونے والا ہے یا وہ کہاں مرے گا یا دوسرے الفاظ میں قرآن حکیم نجوم (Astrology) جس کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے' کو رد کرتا ہے۔ اس علم کے ذریعے نجومی لوگوں کے مستقبل کا حال بتانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ آیت ان تمام علوم کی نفی کرتی ہے جو مستقبل کی پیش گوئی کرنے یا انسان کی قسمت کا حال بتانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ چونکہ غائب کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

Marfat.com

ہر کام میں اللہ تعالیٰ ہی کی مرضی شامل ہے

ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی مرضی شامل ہے یعنی پانچواں ڈائمنشن (Dimention) موجود ہے۔ پہلے کہا جاتا تھا کہ یہ دنیا تین ڈائمنشن یعنی طول' چوڑائی اور بلندی (گہرائی) کی دنیا ہے اور جو واقعہ نہ صرف اس دنیا میں بلکہ کائنات میں رونما (وقوع پذیر) ہوتا ہے اس کے وقوع پذیر ہونے کی جگہ یا مقام متعین کرنے کے لیے طول' عرض اور بلندی ناپنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ پھر سائنس دان آئن سٹائن نے وقت۔ خلائے بسیط (Space - Time) کو چوتھے ڈائمنشن کا درجہ دیا گیا کہ ہر واقعہ صرف کسی جگہ پر ہی وقوع پذیر نہیں ہوتا بلکہ کسی خاص وقت پر بھی وقوع پذیر ہوتا ہے۔ مگر ایک پانچواں ڈائمینشن بھی ہے جسے کل کے سائنس دان بھی اور آج کے سائنس دان بھی نظرانداز کرتے آئے ہیں اور وہ ہے "اللہ کی مرضی مبارک" اللہ تعالیٰ کی مرضی مبارک کے بغیر ایک پتا بھی حرکت نہیں کر سکتا اور کوئی واقعہ نہیں ہو سکتا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِـيْمًا ۝

ترجمہ: الف "اور تم چاہو گے مگر اللہ چاہے بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا حکمتوں والا ہے"۔

ترجمہ: ب اور بدون خدا کے چاہے تم لوگ کوئی بات چاہ نہیں سکتے کیونکہ خدا تعالیٰ بڑا علم و حکمت والا ہے"

(سورۃ الدھر 76: آیت 30)

مذکورہ بالا آیت کریمہ کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کا "چاہنا" بھی جب ہی ہو سکتا ہے جب اللہ چاہے۔ وہ ہر ایک کی قابلیت اور استعداد سے واقف ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ مصلحت کس میں ہے۔ اسی طرح سورۃ التکویر 8 کی آیت 29 میں بھی فرما دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوا

Marfat.com

اِلَّآ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝

ترجمہ: "اور تم بدون خدائے رب العالمین کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے"

(سورۃ التکویر 81: آیت 29)

اسی موضوع پر حضور نبی ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیے۔

ایک حدیث:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم لوگ تقدیر کے مسئلہ پر بحث کر رہے تھے کہ رسول کریم ﷺ تشریف لائے تو شدت غضب سے آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا کہ گویا انار کے دانے آپ کے عارض اقدس پر نچوڑ دیئے گئے ہوں' پھر فرمایا کیا تم کو اسی کا حکم دیا گیا ہے۔ کیا میں تمہاری طرف اسی چیز کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔ تم سے پہلے قومیں ہلاک ہوئیں مگر جب کہ قضاو قدر کے سلسلہ میں انہوں نے مباحثہ کیا۔ میں تمہیں قسم دیتا ہوں اور مکرر قسم دیتا ہوں کہ آئندہ اس مسئلہ میں بحث نہ کرنا۔ (ترمذی 'مشکوۃ)

فرشتے اور جنات

ساری کتاب کے مطالعہ کے بعد بعض قارئین کے ذہن میں شاید یہ سوال پیدا ہو کہ کتاب میں فرشتوں اور جنات کا ذکر ہی نہیں۔ وہ کیا ہیں؟ سائنس ان کے بارے میں کیا کہتی ہے؟ جیسا کہ راقم الحروف نے پہلے باب کی ابتدا ہی میں عرض کر دیا تھا کہ بہت سارے سوالوں کا جواب علم الہیات یا مابعد الطبیعیات سے ہے یعنی جو چیز سائنس سے ماورا ہے اسے موجودہ سائنس بیان کرنے سے یا اس کی کوئی معقول توضیح پیش کرنے سے قاصر ہے۔ جیسا کہ آخری باب میں بھی بتا دیا گیا ہے کہ سائنس ابھی بہت ساری چیزوں اور مظاہر کی اصلیت کے بارے میں کچھ بیان نہیں کرتی۔ ہمارے بعض علماء حضرات اور دانشوروں نے فرشتوں اور جنات کو بیان کرنے پر بھی طبع آزمائی کی ہے جو محض مفروضوں پر مبنی ہے اور کچھ حقیقت نہیں مثلاً یہ کہ فرشتے قوانین قدرت ہیں اور جنات باہر کی کوئی مخلوق ہے یعنی خانہ بدوش مخلوق ہے وغیرہ وغیرہ۔

چند باتیں سائنسی نقطہ نگاہ سے بیان کئے دیتا ہوں تاکہ آپ خود کسی نتیجے پر پہنچ سکیں۔ ہماری مادی دنیا میں تین یا چار سمتوں (Three or four Dimentions) کا

تصور موجود ہے جیسا کہ آپ پہلے بھی پڑھ چکے ہیں چنانچہ ہم دنیاوی اشیاء کا ادراک اور تصور کر سکتے ہیں اور انہیں دیکھ بھی سکتے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ فرشتے اور جنات کثیر الابعاد (Multidimensional) ہوں جن کا انسانی دماغ ادراک (Perceive) ہی نہ کر سکتا ہو نہ آنکھ دیکھ سکتی ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ جو مخلوق انسانی نظروں سے اوجھل ہو وہ دنیاوی لحاظ سے یا سائنسی لحاظ سے کہہ لیجئے لہروں (موجوں (Waves) یا ایٹمی ذرات ہی کی صورت میں ہو سکتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ فرشتے یا جنات اپنے آپ کو لہروں کی صورت میں رکھتے ہوں یا لہروں کی صورت میں رکھنے کی قدرت (استطاعت) رکھتے ہوں۔ چونکہ لہریں روشنی کی رفتار سے سفر کرتی ہیں جو کہ 186000 میل فی سیکنڈ ہے کوئی بھی جسم اس رفتار پر حرکت کرے تو انسانی آنکھ کو نظر نہیں آسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ روشنی یا آواز کی لہریں دیکھ نہیں سکتے محسوس کر سکتے ہیں یا کسی آلے سے شناخت کر سکتے ہیں۔ انسانی جسم روشنی کی رفتار پر حرکت نہیں کر سکتا۔ اگر ایسا ہو تو وہ ایٹمی ذرات میں یا لہروں میں تبدیل ہو جائے گا یعنی اس کا موجودہ جسم فنا ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے آنے والے وقتوں میں انسان کا روشنی کی رفتار پر سفر کرنا ممکن ہو جائے جو کہ فی الحال ناممکن ہے۔ چنانچہ یہ بھی ایک قیاس آرائی ہے کہ فرشتے اور جنات روشنی کی رفتار پر یا اس سے کہیں زائد رفتار پر حرکت کر سکتے ہیں یا اسی حرکت میں رہتے ہیں اور انسانی آنکھ ان کو دیکھنے سے قاصر ہے۔ تاہم یہ سبھی قیاس آرائیاں اور مفروضے ہیں ان کے بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کہی جا سکتی۔ مزید برآں جنات کی تخلیق کا مادہ آگ (نار) ہے اور یہ بات بھی قرآن حکیم نے ہمیں بتائی ہے جب کہ فرشتوں کی تخلیق کے مادے کا قرآن حکیم میں ذکر نہیں ہے اور ان کے تخلیقی مادے کا ہمیں علم نہیں جس کا علم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کو ہے۔ اور ان حضرات کی خدمت میں علامہ اقبالؒ کا ایک شعر پیش کرتا ہوں جو فرشتوں اور جنات کے وجود کے بارے میں طبع آزمائی کرتے رہتے ہیں جو محض ان کی خام خیالی ہے۔

نالہ ہے بلبل شوریدہ ترا خام ابھی
اپنے پہلو میں اسے اور ذرا تھام ابھی

☆ ○ ☆

Marfat.com

چودھواں باب

سائنس اللہ تعالیٰ کے وجود کو ثابت کرتی ہے

اثبات وجود باری تعالیٰ

ہمارے سامنے اللہ تعالیٰ کے وجود کا سب سے بڑا ثبوت اس کی تخلیق یعنی خود فطرت اور مطالعہ فطرت ہے دونوں اس حقیقت کا اعلان کرتے ہیں کہ ایک خدا ہے جس نے اپنی لامتناہی دانائی سے یہ کائنات تخلیق کی ہے اور پھر اس کائنات کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ اس سچائی کو رد کرنے سے ہم اپنے آپ کو ناقابل فہم گھٹا ٹوپ اندھیرے کی اتھاہ گہرائیوں اور اس سے متعلقہ برائیوں میں گر پڑتے ہیں۔ کائنات کے وجود' اس کے اعلیٰ و ارفع نظام اور وسعتوں کی کوئی توضیح پیش نہیں کر سکتے ماسوائے اس کے کہ "اسے کسی خالق نے پیدا کیا ہے جس کی ذہانت لامتناہی ہے اور یہ کہ یہ کائنات کسی اندھی قوت (Blind Force) نے پیدا نہیں کی ہے۔

قارئین کرام: ہم عقل کے ذریعے فیصلے کرنے کے عادی ہیں۔ عقل کیا ہے؟ عربی زبان میں عقل کے لغوی معنی "باندھنے اور روکنے" کے ہیں اسی نسبت سے "عقال" اس رسی کو کہا جاتا ہے جس سے اونٹ کے پاؤں باندھے جاتے ہیں۔ عقل ایک قوت باطنی ہے جس کے بارے میں سائنس دان قطعی لاعلم ہیں اگرچہ طب کی دنیا میں خاصی تحقیقی پیش رفت ہوئی ہے مگر ابھی تک دماغی قوتوں کا ادراک نہیں ہو سکا اور شاید آئندہ بھی نہ ہو سکے مگر عقل وہ قوت ہے جو حصول علم یا قبول علم کے لئے ہر وقت آمادہ رہتی ہے نیز جو علم اس قوت کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اسے بھی عقل ہی کہا جاتا ہے۔ انسان کی یہ جبلی خواہش ہے کہ وہ کائنات کی تمام پوشیدہ قوتوں کو عقل کے ذریعے سمجھ جائے حالانکہ عقل خود ایک مخفی قوت ہے جس کا نہ تو آج کا فلسفی اور نہ ہی کوئی سائنس دان ادراک حاصل کر سکا ہے۔ جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے ہم عقل کے ذریعے فیصلے کرنے کے عادی

Marfat.com

ہیں جو چیز ہماری عقل میں آجائے وہ درست ہے جو عقل سے بعید تر ہو وہ غلط ہے یعنی ہمارے فیصلے کا پیمانہ عقل ہی ہے۔ جب کہ ہم عقل کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتے۔ ہم اللہ تعالیٰ کو عقل کے ذریعے جاننا چاہتے ہیں، محسوس کرنا چاہتے ہیں حالانکہ ہم عقل کو نہ جان سکتے ہیں اور نہ محسوس کر سکتے ہیں۔ جس پیمانے سے ہم ثبوت باری تعالیٰ چاہتے ہیں ہم تو اس پیمانے سے ہی نابلد ہیں تو پھر انسان اپنی عقلی کمزوریوں کے ساتھ کیسے اللہ تعالیٰ کی ذات کا ادراک کر سکتا ہے؟۔

ہمارے حواس خمسہ محدود ہیں ہماری عقل محدود ہے۔ عقل کے معنی پہلے بھی بتا دیئے ہیں۔ اس کے علاوہ عقل کے آپ جو بھی معنی لیں لغت میں عقل کے معنی دانائی، فہم، شعور، سمجھ اور ادراک بھی ہیں مگر کیا ہم ان تمام معنوں کو محسوس کر سکتے ہیں یقیناً اس کا جواب نفی میں ہے۔ اگر عقل کا تصور ممکن نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کا تصور کیسے کر سکتے ہیں۔ تاہم ایک بات واضح ہے کہ قوت عقل ہر جاندار میں موجود ہے کسی میں زیادہ کسی میں کم مگر حضرت انسان میں یہ باقی جانوروں سے اعلیٰ اور افضل ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم میں ینظرون (وہ دیکھتے ہیں)، یبصرون (وہ دیکھتے ہیں) یستزون (وہ جانتے ہیں) یتفقرون (وہ غور کرتے ہیں)، یعقلون (وہ سمجھتے ہیں) کے الفاظ انسان کے لئے استعمال کئے گئے۔

ہمارے وقت کے فلسفیوں میں سے ایک گروہ ہے شاید خوش قسمتی سے وہ ایک تھوڑی مقدار میں ہے جو کہ ہر چیز کے وجود کا سرے سے انکاری ہے خواہ کوئی بھی شے ہو۔ وہ اس بات پر بڑا زور دیتے ہیں کہ نہ تو کسی انسان کا وجود ہے اور نہ ہی کسی کائنات کا اور اسی انداز سے اللہ تعالیٰ کے وجود کو بھی رد کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ یہ تو ہے ہی ناممکنات میں سے یعنی انگریزی میں Even as a remote possibility کی طرح کا جملہ استعمال کرتے ہیں۔ فلسفے کے اس نقطے کو منطق میں ایک تجریدی مشق کے طور پر زیر بحث تو لا سکتے ہیں مگر یہ کسی بھی طرح سے حقیقت (Reality) سے متعلق نہیں ہے۔ جب ہم سوچ و بچار کرتے ہیں تو یہ سوچنے کا عمل ہی ہمیں اپنے وجود کی شہادت دیتا ہے۔ فرانس کے ایک عظیم فلسفی ڈس کارٹیز (Descartes) (1596ء تا 1660ء) جس کا نام فرانسیسی میں (دے کاخت) پڑھیں گے جس نے اصول اخلاق پر اپنے فلسفہ کی بنیاد رکھی وہ یہ تھا۔

Marfat.com

"I think, therefor, I am" یعنی میں سوچتا ہوں اس لئے میں ہوں یا وہ سوالیہ جملے میں کہتا ہے "I think do I therfore exist?" میں سوچتا ہوں اس لئے کیا میرا وجود ہے؟ چنانچہ اسی اصول کے تحت اس نے اللہ تعالیٰ کے وجود کو اخذ کیا۔ ہمارے حواس خمسہ کے محسوسات بھی ہم پر واضح کرتے ہیں کہ مادی اشیاء کا خارجی وجود ہے۔ اگر مثال کے طور پر ہمیں سڑک کے کنارے جاتے ہوئے پاؤں پر کسی پتھر سے چوٹ لگ جائے تو ہم درد (Pain) محسوس کرتے ہیں۔ یہ تجربہ ثابت کرتا ہے کہ ہمارے علاوہ بھی اور ہم سے باہر بھی ایک دنیا وجود رکھتی ہے جس کی الگ اپنی شناخت ہے۔

منکرین خدا کے گروہ کے باہر کائنات کے وجود کو تسلیم کیا جاتا ہے کہ یہ "ایک حقیقت ہے"۔ جونہی ہم کائنات کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں تو پھر خدا پر ایمان رکھنے کے علاوہ کوئی فرار نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اصول "کہ یہ کائنات عدم سے خود بخود یا اپنی مرضی سے یا بغیر کسی وسیلہ کے معرض وجود میں آگئی ہے" کا ادراک ناقابل تصور ہے۔

جب چھوٹی بڑی چیز کے وجود کا کوئی سبب (Cause) ہے تو پھر یہ کیسے مانا جاتا ہے کہ اتنی وسیع و عریض کائنات اپنی مرضی سے وجود میں آگئی اور یہ کہ اس کے پیدا کرنے والا کوئی نہیں اور اس کا کوئی سبب نہیں۔ منکرین خدا (Atheists) کی فکر یہ ہے کہ اگر "ہم یہ مان لیں کہ اس کائنات کی کوئی دلیل ہے یا خالق ہے تو پھر ہمیں مجبور ہونا پڑے گا کہ ہم یہ مان جائیں کہ خالق ہمیشہ سے ہے یا لافانی ہے اور جب ہم خدا کو لافانی (Eternal) مانیں گے تو پھر ہم کائنات کو ہی کیوں نہ لافانی کہہ دیں"۔ خدا کے انکاری لوگوں کا درحقیقت یہ ایک بیہودہ تصور ہے۔ اب تک کوئی ایسی سائنسی شہادت سامنے نہیں آئی جو یہ ثابت کرے کہ یہ کائنات اپنی مرضی سے پیدا ہوئی ہے۔ انیسویں صدی تک ملحدوں، دہریوں (خدا کے انکاری) لوگوں کی اس گمراہ کن دلیل کو بڑی دل کش سمجھا جاتا تھا لیکن جدید سائنسی علوم میں ایک اہم مضمون "حرحرکیات" ہے جسے انگریزی میں تھرموڈائی نامکس (Thermodynamics) کہتے ہیں۔ اس مضمون کا تعلق حرارت کی حرکیات سے ہے یا آسان لفظوں میں یہ حرارت کی یا توانائی کی منتقلی سے متعلق ہے۔ اس کے تین اہم قوانین ہیں لیکن اس کے دوسرے قانون (Second Law of Thermodynamics) کی دریافت نے ملحدوں کی دلیل کو بے

Marfat.com

معنی قرار دے دیا ہے۔ یہ قانون حرارت اور دوسری توانائیوں کی صورتوں میں ایک مقداری رشتہ سے متعلق ہے۔ اور (بقائے توانائی) (Conservation of Energy) کا تعلق اس مضمون کے پہلے قانون سے ہے لیکن میں یہاں صرف دوسرے قانون کا ہی ذکر کروں گا۔ علم حرحرکیات کے دوسرے قانون کو قانون ناکارگی (Law of Entropy) بھی کہتے ہیں۔ انگریزی میں یوں کہیں گے۔

Entropy is a measure of the randomness or degree of disorder of the internal arrangement of atoms or molecules in a single phase materials system.

چنانچہ قانون ناکارگی یا "انٹراپی" کا مطلب ہے بے ترتیبی یا بگاڑ اور ہم اسے مقداری بنانے کے لئے فرض کرلیتے ہیں کہ کسی کامل میٹیریل یا جو چیز کسی کامل ترتیب کی حالت میں ہو اس کی انٹراپی صفر ہو گی۔ چنانچہ کسی چیز کی انٹراپی درجہ حرارت میں اضافے سے بڑھتی ہے اور انٹراپی اور تپش مطلق (Absolute Temperature) کے حاصل ضرب کو انٹراپی عامل کہتے ہیں اور اس کی اکائی بھی توانائی یا انرجی (Energy) کی اکائی ہوتی ہے۔ اگر کسی نظام میں توانائی کم ہو گی اتنا ہی وہ قیام پذیر ہو گا چنانچہ دنیا میں جتنے نظام ہیں ان میں رجحان پایا جاتا ہے کہ وہ اپنی توانائی کو کم کریں تاکہ وہ زیادہ قیام پذیر ہوں۔ لیکن یہ بات بہت اہم طبیعی اور کیمیائی تعاملات (Reactions) پر لاگو نہیں ہوتی۔ کیونکہ اگرچہ انٹراپی کسی نظام یا سسٹم کا خواص ہے مگر ہر نظام میں اپنے آپ میں بگاڑ پیدا کرنے یا بے ترتیبی پیدا کرنے کا رجحان (Tendency) بھی پایا جاتا ہے۔ اگر اس قانون کو کائنات پر لاگو کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ کائنات پہلے بے پناہ درجہ حرارت اور دباؤ پر تھی حتیٰ کہ تمام عناصر (103) جو اس وقت دریافت ہو چکے ہیں ایٹمی ذرات یعنی (پروٹان' نیوٹران' الیکٹران وغیرہ) کی صورت میں تھے (اب تو 16 مثبت ذرات اور ان کے مقابل 16 منفی ذرات دریافت ہو چکے ہیں) اور اربوں کھربوں سالوں کے بعد یہ کائنات موجودہ صورت میں آئی ہے یعنی اونچی توانائی سے کم توانائی پر جانے میں رواں دواں ہے اور ایک روز ایسا آئے گا کہ اس کائنات کی توانائی صفر ہو جائے گی اور گردش تھم جائے گی اور زندگی نیست و نابود ہو جائے گی جس سے ظاہر ہے کہ یہ کائنات ہمیشہ سے ایسی نہیں ہے اور نہ ہی مستقبل میں

ایسی رہے گی چنانچہ یہ تصور کہ کائنات ہمیشہ سے جوں کی توں ہے باطل ہو جاتا ہے- کائنات کو زوال حاصل ہے اور یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ اسے ایسی قوت نے پیدا کیا ہے جو لازوال ہے چونکہ ایک زوال پذیر چیز کو لازوال قوت ہی پیدا کر سکتی ہے مرزا غالب نے کائنات کی زوال پذیری پر ایک خوبصورت شعر کہا ہے:

ہیں زوال آمادہ اجزاء آفرینش کے تمام
مہر گردوں ہے چراغ رہ گزار باد یاں

کائنات کی زوال پذیری خدا کے وجود کو بھی ثابت کرتی ہے چونکہ جو کچھ بھی آغاز تھا وہ خود بخود نہ تھا بلکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی پرائم موور (Prime Mover) ہو' ایک خالق ہو یا خدا ہو-

میں اپنے اس دعویٰ کے حق میں کہ کائنات زوال پذیر ہے کچھ اعداد و شمار پیش کرنا چاہتا ہوں- ہماری کائنات آج سے 15 تا 20 ارب سال پہلے' ایک نظریہ کے مطابق کسی غیر معمولی دھماکہ کے ذریعے وجود میں آئی اس وقت اس کا درجہ حرارت دس کھرب سنٹی گریڈ اور کثافت (Density) بے پناہ تھی- اس عظیم دھماکے کو انگریزی میں (Big Bang) کہتے ہیں- مگر اس عظیم دھماکے کی تاریخ کو صفر وقت تک (Extrapolate) نہیں کیا جا سکتا- یہ عظیم دھماکہ کوئی مقامی واقعہ (Localised Event) نہ تھا- اور نہ ہی یہ عظیم دھماکہ ایک منفرد مقام (Single Place) پر ہوا بلکہ اس نے کائنات کے سارے حجم کو شامل کیا تھا اور وہ مادہ جس سے انسان بھی بنا ہے' وہ بھی اسی کا حصہ تھا چنانچہ ہم اس دھماکے کی باقیات کے اندر ہیں اور یہ کائنات ہمارے چاروں طرف پھیلتی جا رہی ہے- اس دھماکے کے صرف 0.0001 سیکنڈ کے بعد کائنات ہائی انرجی فوٹان (Photon) سے بھر گئی اور درجہ حرارت (1000,000000,000 C) یا دس کھرب درجہ سنٹی گریڈ اور اس کی کثافت 5×10^{13} (پچاس ہزار بلین گرام فی مکعب سنٹی میٹر تھی)- فوٹان کو ہم بہت توانائی والی گیما شعاعیں بھی کہہ سکتے ہیں- آج نہ وہ درجہ حرارت موجود ہے اور نہ ہی مادے کی وہ کثافت موجود ہے- جہاں تک درجہ حرارت کا تعلق ہے زمین کے اوپر سال کے دوران اوسط 20 تا 34 درجہ سنٹی گریڈ رہتا ہے اور اس کی کثافت 5.52 گرام فی مکعب سنٹی میٹر ہے- سورج کی کثافت

Marfat.com

1.409 گرام فی مکعب سنٹی میٹر ہے- زمینی اجسام کی کثافت 3.3 تا 3.5 گرام فی مکعب سنٹی میٹر اور گیسی اجسام کی کثافت 1.75 گرام فی مکعب سنٹی میٹر سے بھی کم ہے یعنی پانی سے بھی کم ہے جو ایک گرام فی مکعب سنٹی میٹر ہے- دیگر چند سیاروں کی کثافتیں ملاحظہ فرمایئے مثلاً زحل 0.7 عطارد 5.44' زہرہ 5.24 وغیرہ

سر جیمز جینز (1877ء تا 1946ء) مشہور برطانوی ماہر فلکیات تھا اس نے اسی قسم کا نظریہ پیش کیا ہے- اس کے مطابق زیادہ قدامت پسند (The More Orthodox) سائنسی پہلو یہ ہے کہ کائنات کی انٹراپی ہمیشہ کے لئے اپنی آخری حد تک (زیادہ سے زیادہ) بڑھنی چاہیے یہ ابھی اس حد یا قدر تک نہیں پہنچی کہ ہمیں اس کے بارے میں سوچنا چاہیے (مطلب یہ کہ ابھی اس کے بارے میں نہیں سوچنا چاہیے)- یہ ابھی تیزی سے بڑھ رہی ہے تو اس لحاظ سے اس کا ضرور آغاز ہونا چاہیے اور اس آغاز سے جسے ہم تخلیق (Creation) کہتے ہیں ایسے وقت پر جو کہ لامتناہی طور پر دور نہیں ہے- انگریزی میں اس کی عبارت بھی ملاحظہ فرمایئے

"The more orthodox scientific view is that the ENTROPY of the universe must forever increase to its final maximum value. it has not yet reached, we should not be thinking about it if it had. It is still increasing rapidly and so must have had a beginning, there must have been what we may describe as a CREATION at a time not infinitely remote"

بہت ساری طبیعی شہادتیں یہ بات ثابت کرنے کے لئے موجود ہیں کہ یہ کائنات ہمیشہ سے وجود نہ رکھتی تھی- اس کے برعکس اس کی زندگی محدود ہے- جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے' اسٹرانومی (علم فلکیات) کی رو سے یہ کائنات مرکز منبع (Centre of Origin) سے باہر کی طرف پھیلتی جارہی ہے- تمام کہکشائیں اور سماوی اجسام' مشاہداتی نقطہ نگاہ سے' بے پناہ رفتاروں پر ایک دوسرے سے دور بھاگ رہے ہیں- (اور یہ ایسے ہی ہے جیسے آپ کسی غبارے کے اوپر سیاہی سے نشانات لگادیں- جوں جوں آپ غبارے میں ہوا بھرتے جائیں گے یہ نشانات بھی ایک دوسرے سے بھاگتے جائیں گے)- اس مظہر کی

تشریح و توضیح اسی صورت ممکن ہے اگر ہم اس کا ابتدائی نقطہ آغاز فرض کر لیں یعنی وہ وقت جب کائنات کے تمام اجزاء اکٹھے تھے جیسے ہوا بھرنے سے پہلے غبارے کی حالت تھی۔ چنانچہ حرکت کا پروسیس اور توانائی کا اخراج بعد کی ترقیاں (Developments) ہیں۔

ایسا کیوں ہے؟ کہ کائنات کی کثافت (Density) جس کا پہلے ذکر ہوا ہے کم ہوتی جا رہی ہے یہ اس وجہ سے ہے کہ کائنات ٹھنڈی ہوتی جا رہی ہے اور چونکہ پھیلتی جا رہی ہے اس لئے اس کی کثافت بھی کم ہوتی جا رہی ہے۔ جب اس کا درجہ حرارت صفر اور کثافت صفر ہو جائے گی تو یہ کائنات ختم جائے گی اور اپنے انجام کو پہنچے گی۔ کیا اس پروسیس کو روکا جا سکتا ہے؟ یا کیا کائنات کے اس گھڑیال کی سوئیاں الٹی سمت (Reverse Direction) میں چل سکتی ہیں۔ نہیں بالکل نہیں! اس بات کو سمجھنے کے لئے قانون حرحرکیات (Law of Thermodynamics) کے ادراک کے لئے ایک مثال لیں۔ آپ ایک دھات کی بنی ہوئی سلاخ لیں۔ اسے ایک سرے سے گرم کریں' دوسرے سرے کو ٹھنڈا رہنے دیں۔ حرارت فوراً" گرم سرے سے ٹھنڈے سرے کی طرف بہنا شروع کر دے گی اور بہتی رہے گی جب تک کہ ساری دھاتی سلاخ کا درجہ حرارت یکساں نہیں ہو جاتا۔ حرارت کا یہ بہاؤ ہمیشہ صرف ایک سمت میں ہو گا یعنی گرم سرے سے ٹھنڈے سرے کی طرف یا گرم جسم سے ٹھنڈے جسم کی طرف اور یہ ترسیل حرارت (حرارت کا بہاؤ) کبھی بھی خود بخود مخالف سمت میں نہیں ہو گا یا پھر بے قاعدگی سے کسی اور طرف چنانچہ یہ پروسیس یکساں ہے اور عود پذیر (Reversible) نہیں ہے اور اس پروسیس یا اصول کا اطلاق ساری کائنات پر ہوتا ہے۔ ہماری یہ طبیعی دنیا ایسی بے شمار مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ پانی ہمیشہ اونچی سطح (زیادہ توانائی) سے نچلی سطح (کم توانائی) کی طرف بہتا ہے۔ گیس ہمیشہ ایسی سمت میں یا سمت کی طرف چلتی ہے جہاں پر خلا پیدا ہو گیا ہو یا یہ زیادہ دباؤ (Pressure) سے کم دباؤ کی طرف چلتی ہے اور یہ کسی بھی گیس کے لئے ناممکن ہے کہ وہ مخالفت سمت میں چلے یعنی کم دباؤ سے زیادہ دباؤ کی طرف۔ اور یہی مشاہدات "حرحرکیات" کے دوسرے قانون کی بنیاد ہیں اور اس قانون کی تعریف یوں کر سکتے ہیں تمام قدرتی یا ازخود قاعدے (Spontaneous Processes) جو بغیر کسی خارجی ایجنسی

Marfat.com

کی مداخلت کے رونما ہوتے ہیں وہ تمام عود پذیر نہیں ہیں یعنی ناعود پذیر (Irreversible) یا ان پلٹ ہیں اور یک طرفہ حرکت کا پروسیس جاری رہتا ہے حتیٰ کہ توازن قائم ہو جاتا ہے۔ اس قانون کا کائنات کی تخلیق سے بہت زیادہ تعلق ہے یعنی ہر چیز اپنے زوال کی طرف رواں دواں ہے چنانچہ جب کوئی نظام اپنی افرینش (پیدائش) سے شروع ہو کر اختتام کی طرف جائے تو ہم کہتے ہیں کہ اس نظام کی انٹراپی (Entropy) میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ابتداء میں یہ کائنات، جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے بے پناہ درجہ حرارت پر تھی اور اربوں کھربوں سال گزرنے کے دوران کائنات کا درجہ حرارت کم ہوتا رہا ہے اور ایک دن اس کا درجہ حرارت بھی (لوہے کی سلاخ) کی طرح یکساں ہو جائے گا اور کوئی مفید توانائی باقی نہ رہے گی اور پھر کوئی بھی کیمیائی یا طبیعی عمل نہ ہو سکے گا لیکن فکر کی کوئی بات نہیں اور یہ کم از کم پانچ ارب سال تک جاری رہیں گے۔ بقول غالب!

رات دن گردش میں ہیں سات آسمان
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

اب میں آپ کی توجہ چند دوسری مثالوں کی طرف مبذول کروانا چاہتا ہوں۔ اگر ہم انسانی حیاتیات (Human Biology) کا مطالعہ کریں تو آج کی میڈیکل سائنس میں اس پر ضخیم کتابیں لکھی گئی ہیں۔ انسانی عضویات (Organs) مثلاً" دماغ، کان، دل، آنکھیں، نظام ہضم، دوران خون، پھیپھڑے، جلد وغیرہ کے مطالعہ و مشاہدات اہل طب کو ورطہ حیرت میں ڈالے ہوئے ہیں کہ اتنے مربوط نظامات جن میں مکمل ربط اور ہم آہنگی موجود ہو، کسی اندھی قوت (Blind Force) سے پیدا نہیں کئے جا سکتے۔

یہ اتنے پیچیدہ نظامات ہیں کہ یہ بغیر کسی تخلیقی ذہانت کے ناممکن ہے اور ایسی منظّم کائنات میں ایسے منتظم کا انکار غیر معقول ہے۔ انسانی ذہن کے پاس کوئی معقول سبب نہیں ہے کہ وہ خدا کے وجود کا انکار کرے۔ ہماری کائنات کوئی کوڑے کرکٹ کا ڈھیر نہیں بلکہ اس کے برعکس اس کی بڑی اہمیت ہے۔ (It is invested with a profound significance)۔ کوئی چیز اتنی پر معنی نہیں جتنی کہ کائنات ہے اگر یہ کسی منصوبہ بندی کے بغیر وجود میں آتی تو اس میں اتنی ترتیب، نظم اور معنی خیزی نہ ہوتی۔ کائنات اتنی حیران کن متوازن تنظیم ہے کہ یہ تصور کرنا مشکل

ہے کہ یہ ترتیب اور توازن کسی اتفاقی حادثے کا نتیجہ ہے۔

اپنی کتاب "Man does not stand alone" میں اے۔ کریسی، مورسن (A Cressy Morison) کہتا ہے۔ "زندگی کو اپنے وجود میں آنے کے لئے زمین پر بہت ساری ضروری شرائط (Conditions) لازمی ہیں اور یہ ریاضیاتی طور پر (Mathematically) ناممکن ہے کہ یہ تمام شرائط مناسب تناسب میں اتفاقیہ طور پر کسی بھی زمین پر پیدا ہو جائیں، اس لئے فطرت میں کوئی ذہین سمت (Intelligent Direction) موجود ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو پھر اس زندگی کا کوئی مقصد ہونا چاہیے۔

انسانی دل

دل کی مثال لیجئے۔ یہ ایک چھوٹا سا عضو ہے جو ہاتھ کی مٹھی کی جسامت کے برابر ہے (4 انچ لمبا اور 2-1/2 انچ چوڑا ہے)۔ 8 اونس کے قریب وزن ہے۔ پھر بھی یہ چھوٹا سا پمپ انسان (حیوان یا جانور) کی ساری زندگی میں بغیر کسی وقفہ کے بغیر کسی ٹھہراؤ کے دن اور رات مسلسل کام کرتا ہے۔ ایک دن میں ایک لاکھ (100,000) دفعہ دھڑکتا ہے اور خون کا تقریباً ایک گیلن ہر 13 سیکنڈ کے بعد جسم میں بھیجتا ہے اور ایک سنگل دن میں اتنا خون پمپ کرتا ہے کہ ایک چھوٹی جسامت کا آئل ٹرک بھر سکتا ہے اور ایک سال میں 65 بڑی تیل گاڑیوں (Oil Wagons) کو بھر سکتا ہے۔ دل بہت بڑے کام کے لئے خصوصی طور پر بنایا گیا ہے اور اس کی دیواریں بہت ہی مضبوط (Tough) پٹھوں سے بنی ہیں اور اس کے اردگرد ڈبل جھلی (Pericardium) ہوتی ہے جس میں ایک سیال (Fluid) ہوتا ہے جو اس کی مسلسل روغن ریزی (Lubricate) کرتا ہے۔ دل کی دھڑکن دو مراحل میں ہوتی ہے پہلے بالائی حصہ اور پھر نچلا حصہ سکڑتا ہے۔ اس سے دل کا ایک حصہ آرام کر لیتا ہے جب کہ دوسرا دھڑک رہا ہوتا ہے اور دل کے اندرونی حصے میں چار چیمبرز ہیں (یعنی خانے) ہیں۔ بالائی دو خانوں کو آریکلز (Auricles) اور دوسرے دو خانوں کو وینٹریکلز (Ventricles) کہتے ہیں۔ اور خون ہمیشہ بالائی خانوں سے نچلے خانوں کی طرف حرکت کرتا ہے یعنی خون کا بہاؤ ہمیشہ آریکلز سے وینٹریکلز کی طرف ہوتا ہے اور اس یک طرفہ

Marfat.com

ٹریفک کو چھتری نما چار والو کنٹرول کرتے ہیں اور دونوں طرح کے چیمبرز کے درمیان سوراخوں (Openings) کی نگرانی کرتے ہیں۔

یہ محض ایک مثال ہے۔ انسان کا بنایا ہوا پمپ بغیر کسی ٹھہراؤ کے اتنا عرصہ تک مسلسل کام نہیں کر سکتا اور یہ بھی ممکن ہے کہ انسان اپنی اعلیٰ کاری گری سے اعلیٰ ترین قسم کا پمپ بنالے اور وہ چلنے کے دوسرے لمحے ہی بیٹھ جائے یا چالو ہی نہ ہو۔ اسی طرح باقی انسانی عضو بھی دل ہی کی طرح حیران کن کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ انسان اپنی تمام سائنسی کاوشوں اور پیش رفت کے باوجود یا جدید سائنسی سوجھ بوجھ کے باوجود گوشت پوست کا بنا ہوا کوئی انسانی عضو بنانے کا تو درکنار اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا' اور نہ کوئی متبادل (Alternative) تجویز کر سکتا ہے جو اتنا عرصہ کام کر سکے۔ کیا یہی ایک مثال خدا پر یقین کرنے کے لئے کافی نہیں ہے؟

اپنے مشاہدات اور مطالعہ کی بنیاد پر مشہور سائنس دان نیوٹن اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ تمام اجسام میں باہمی کشمکش ہے لیکن اس کے پاس اس سوال کا جواب نہ تھا کہ اجسام ایک دوسرے کو کیوں کھینچتے ہیں؟ اس نے خود اعتراف کیا تھا کہ وہ اس کی توضیح پیش کرنے میں فیل ہو گیا۔ اس نقطے پر ایک مشہور ریاضی دان اور فلسفی اے۔ این۔ وائٹ ہیڈ کہتا ہے "اس بات کا اقرار کرتے ہوئے نیوٹن نے ایک عظیم فلسفیانہ سچائی کا اظہار کیا ہے یہ کہ اگر فطرت بے جان (Inanimate) ہے تو پھر یہ ہمیں کوئی وضاحت پیش نہیں کرتی جس طرح کوئی مردہ انسان کوئی واقعہ بیان نہیں کر سکتا۔ تمام منطقی توضیحات انجام کار کسی مقصد یا غرض و غایت کو بیان کرتی ہیں جسے آپ انگریزی میں پرپز (Purpuse) کہتے ہیں جب کہ مردہ کائنات وجودیات کا باعث نہیں ہو سکتی۔ ہم وائٹ ہیڈ کے خیالات میں یہ اضافہ کر سکتے ہیں کہ اگر یہ کائنات کسی ذہین دماغ کی نگرانی میں نہیں ہے تو پھر اسے عظیم مقصدیت کیوں عطا کی گئی۔

"Is it not preposterous (amazingly foolish) to believe this mathematical exactness in the universe developed on its own?"

ایک امریکی ماہر طبیعیات جارج ارل ڈیوس (George Earl Davis) نے اسی ساری

Marfat.com

صورت حال کا بہترین خلاصہ بیان کیا ہے ”کہ اگر یہ کائنات اپنے آپ کو خود پیدا کر سکتی تو پھر یہ خالق یا خدا کی قوتیں بھی اپنے اندر رکھتی اور ہم یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہو جاتے کہ کائنات خود خدا ہے اس طرح خدا کے وجود کا اقرار ہو جاتا لیکن پھر یہ خدا کی ایک مخصوص (Peculiar) صورت ہوتی یعنی مافوق الفطرت بھی اور مادی بھی۔ میں تو ایسے خدا کا تصور کرتا ہوں جس نے یہ مادی کائنات پیدا کی ہے جو اس کی ذات سے متشابہ یا ہو بہو (Identical) نہیں ہے لیکن وہ اس پر حاوی ہو اور اس میں سرایت کیا ہوا ہو“۔ اس کی انگریزی کی تحریر سے مندرجہ ذیل اقتباس بھی ملاحظہ فرمائیے۔

"If a Universe could create itself, then it would embody in itself the powers of a Creator or God, and we should be forced to conclude that the universe itself is a God. Thus the existence of a God would be admitted but in the peculier form of a God that is both supernatural and material. I choose to conceive of a God who has created a materical Uinverse not identical with Himself but dominated and permeated by Himself (The evidence of God, P. 71)"

زیادہ تر عظیم سائنس دان کسی نہ کسی صورت میں خدا پر ایمان (یقین) رکھتے تھے نیوٹن (1642ء تا 1797ء) نے کہا کہ چیزوں میں ایک خدائی ہاتھ ہے جس نے نظام شمسی کو متحرک کیا۔ چارلس ڈارون (1809ء تا 1882ء) نے کہا زندگی کے مبداء (Origin) کے لئے ایک خالق ضروری ہے۔ آئن سٹائن (1879ء تا 1954ء) نے کہا کوئی "اعلیٰ دماغ" ہے جس نے اپنے آپ کو کائنات میں ظاہر کیا ہے۔ سر جیمز جینز (1877ء تا 1946ء) نے اپنے مطالعہ و مشاہدات کی بنیاد پر یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ کائنات "عظیم مشین" کی بجائے ایک "عظیم تصور" ہے۔ الفرڈ نارتھ وائٹ ہیڈ (1861ء تا 1947ء) نے کہا کہ جو معلومات ہمیں جدید تحقیق سے حاصل ہوتی ہیں وہ یہ ثابت کرتی ہیں کہ فطرت زندہ ہے اس کے برعکس ایک نوبل انعام یافتہ انگریز سے کسی نے پوچھا کہ کیا وہ خدا پر ایمان رکھتا ہے تو اس

Marfat.com

نے جواب دیا تھا کہ "نہیں" البتہ میں ایک سائنس دان ہوں۔ مگر اب زمانہ آرہا ہے جب سائنس دان اس سوال کا جواب مثبت میں دیں گے اور وہ یہ ہو گا "ہاں" میں خدا پر ایمان رکھتا ہوں البتہ میں ایک سائنس دان ہوں یعنی چونکہ میں ایک سائنس داں ہوں اس لئے خدا پر ایمان رکھتا ہوں۔ جہاں تک میری (راقم الحروف کی) ذات کا تعلق ہے اگرچہ میں ایک سائنس دان ہوں لیکن قطع نظر سائنسی اثبات کے میں ایک عقیدہ یا ایمان کے طور پر بھی قبول کرتا ہوں کہ خدا موجود ہے یعنی

I accept as an act of faith that God exists.

ایک مسلمان کے لئے خدا پر ایمان رکھنا اس کے مذہب کا لازمی حصہ اور اولین فریضہ ہے چونکہ خدا کے بغیر کوئی مذہب قائم نہیں رہ سکتا۔

اسی موضوع کی مناسبت کے لحاظ سے علامہ اقبالؒ کی ایک رباعی ملاحظہ فرمائیے۔

شتر را بچہ او گفت در دشت
نمی بینم خدائے چار سو را
پدر گفت اے پسر چوں پا بلغزد
شتر ہم خویش را بیند ہم او را

مطلب: صحرا میں اونٹ سے اس کے بچے نے کہا "مجھے تو اس کائنات کا خدا کہیں نظر نہیں آتا۔ باپ نے کہا اے بیٹے! جب پاؤں پھسلتا ہے تو اونٹ اپنے آپ کو بھی دیکھتا ہے اور اس (خدا) کو بھی۔

پہلا روسی خلاباز

پہلا خلاباز گیگارین (Gagrin) چاند سے واپس آیا تو روسی حکومت نے اسے عالمی دورہ پر ارسال کر دیا کہ دنیا بھر کے لوگ اسے اور وہ دنیا بھر کے لوگوں کو دیکھ سکے۔ اس دورہ کے دوران اس کی ملاقات انڈونیشیا کے صدر احمد سوئیکارنو سے ہوئی۔ گیگارین چونکہ دہریہ تھا اس لئے فقرہ کسنے کے انداز میں کہنے لگا "جناب صدر! میں خلا کی رفعتوں سے گذرتا ہوا چاند تک جا پہنچا مگر آپ کا خدا مجھے کہیں دکھائی نہیں دیا"۔ "اگر تم نیچے چھلانگ لگا دیتے تو فورا" اس سے ملاقات ہو جاتی" احمد سوئیکارنو نے ترکی بہ ترکی جواب دیا

Marfat.com

اور بات قہقہوں میں اڑ گئی۔ احسان دانش مرحوم نے شاید اسی واقعہ سے متاثر ہو کر ایسی ہی کیفیت سے گزرتے ہوئے یہ شعر کہا ہو گا۔

آجاؤ گے حالات کی زد پہ جو کسی روز
ہو جائے گا معلوم، خدا ہے کہ نہیں ہے

گذشتہ صفحات میں جو سائنسی ثبوت دیئے گئے ہیں وہ یقیناً خدا یا اللہ تعالیٰ کی ذات کو ثابت کرتے ہیں۔ مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے کی وجہ سے میرا ایمان تو خدا پر پہلے ہی تھا مگر ان سائنسی حقائق و اثبات کی وجہ سے میرا ایمان اور پختہ ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خوبیاں تو بے شمار ہیں جن کا احاطہ تحریر میں لانا انسان کے بس میں نہیں جیسا کہ قرآن حکیم کی سورۃ لقمٰن 31 کی آیت 27 میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

ترجمہ: "(اے رسول ﷺ ان سے کہہ دیجئے) "اور اگر جتنے درخت زمین میں ہیں قلمیں بنائی جائیں اور سمندر اس کی سیاہی ہوں اور اس کے پیچھے سات سمندر ہوں تو بھی اللہ تعالیٰ کی باتیں ختم نہ ہوں۔ بے شک اللہ زبردست ہے حکمت والا"۔

اللہ تعالیٰ کے تصور کا طریقہ یہی ہے کہ اس کو سب سے زبردست سب پر غالب اور سب کی اصل حقیقت اور تمام بھیدوں سے واقف اور خبردار مانا جائے۔

☆ ○ ☆

Marfat.com

پندرھواں باب

میں اللہ تعالیٰ پر کیوں ایمان رکھتا ہوں؟

مذہب اللہ تعالیٰ کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا چونکہ تمام مخلوقات کا تعلق اللہ تعالیٰ ہی سے ہے جو ان کی محبت اور دعا قبول کرتا ہے' ان کی التجاؤں کو غور سے سنتا ہے جو کہ علیم و بصیر اور قدرت کاملہ ہے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے کہ مذہب پر یا کسی پر ایمان رکھنا اس زندگی میں ایک قدرتی مظہر ہے۔ میرے نزدیک اللہ تعالیٰ کو نہ ماننے والا شخص غیر طبیعی (Abnormal) شخص ہوتا ہے چنانچہ غیر ایمانی ایک طرح کی امر غیر عادی یا خلاف معمول بات ہے اور یہ انسانی زندگی کا اصول یا فطری مظہر نہیں ہے۔ یہ کہنا بڑی عجیب سی بات ہے کہ انسان اپنے آپ کو ایسے عقیدے پر قائم کر لے جو سراب (Illusion) ہو یا پھر وہ اپنی ہی قابلیت پر فیصلے کرے اور ہر طرف سے آزاد ہو۔ اللہ تعالیٰ کو نہ ماننے والا شخص اپنے خیالات میں الجھاؤ' مایوسی کے علاوہ دنیا سے بھی الگ تھلگ ہو جاتا ہے جس میں وہ رہتا ہے۔ تاہم مذکورہ سوال کا جواب (میں اللہ تعالیٰ پر کیوں ایمان رکھتا ہوں) تین مفروضوں میں سے ایک پر ہو سکتا ہے۔

پہلا مفروضہ: ایک خدا جو تخلیق کرنے کے قابل تھا مگر کچھ تخلیق نہیں کیا۔

دوسرا مفروضہ: ایک خدا دوسرے خدا کو پیدا کرتا ہے جو اس کی کاملیت (Perfection) کی تمام خوبیوں کا حصہ دار ہوتا ہے۔

تیسرا مفروضہ: ایک ایسا خدا جو لامحدود (یا محدود) کائنات تخلیق کرتا ہے جس میں تخلیق شدہ ہر محدود چیز اپنے اندر ادھورا پن یا ناتمامی کے خواص لیے ہوئے ہے۔

ظاہر ہے آخری مفروضہ (دعویٰ) ہی معقول نظر آتا ہے۔ ہم ضرور سوچتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے وجود میں اعتقاد اور یقین کا سوال ماسوائے شعور یا آگہی کے معاملہ کے اور کچھ نہیں ہے۔ یقیناً انسان کا اپنے وجود کے بارے میں ایک مثبت شعور ہے اور وہ اپنی

Marfat.com

پوشیدہ حقیقت سے بھی آگاہی رکھتا ہے تو پھر وہ اس عظیم ہستی سے بھی آگاہ ہے جو دائمی ہے ' ہمیشہ موجود ہے اور کائناتی حقیقت سے بھی آگاہ ہے جس کا اس وجود سے تعلق ہے اور وہی اس کا محافظ بھی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا کائنات سے تعلق ہے وہ اس کا خالق اور وہی اس کا محافظ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ خدا کا تصور ہمارے کائنات کے علم و ادراک پر مبنی ہے اور اس میں جو کچھ بھی موجود ہے اس (ذات کی شہادت دیتی ہیں اور ثبوت مہیا کرتی ہیں یا اس کے بنانے والے کا وجود (Existence) ثابت کرتی ہیں۔ کہنے کا مقصد ہے کہ "تخلیق" ہماری خالق تک رہنمائی کرتی ہے۔

شعور (Consciousness) اور مبنی بر عقل (Rational) ایک دوسرے کی نفی نہیں کرتے اگرچہ شعور عقل کی نسبت کسی چیز کا احساس کرنے میں زیادہ طاقتور ہے۔ ہمارے نزدیک شعور اور (مبنی بر) عقل میں واضح فرق معلوم نہیں ہے یعنی ماسوائے اس بات کے کہ ہماری عقل ہمارے شعور تک رہنمائی کرتی ہے۔ کئی فلسفیوں نے اس مسئلے کا مطالعہ کیا اور انہوں نے اپنے مختلف استدلال اور شہادتوں سے ثابت کیا کہ خدا کا وجود ہے اور یہ ایک ایسی سچائی ہے جو ہندسہ کے نتائج (Corollaries) کی طرح ہے جن کے ذریعے ستاروں کی حرکات و سکنات اور ان کی اشکال اور کائنات کے دوسرے حصوں کے بارے میں پیش گوئی کی جاتی ہے۔

وہ جو دنیا پر نگاہ ڈالتا ہے وہ اس میں موجود تدبر' درستگی (Precision) اور زندگی کے تسلسل کو دیکھتا ہے اور یہ چیزیں اس کے ہر شک کو ختم کرتی ہیں کہ یہ تمام مظاہر قدرت عبث نہیں ہیں اور کوئی قوت موجود ہے جو اس ترتیب اور ہم آہنگی کو برقرار اور محفوظ کئے ہوئے ہے یہ حقائق ہمیں سائنس نے بتائے ہیں اور سائنس کی اس قوت کو تسلیم کرلینا چاہیے۔ یہ ابھرتی ہوئی کائنات خود بخود ظہور میں آئی یا پھر کسی طاقت یا خالق کے ذریعے ظہور پذیر ہوئی؟ اور یہ مفروضہ کہ خود بخود فوری طور پر (Spontaneously) پیدا ہوگئی (جیسا کہ بعض کا خیال ہے) ایک احمقانہ مفروضہ ہے اور اسے قبول نہیں کیا جا سکتا لہٰذا اس دنیا کو کسی بنانے والے سے پیدا ہونا چاہیے تھا۔ اب چند اور مفروضوں پر غور فرمائیں۔

1۔ اگر ہم یہ فرض کریں کہ خالق بھی اسی طرح (قسم) کا تھا جس قسم کی کائنات ہے تو یہ بھی

Marfat.com

ایک قسم کی بے معنی بات یا حماقت ہو گی جو ہمیں پھر اس سوال کی طرف لے جائے گی جس کا جواب ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا اس مسئلے کو حل کرنے کا کوئی اور طریقہ نہیں ہے کہ ہم تسلیم کر لیں کہ وہ قوت (Power) جس نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے اس سے ہر لحاظ سے مختلف ہونی چاہیے یعنی تخلیق (Creation)' خالق (Creator) سے مختلف ہونی چاہیے۔ نتیجتاً اگر کائنات تخلیق ہوئی ہے تو پھر خالق بھی ہونا چاہیے۔ اگر یہ کائنات مادی (Material) ہے تو خالق کو (Immaterial) ہونا چاہیے۔

2۔ اگر ہم یہ فرض کریں کہ اس کائنات کا کوئی آغاز ہے یا اختتام ہے تو پھر اس کو پیدا کرنے والی قوت کا نہ تو کوئی آغاز ہونا چاہیے اور نہ ہی انجام۔ چنانچہ وہ قوت جس نے کائنات کو تخلیق کیا وہ قادر مطلق (Almighty God) ہے جس کا کوئی شریک نہیں یا جس جیسا اور کوئی نہیں اور یہ سب قرآنی آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ چند ایک پر غور فرمائیے۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۝

ترجمہ: ''کیا یہ لوگ بدون کسی خالق کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود اپنے خالق ہیں''

(سورۃ الطور52: آیت35)

دوسرا ترجمہ: ''کیا وہ عدم سے تخلیق کیے گئے تھے یا وہ خود اپنے آپ کو پیدا کرنے والے تھے یا انہوں نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے بلکہ یہ لوگ (بوجہ جہل کے توحید کا) یقین نہیں لاتے''

(سورۃ الطور52: آیت35‘36)

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

ترجمہ: ''اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے (اور) اسی کے اختیار میں زمین اور آسمانوں کی کنجیاں ہیں اور جو لوگ (اس پر بھی) اللہ کی آیتوں کو

Marfat.com

نہیں مانتے وہ بڑے خسارہ میں رہیں گے"۔

(سورۃ الزمر39: آیت62، 63)

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ○

ترجمہ: "یہ اللہ ہے تمہارا رب وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں"

(سورۃ المومن40: آیت62)

ارشاد ہوا

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ○

ترجمہ: "اس کی مانند کوئی نہیں! وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے"

اور بھی آیات ہیں جو یہی معنی رکھتی ہیں یا ان کا مفہوم بھی یہی ہے جو مذکورہ بالا آیات کا ہے۔

(سورۃ الشوریٰ42: آیت11)

(پھر ارشاد ہوا)

اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ○

ترجمہ: "(تو) کیا آپ کے رب کی یہ بات (آپ کی حقیقت کی شہادت کے لیے) کافی نہیں کہ وہ ہر چیز کا شاہد ہے"

(سورۃ حم السجدہ41: آیت53)

اس میں کوئی شک نہیں کہ فطرت کے اصول یا قوانین جن کا انسان نے مشاہدہ اور ادراک کیا ہے وہ قادر مطلق کی قوت کو ظاہر کرتے ہیں مثلاً قانون تجاذب (قانون کشش ثقل) قانون حرحرکیات (Laws of Thermodynamics)، علم تو الد (Genetics) کے قوانین وغیرہ وغیرہ۔ درحقیقت یہ کائنات جیسا کہ میں تصور کرتا ہوں وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی مرضی اور خالق عظیم کی قوت کا اظہار ہی تو ہے۔ یہ کائنات ہی اللہ نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ بیان کرتے ہیں یا فطرت (Nature) کو ہی خدا کہہ دیتے ہیں۔ یہ کائنات یا

Marfat.com

فطرت انواع و اقسام کی مخلوق سے بھری پڑی ہے جس میں سے بعض کو ہم جانتے ہیں اور بعض کے متعلق ہم قطعاً کچھ نہیں جانتے۔ یہ سب کچھ قادر مطلق کی قوت و طاقت کو ثابت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو جاننے کا دوسرا بڑا منبع قرآن حکیم ہے جو حضور نبی کریم ﷺ کا ایک عظیم غیرفانی معجزہ ہے۔ یہ ہمیں ایمان' سچائی' راستی' نیکی اور انصاف کی طرف دعوت دیتا ہے اگر میں متذکرہ بالا منطقی شہادتوں کو نظرانداز بھی کر دوں تو پھر میرے سامنے آخری پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی ذات بابرکات ہے جن پر یہ قرآن حکیم معجزاتی کتاب وحی الٰہی کی صورت میں نازل ہوئی۔ میں نے ذاتی طور پر (اس زمانے میں) قرآن حکیم کی سائنسی معجزیت (Scientific Miraculous) کو محسوس کیا ہے اور حضرت محمد ﷺ کے پیغام پر ایمان رکھتا ہوں اور آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس عظمت کے پس پردہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے تو میں حضور ﷺ کے ذریعے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہوں۔

سورۃ کہف کی آیت 110 میں ارشاد ہوتا ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

ترجمہ: (آپ) کہہ دیجئے کہ میں تو تم ہی جیسا بشر (انسان) ہوں۔ میرے پاس بس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود (برحق) ایک ہی معبود ہے (یعنی ایک ہی عبادت کے لائق ہے)
(سورۃ الکہف 18: آیت 110)

اور ان لوگوں کے بارے میں جو اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں یا اسے اپنے ہاتھوں سے چھونا چاہتے ہیں تاکہ وہ ایمان لے آئیں تو میں ان سے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ پہلے ملکہ برطانیہ کو ملیں اور اسے چھونے کی کوشش کریں جو محض ایک بنی نوع انسان ہے۔ قرین قیاس تو یہی ہے کہ شاید وہ ایسا نہ کر سکیں اور ایسے لوگ اس کی تصویر سے ہی مطمئن ہو جائیں گے کیوں کہ وہ اسے روبرو نہیں دیکھ سکیں گے یا اسے اپنے ہاتھوں سے چھو نہیں سکیں گے ماسوائے خاص حالات کے جو کہ ہر کسی کو بھی میسر نہیں ہیں۔ اب ان دونوں صورتوں میں تو بہت ہی فرق ہے جیسا کہ پہلے معاملہ میں

Marfat.com

ہمارے پاس ملکہ ہے جو کہ عام انسان ہے جب کہ دوسری صورت میں ایک قادر مطلق ہے جو کہ ساری کائنات کا مالک ہے اور تمام تعریفیں اسی کے لیے ہیں۔ اس لیے یہ ظاہر کرتا ہے کہ قادر مطلق (God Almighty) کو عام آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا وہ ایسے گنہگار لوگوں کی نگاہ سے بلند ہے لیکن وہ جو اللہ پر یقین کامل یا پختہ یقین رکھتے ہیں وہ اپنے دل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتے ہیں۔ بالفاظ دیگر جو شخص دیکھنے کی کوشش کرتا ہے' عبادت کرتا ہے' محبت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تکریم کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اسے اس کے دل (Heart) کے ذریعے اپنے آپ کو دکھا دیتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و رحمت اپنے گرد و پیش محسوس کر سکتا ہے۔ اسی ضمن میں مولانا رومی کی ایک حکایت ہے۔

حکایت رومی

مولانا جلال الدین رومی نے ایک حکایت لکھی ہے۔ دو مصور کسی بادشاہ کے سامنے پیش ہوئے۔ بادشاہ نے انہیں اپنے اپنے فن کے اظہار کے لیے ایک بڑے کمرے کی آمنے سامنے کی دو دیواریں دیں اور درمیان میں پردہ کھنچوا دیا۔ ایک مصور نے اپنی دیوار پر خوبصورت نقش و نگار بنائے۔ دوسرے نے اسے رگڑ رگڑ کر پتھر کی مانند شفاف بنا دیا۔ پردہ ہٹایا گیا تو ایک دیوار کے نقش دوسری میں نظر آتے تھے۔ رومی اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ قلب (Heart) شفاف ہو جائے تو کائنات کے معاملات اس میں منعکس ہو جاتے ہیں۔ قلب کو شفاف کرنا ہی تزکیہ کہلاتا ہے اور اس کے لیے "ذکر" اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ جدید سائنس نے چیزوں کی پوشیدہ توانائی کے مطالعہ' استعمالات اور ان کی اہلیت پر توجہ مرکوز کر رکھی ہے بجائے اس کے کہ وہ ان چیزوں کی اصل حقیقت (ان کی سچائی) اور روح (Truth and Essence) کا مطالعہ کریں۔ جدید سائنس حرارت کی پیدائش کے لیے بجلی کا استعمال کرتی ہے' مشینوں کو چلانے کے لیے' روشنی پیدا کرنے کے لیے' برقی تھراپی کے لیے الغرض بجلی کے بے شمار استعمالات ہیں مگر یہ کیا چیز ہے؟۔ اس کی اصل روح کیا ہے؟ کی توضیح اسی طرح پیش نہیں کر سکی جس طرح یہ اس کے استعمالات میں کامیاب ہوئی ہے۔ جیسا کہ آپ دوسرے باب میں مطالعہ فرما

Marfat.com

چکے ہیں جدید سائنس بہت ساری چیزوں کی فطرت اور کئی مظاہر قدرت کو سمجھنے میں فی الحال ناکام ہے مثلاً بجلی کے علاوہ یہ حرارت، روشنی اور ایکس ریز وغیرہ کو بھی پوری طرح نہیں سمجھ سکی۔ یہ سچ ہے کہ اس نے مختلف سائنسی نظریات میں ان چیزوں کی تعریف و توضیح (Definition) کر دی ہوئی ہے مگر یہ نظریات (Theories) سچائی (Truth) یا حقیقت بیان نہیں کرتے بلکہ بعض نظریات تو ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں۔ جیسا کہ ابھی ذکر ہوا ہے کہ سائنس کا کام تو چیزوں کی موروثی توانائی کا استعمال کرنا ہے بغیر ان کی تخلیق کے طریقے کو جاننے کے یا ان کی روح یا حقیقت (اصلیت) کو جاننے کے اور بظاہر کیا یہ بات ہمیں مابعد الطبیعیات کی طرف نہیں لے جاتی؟ لیکن ہم ان چیزوں کے مطالعہ سے ان میں درستگی (Preciseness) اور تکمیل (Perfection) کو محسوس کرتے ہیں جو ہم کو اس خیال کی طرف مبذول کرتی ہے یا تجزیہ کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ کوئی ایسا ڈیزائن کرنے والا خالق (Designing Creator) ہے جو پس پردہ ہر چیز کو ڈیزائن کرتا ہے اور پھر اس کا ہر ڈیزائن اصل (Original) ہوتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ہم قادر مطلق کو اس کی قوت کے مظاہرہ اور اس کی مخلوق کے ذریعے ہی جان سکتے ہیں اور وحدت الوجود یا ایک اللہ پر ایمان لانے کا "اہل علم" کا یہی طریقہ رہا ہے۔ آخری بات یہ ہے کہ میں ایک کمزور اور ناتواں بنی نوع انسان ہوں اور تکلیف اور مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف ہی رجوع کرتا ہوں جو یقیناً میری بات سننے والا اور میرے دکھوں کا مداوا کرنے والا ہے اور اسی بات سے مجھے راحت و سکون ملتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ پر نہ صرف یقین بلکہ پختہ یقین رکھتا ہوں۔

علم والے عالم

قارئین مذکورہ پیراگراف میں میں نے "اہل علم" کا ذکر کیا ہے۔ قرآن حکیم کی سورۃ آل عمران 3 کی آیت 18 میں علم والے عالموں کو "اولوا العلم" کہا گیا ہے۔ علم کے معنی جاننا اور معلوم کرنا ہیں۔ علم محض حرف شناسی اور کتابوں کی ورق گردانی کا نام نہیں ہے بلکہ علم حقائق اشیاء اور معرفت حقیقت کا نام ہے۔ خواہ وہ غور و فکر کے ذریعے سے ہو یا تجربات و مشاہدات کے ذریعہ سے ہو لہٰذا اولوا العلم سے مراد وہ اہل علم ہیں جو حقیقت کو

Marfat.com

جانتے اور پہچاننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

قارئین کرام کتاب کے آخر میں ان دعاؤں میں میرے ساتھ شریک ہو جائیں۔

عطا کن شور رومی' سوز خسرو
عطا کن صدق و اخلاص سنائی
چناں با بندگی در ساختم من
نہ گیرم گر مرا بخشی خدائی

علامہ اقبالؒ (ارمغان حجاز)

ترجمہ: (اے خدا) تو مجھے رومی کا جذبہ شوق (جذب و مستی کی کیفیت) اور خسرو کا سوز و گداز فرما۔ میں نے بندگی کے ساتھ اس حد تک موافقت پیدا کرلی ہے کہ اگر تو مجھے خدائی (بھی) بخشے تو میں قبول نہ کروں گا۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ○

اے ہمارے رب! عطا فرما ہمیں دنیا میں بھی اچھائی اور بھلائی اور آخرت میں بھی اچھائی اور بھلائی اور بچا تو ہمیں آگ کے عذاب سے"

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ○ وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ○

ترجمہ: "اے ہمارے رب! قبول فرما ہم سے (یہ خدمت) بے شک تو ہی ہے سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا اور قبول فرما ہماری توبہ بے شک تو ہی ہے توبہ قبول فرمانے والا' رحم فرمانے والا"

رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا○

ترجمہ: "(اے میرے رب! زیادہ کر میرا علم)"

قارئین کرام اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں ان دعاؤں کے ساتھ اور حضور نبی کریم ﷺ پر درود و سلام کے بعد میں اس کتاب کو یہاں ختم کرتا ہوں وما علینا الا البلاغ۔

Marfat.com

قرآنی آیات جن کا حوالہ دیا گیا

نمبر شمار	نام سورت	آیت	صفحہ
1	مائدہ 5	3	15
2	انعام 6	104	16
3	حجر 15	9	16
4	جاثیہ 45	13	19
5	طور 52	35	21
6	آل عمران 3	7	26
7	سورہ نحل 16	42	27
8	بقرہ 2	23	28
9	بنی اسرائیل 17	88	28
10	جاثیہ 45	6	30
11	نحل 16	89	31
12	فرقان 25	6	31
13	بنی اسرائیل 17	12	34
14	سورہ نور 24	35	34
15	علق 96	1 تا 5	36
16	فاطر 35	27‘28	37
17	انعام 6	98	37
18	روم 30	آیت 22	37
19	جاثیہ 45	3	38

نمبر شمار	نام سورت	آیت	صفحہ
20	زمر 39	9	38
21	انعام 6	149	39
22	یونس 10	36	39
23	عنکبوت 29	19	40
24	غاشیہ 88	17 تا 20	40
25	اعراف 7	185	40
26	مائدہ 5	104	41
27	ملک 67	3‘4	47
28	فاطر 35	41	48
29	ابراھیم 74	48	50
30	انبیاء 21	104	50
31	تکویر 81	11	50
32	نحل 16	89	53
33	بنی اسرائیل 17	12	53
34	یونس 10	24	58
35	نحل 16	44	58
36	بقرہ 2	242	58
37	نساء 4	82	59
38	محمدؐ	24	59
39	ص 38	29	59
40	واقعہ 56	62	60
41	ذاریات 51	49	61
42	انعام 6	99	62

Marfat.com

نمبر شمار	نام سورت	آیت	صفحہ
43	سورہ یوسف 12	111	62
44	ھود 11	7	63
45	سجدہ 32	5	63
46	معارج 70	4	64
47	بقرہ 2	255	64
48	انبیاء 21	30	65
49	انعام 6	2	65
50	حجر 15	28	66
51	نور 24	45	66
52	حج 22	5	66
53	مومنون 23	12 تا 15	66
54	نحل 16	66	68
55	جاثیہ 45	6	69
56	علق 96	1 تا 5	80
57	مجادلہ 58	11	81
58	طٰہٰ 20	114	81
59	غاشیہ 88	17 تا 20	84
60	اعراف 7	54	86
61	انبیاء 21	33	89
62	ابراھیم 14	33	89
63	نحل 16	12 تا 16	89
64	یٰس 36	40	91
65	حم السجدہ 41	11	95

نمبر شمار	نام سورت	آیت	صفحہ
66	دخان 44	11‘10	96
67	نازعات 79	30 تا 27	96
68	الحجر 15	29‘28	110
69	بنی اسرائیل 17	85	111
70	نور 24	45	144
71	انبیاء 21	30	144
72	صافات 37	11	144
73	نساء 4	1	145
74	مومنون 23	15 تا 12	145
75	یٰس 36	82	146
76	نازعات 79	31‘30	152
77	نمل 27	88	152
78	طٰہٰ 20	107 تا 105	153
79	مرسلات 77	10‘9‘8	153
80	یٰس 36	37	154
81	آل عمران 3	27	154
82	یٰس 36	40	155
83	شمس 91	4 تا 1	155
84	زمر 39	5	156
85	یٰس 36	38	157
86	انبیا 21	30	158
87	شمس 91	6	158
88	بقرہ 2	22	159

Marfat.com

نمبر شمار	نام سورت	آیت	صفحہ
89	طور 52	5	159
90	بقرہ 2	255	159
91	نازعات 79	28	160
92	ملک 67	1 تا 4	160
93	مومنون 23	86	161
94	ذاریات 51	47	162
95	یٰس 36	39، 40	163
96	تکویر 81	1، 2	168
97	نحل 16	77	177
98	تکویر 81	6	173
99	اعراف 7	54	174
100	ق 50	38	174
101	ھود 11	7	175
102	معارج 70	4	175
103	حم السجدہ 41	9، 10	176
104	نازعات 79	30 تا 32	178
105	لقمان 31	10	178
106	رعد 13	41	179
107	یونس 10	24	181
108	انعام 6	59	188
109	نمل 27	38 تا 39	193
110	نمل 27	40، 41، 42، 43	194
111	نساء 4	157، 158	197

Marfat.com

نمبر شمار	نام سورت	آیت	صفحہ
112	بنی اسرائیل 17	1	198
113	فتح 48	23	199
114	انعام 6	25	204
115	رحمٰن 55	33	206
116	لقمان 31	20	208
117	حجر 15	21، 22	209، 211
118	شوریٰ 42	11	213
119	رحمٰن 55	18، 19	215
120	فرقان 25	53	216
121	زخرف 43	51 تا 53	220
122	دھر 76	15، 16	222
123	حدید 57	25	224
124	کہف 18	96	227
125	صف 61	4	229
126	یونس 10	24	246
127	رحمٰن 55	26	247
128	رعد 13	2	247
129	انبیا 21	33	248
130	زمر 39	5	250
131	اعراف 7	54	250
132	نور 24	44	251
133	حج 22	61	250
134	بقرہ 2	22	252

Marfat.com

نمبر شمار	نام سورت	آیت	صفحہ
135	انبیاء 21	32	252
136	حجر 15	16	253
137	فرقان 25	61	253
138	ذاریات 51	7	253
139	صافات 37	6	253
140	نبا 78	12	253
141	طلاق 65	12	253
142	انبیاء 21	32	254
143	ملک 67	5‘ 6	261
144	جن 72	8 تا 11	262
145	صافات 37	6 تا 10	263
146	حجر 15	17‘ 18	263
147	طلاق 65	12	264
148	ملک 67	3	264
149	نوح 71	15	264
150	نور 24	43‘ 44	271
151	بقرہ 2	19‘ 20	276
152	رعد 13	13	276
153	حم السجدہ 41	13	277
154	رعد 13	12‘ 13	278
155	جاثیہ 45	4	278
156	بقرہ 2	164	278
157	حاقہ 69	4 تا 7	284

نمبر شمار	نام سورت	آیت	صفحہ
158	نور 24	40	287
159	اعراف 7	57	290
160	نوح 71	9 تا 12	291
161	فاطر 35	9	292
162	واقعہ 56	68 تا 70	292
163	روم 30	48	293
164	قمر 54	9 تا 12	294
165	قمر 54	33‘34	294
166	یونس 10	22	296
167	لقمان 31	31‘32	299
168	ملک 67	30	301
169	حجر 15	22	302
170	مومنون 23	18	303
171	فرقان 25	48	304
172	نحل 16	14	305
173	فاطر 35	12	311
174	مائدہ 5	96	312
175	بنی اسرائیل 17	66	312
176	بقرہ 2	164	312
177	رحمٰن 55	19 تا 22	313
178	یٰس 36	80	315
179	ابراہیم 14	50	316
180	اعلیٰ 87	4‘5	317

نمبر شمار	نام سورت	آیت	صفحہ
181	تحریم 66	6	319
182	انبیا 21	69	322
183	نحل 16	81	323
184	نحل 16	65	324
185	حج 22	63	329
186	زمر 39	6	330
187	مرسلات 77	20 تا 23	332
188	لقمان 31	34	333
189	دھر 76	30	334
190	تکویر 81	29	335
191	لقمان 31	27	349
192	طور 52	35، 36	351
193	زمر 39	62، 63	352
194	مومن 40	62	353
195	شوریٰ 42	11	353
196	حم السجدہ 41	53	353
197	کہف 18	110	354
198	بقرہ 2	201	357
199	بقرہ 2	127، 128	357
200	طٰہٰ 20	114	357

کتابیات

(BIBLIOGRAPHY)

"قرآن اور جدید سائنس" میں زیر بحث بعض موضوعات سے متعلق قرآنی تراجم و تفاسیر کے علاوہ آپ مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ فرما سکتے ہیں۔

1. Hans Küng, Does God Exist? (An Answer For Today) Original in German, Translated by Edward Quinn Published by Doubleday and Company Inc/Garden City, New York, 1980.
(English Translation Copyright 1978, 1979, 1980)
2. Maulana Wahiduddin Khan, "God Arises" Evidence of God in nature and in Science by The Islamic Centre, New Dehli 1987, 1995.
3. Ahmad Mahmud Soliman, Scientific Trends in the Quran, Published by Ta-Ha Publishers Ltd. I, Wynne Road London S.W. 9, 1985.
4. M. M. Qureshi & et al: Quranic Ayaat Containing Reference to Science and Technology, Sh. Sirri Welfare & Cultural Trust, Pakistan Science Foundation Al-Markaz, F-7, Islamabad, Pakistan.
5. Dr. Haluk Nurbaki, Verses from the Glorious Koran and the facts of Science, Translated by Metin Beynam, Turkish Foundation for Religion Publication, Printing and Trade Service, 1983.
Ankora, Turkey, 1983.
6. Alan Isaas The Survival of God in the Scientific Age, Penguin Books Ltd., Harmondsworth, Middlesex, England, 1966.
7. Majid Ali Khan, Islam on Origin & Evolution of Life by Idarah-i-Adabiyat-i-Delhi 2009, Qasimjan St. Dehli, (India), 1970, 78.
8. Maurice Bucaille, What is the Origin of Man? (The answers of Science and the Holy Scriptures). Translated from the French by Alastair D. Pannell and the Author, A. S. Noordeen P. O. Box 10066, 50704 Kuala Lumpur, Malaysia, 1989.
9. Maurice Bucaille, The Bible, The Quran and Science, Translated from the French by Alastair D. Pannel and the author, Seghers 3 Rule Falgine, 75725 Paris, Cadex 15, 1977.
10. Muhammad Abdul Quddus, The Quranic Idea of Evolution, published by the author Muhammad Abdul Quddus, 76/A, Hyderabad Colony Karachi-5 (W. Pakistan), 1971.
11. Edward A. White, Science and Religion in American Thought (The

Impact of Naturalism), Published by Stanford University Press, Stanford California, London: Geoffry Cumberlege, Oxford University Press, 1952.

12. Abdul Karim Chippa, Beauty and Wisdom of The Holy Quran, Published by Sufi Textile Printing Mills Ltd.
D-54, S.I.T.E. Mauripur Road, Karachi, 1962, 1964.
13. J. Arthur Thomson, Science and Religion, 3rd ed. Methuen & Co. Ltd., 36 Essex Street W. C. London, 1925, 1927.
14. Kenneth Walker, "Meaning and Purpose" Penguin Books, Harmonds worth, Middlesex, 1944, 1950.
15. M. H. J. Th. Vander Veer and P Moerman, "Hidden Worlds", (Fresh clues to the Past), British Edition Published by Souvenir Press, Ltd., 1974 Bantam edition/June 1975.
16. Fred Hoyle, The Nature of the Universe, Penguin Books Ltd., Harmondsworth, Middlesex, England, 1950, 1960, 63, 65.
17. Abdullah Yusuf Ali, The Meaning of The Holy Quran, (New Edition with Revised Translation and Commentary) Amana Corporation Brentwood, Maryland, U.S.A. 1991.
18. Fazal Karim, "The Ultimate Fate of the Sun, Quest Vol. VI, 96 A Research Journal of the Department of Philosophy, G. C. Lahore Pakistan.
19. Fazal Karim "Science and the Supernatural" Al-Hekmat – A Research Journal of the Department of Philosophy, University of the Punjab Lahore, December, 1993.
20. Fazal Karim "The Known Forces of Nature and the Concept of God", Al-Hikmat, – A Research Journal of the Department of Philosophy, University of the Punjab, Lahore, December, 1994.

Marfat.com

(21) فضل کریم' کائنات اور اس کا انجام' طبع چہار' جنگ پبلشرز 13 سر آغا خاں روڈ لاہور' جون 1998ء

(22) فضل کریم' دھاتیں اور ان کے استعمالات' ادارہ تالیف و ترجمہ پنجاب یونیورسٹی لاہور' 1979ء

(23) مولانا حافظ خواجہ عبدالحی صاب فاروقی' مولانا حافظ مرغوب احمد صاحب توفیق حاجی عبدالواحد صاحب' حافظ نذر احمد صاحب' درس قرآن (سات جلدوں میں) ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگز 106 میکلوڈ روڈ لاہور

(24) ڈاکٹر سید عبداللہ' مسائل اقبالؒ' مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور 1987ء

(25) مولانا محمد شہاب الدین ندوی' تخلیق آدم اور نظریہ ارتقاء المکتبہ الاشرفیہ جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ لاہور' 1987ء

(26) نباتات قرآن- ایک سائنسی جائزہ از اقتدار فاروقی (لکھنو' انڈیا) ڈاکٹر محمد اقتدار حسین فاروقی' صابری برادرز پبلشرز پہلی منزل این میڈیسن مارکیٹ چوک اردو بازار- لاہور 1996ء' صابری بک سینٹر۔سٹای روڈ سمن آباد لاہور

(27) تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ' بزم اقبال' کلب روڈ لاہور (حکیم الامت حضرت علامہ اقبالؒ کے انگریزی خطبات کا اردو ترجمہ)' طبع چہارم نومبر 1994ء

(28) عبدالکریم بی- آزاد شیرازی قرآن و طبعیت (فارسی میں)گذشتہ و آئندہ جہان چاپ دوم آدرس مکاتباتی مژان صندوق پست 134-33

(29) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی' القرآن الحکیم مترجم تاج کمپنی لمیٹڈ ناشران قرآن مجید لاہور کراچی ڈھاکہ

(30) ابوالاعلیٰ مودودی' تفہیم القرآن (جلد اول)' مکتبہ تعمیر انسانیت اندرون موچی دروازہ لاہور ایڈیشن ہشتم نومبر 1970-

(31) علامہ سید شبیر بخاری' الاختصار البیان فے مانی القرآن' مخدوم جہانیاں اکیڈمی 523 جہاں زیب بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور 1996ء

مطبوعہ فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ لاہور۔ باہتمام عبدالسلام پرنٹر و پبلشر

Marfat.com

DATA ENTERED

قرآن اور جدید سائنس

حیرت آفریں سائنسی اکتشافات

از

پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم

ایم۔ایس سی ٹیکنالوجی (پنجاب)؛ پی۔جی۔ڈپلومہ (لیڈز۔انگلینڈ)

پی۔ایچ ڈی میٹالرجی (لیڈز)؛ اے۔آر۔آئی۔سی (لندن)

ایم۔آئی۔ایم (لندن)؛ چارٹرڈ انجینئر (لندن)؛ ایف۔آئی۔ایم۔ای (پاک)

ایم۔آئی۔سی۔ایچ۔ای (پاک)؛ پی۔ای (پاک)؛ ایف۔آئی۔پی۔ایف (پاک)

سابق صدر پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف میٹالرجیکل انجینئرز

صدر انسٹی ٹیوٹ آف پاکستان فونڈری مین

سابق ڈین فیکلٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی

پنجاب یونیورسٹی نیو کیمپس لاہور

فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ

لاہور راولپنڈی کراچی

Marfat.com